نگران
غلام ربانی تاباں

کتاب نما

مدیر
ریحان احمد عباسی

جلد نمبر ۱ | جون سنہ ۶۰ء | شمارہ نمبر ۱

فہرست

سالانہ
تین روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

فی پرچہ
۲۵ نئے پیسے

سید احمد علی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دلی سے چھپوا کر دفتر کتاب نما جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

اشاریہ

عطیہ نشوا مہانی تاباں

اب سے آٹھ سال قبل "کتاب نما" جاری کرکے ہم نے کوشش کی تھی کہ اردو ادب سے دلچسپی رکھنے والوں کو اردو کی اشاعتی سرگرمیوں سے واقفیت بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اردو کے ناشرین کو بھی ایک ایسے رشتۂ اتحاد میں منسلک کر سکیں جس کے ذریعے وہ ایک دوسرے کے پروگراموں سے واقف رہیں ہمارا خیال تھا کہ اس طرح ناشرین اپنی اشاعتی سرگرمیوں کو زیادہ اچھی طرح جاری رکھ سکیں گے۔ مگر افسوس کے ساتھ ہمیں یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ہماری مساعی مشکور نہ ہو سکیں اور یہ دیکھ کر کہ ہمارے ہم عصر ناشرین ہمارے ان جذبات کی پذیرائی پر آمادہ نہیں ہم نے کافی خسارہ اٹھا کر اسے مجبوراً بند کر دینے کا فیصلہ کر لیا۔

اس آٹھ سال کی مدت میں اردو زبان اور ادب کے بیمار جسم میں کچھ نہ کچھ توانائی آگئی ہے جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اردو کی کتابیں، اخبار اور رسالے، پہلے کے مقابلے میں اس وقت زیادہ تعداد میں چھپ رہے ہیں۔ ان اشاعتی سرگرمیوں میں اضافہ ہی نے ہم میں ایک بار پھر کتاب نما کے اجرا کی تحریک پیدا کی۔

پہلے کی طرح آج بھی ہمارا مقصد اس رسالے کے اجرا سے یہی ہے کہ ہم اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کو ہر ماہ یہ اطلاع دیتے رہیں کہ ادبی کتابوں کی رفتارِ طباعت کیا ہے، کس ادارے سے کون سی کتاب شائع ہو رہی ہے، اور اگر ناشرین کرام تعاون کریں تو ہم یہ بھی بتاتے رہیں کہ مختلف اداروں کا آئندہ اشاعتی پروگرام کیا

کتاب نما

ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ یہ معلومات شائقین ادب کو اپنی پسند کی کتابوں کی چھان بین اور تلاش و جستجو کی بہت سی زحمتوں سے بچا دے گی۔

اس کے علاوہ ادبی خبریں، کتابوں پر تبصرے اور تنقیدیں بھی ہمارے پروگرام کا ایک اہم جزو ہوگی۔ ہماری کوشش یہ ہوگی کہ مذکورہ بالا مقاصد کے ساتھ ساتھ ہم اس رسالے کو ایک بلند پایہ ادبی جریدہ بھی بنا دیں لیکن یہ مقصد ذرا دیر میں پورا ہو سکے گا۔ اس درمیان میں بھی ہم کوشش کرتے رہیں گے کہ رسالہ بالکل خشک معلوماتی رسالہ ہو کر نہ رہ جائے۔

قارئین، ناشرین اور ادب دوستوں سے ہماری درخواست ہے کہ وہ ساتھ زیادہ سے زیادہ تعاون کر کے کتاب نما کو مفید سے مفید تر بنانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

(ادارہ)

علی عباس حسینی

مرزا محمد ہادی رسوا

مصنف امراؤ جان ادا جو اپنے کہانیوں والے تخلص رسوا کے نام سے مشہور ہیں محض افسانہ نگار، ناول نگار ہی نہ تھے بلکہ حقیقی معنوں میں حکیم اور علامہ تھے۔ ان کا پورا نام مع تخلصوں اور ڈگریوں کے مرزا محمد ہادی بی اے، پی، ایچ، ڈی مرزا رسوا تھا۔ وہ لکھنؤ میں جنوری یا فروری ۱۸۵۸ء میں "بھگدڑ" سے کچھ ہی دنوں پہلے پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد آغا محمد تقی ماژندرانی لکھنؤ کے رئیسوں میں سے تھے۔ وہ فارسی، ریاضی اور نجوم سے خاص ذوق رکھتے تھے۔ مرزا رسوا نے یہ علوم انہیں سے سیکھے۔ ابھی وہ پندرہ سولہ برس ہی کے تھے کہ ان کے بڑے بھائی محمد ذکی اور ان کے والد نے انتقال کیا۔ والدہ پہلے ہی انتقال کر چکی تھیں۔ رہی صاحب املاک و جائداد تھیں اس لئے خالہ اور ماموں نے انھیں اپنی ولایت میں لے لیا اور ساری جائداد پر قبضہ کر کے اسے اڑا ڈالا۔ حیدر بخش عرف حسین بخش نے جو خوشنویسی میں ان کے استاد اور آغا محمد تقی مرحوم کے خاص دوستوں میں تھے، رسوا کی سرپرستی کی اور وہ لکھنؤ کے بانکوں جیسی زندگی بسر کرنے لگے۔ بزرگوں نے نوجوانی کی غلط روی سے بچانے کے لیے فیض آباد کے ایک شریف گھرانے میں شادی کرا دی۔ اس نیک بیوی کی حوصلہ افزائی سے رسوا نے منشی اور میٹرک کے امتحانات پاس کئے اور ان کے انتقال سے متاثر ہو کر لکھنؤ چھوڑا اور رڑکی چلے گئے۔ وہاں کے انجینیرنگ کالج سے انھوں اوورسیری کا امتحان پاس کیا اور صوبہ سرحد میں ریلوے میں ملازمت کر لی۔ کوئٹہ لائن کا سروے مرزا رسوا ہی نے کیا ہے۔ ملازمت کے زمانے میں کیمسٹری اور مکینک کا شوق ہوا۔ اس لئے نوکری چھوڑی اور لکھنؤ آ کر گھر کا اثاثہ بیچا اور انگلستان سے کیمسٹری کے قیمتی آلات منگوا کر کیمیا و سیمیا

کے تجربے کرنے لگے۔ اس وقت تک عربی اچھی طرح نہ جانتے تھے اس زبان میں کیمسٹری میں کتابیں پڑھنے کے لئے عربی بھی پڑھ ڈالی اور عبرانی بھی سیکھ لی۔

کچھ دنوں کے بعد جب معاش میں تنگی محسوس ہوئی تو نخاس مشن اسکول میں ملازمت کرلی اور ایک لوہار کے لڑکے کا ٹیوشن کرلیا۔ دن میں معلمی کے فرائض ادا کرتے اور شب میں لوہار کے کارخانے سے فائدہ اٹھاتے اور مختلف آلات اپنے ہاتھ سے بناتے اور ڈھالتے۔ ایک گریجویٹ دوست کے طعنہ دینے پر ایف' اے اور بی' اے کے امتحانات بھی پرائیویٹ طور پر پاس کرلئے۔ اب سینٹینل ہائی اسکول میں ملازمت کی اور 'اشراق' نامی پرچہ نکالا۔ اس میں افلاطون اور ارسطو کی تصنیفات کے ترجمے بھی چھاپتے تھے اور ان کے نظریات پر علمی بحثیں بھی کرتے تھے۔ جب ریڈکرسچین کھلا تو اس میں عربی، فارسی، تاریخ اور فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہو گئے انھیں ایام میں ایزبلا تھوبرن گرلس کالج نے بھی اپنے ہاں فارسی کی لکچراری پر مقرر کرلیا۔ دن کو کرسچن کالج میں پڑھاتے، شام کا وقت گرلس کالج کی نذر ہوتا۔

اسی مشغولیت میں ایک فرنگی کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ 'مثنوی امید و بیم' اسی ابتلا کا نتیجہ ہے۔ یہ مثنوی اردو میں فلسفیانہ رنگ کی پہلی مثنوی ہے۔ دورانِ عشق میں جو اختر شماری کی تو علم ہیئت و نجوم میں تکمیل کی خواہش پیدا ہو گئی۔ دونوں کالجوں کی نوکری چھوڑی اور اس علم کے پیچھے پڑ گئے۔ ایک اصطرلاب خود تیار کیا اور ستاروں کے دیکھنے کے کئی آلات اپنے ہاتھ سے بنا ڈالے۔ سنسکرت پڑھ ڈالی۔ قدیم سے قدیم اور جدید سے جدید کتابوں کا مطالعہ کیا۔ بڑے سورج گرہن میں غیر ملکی نجومیوں کے ساتھ بکسر جا کر خاص طور سے کسوفی حالات کا نظارا کیا۔ ایک چارٹ ستاروں کا "ربیع مرزائی" کے نام سے تیار کیا۔ اس زمانے میں اپنے کچھ فلسفیانہ مضامین کے انگریزی ترجمے امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں بھیج دئے اور اس نے پی' ایچ' ڈی کی ڈگری ان پر دے دی۔

تین چار برس بعد پھر بریٹلے صاحب نے ریڈ کرسچن کالج میں کھینچ بلایا۔

اب کے 'الحکم' نامی رسالہ مذہبی مباحث پر فلسفیانہ نظر ڈالنے کے لئے نکالا۔ حکیم ممتاز حسین عثمانی اس کے جونیر اور خود سینیر ایڈیٹر تھے۔ کالج میں کامرس کلاس کھولنے کے سلسلے میں اربابِ حل و عقد کو اردو شارٹ ہینڈ کی تعلیم کا خیال پیدا ہوا۔ مرزا صاحب نے حکیم عثمانی کی مدد سے اردو شارٹ ہینڈ ایجاد کیا اور ان کے لئے معاش کی مستقل صورت پیدا کرنے کے خیال سے انھیں کے نام سے اس کی رجسٹری کرا دی۔ شیعوں کے کچھ صاحبانِ فکر اور اہلِ دل حضرات نے اپنی قوم کی اصلاح و بہبود کے متعلق غور و خوض کرنا چاہا تو رسوا اس کے سرخیلوں میں بنے اور آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی بنا پڑی۔ کانفرنس کا شعبۂ تالیف و ترجمہ انھیں کے سپرد کیا گیا اور یہ اس کے معتمد بنا دیے گئے۔ اس سلسلے میں رسوا نے مختلف چھوٹی بڑی دعاؤں کا عربی سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں ہدیہ سنیہ[1] ۲۷، ۲۸ جلدوں میں لکھی۔

جب حیدر آباد کی عثمانیہ یونیورسٹی میں دار الترجمہ کھلا تو مرزا صاحب وہاں بلا لیے گئے۔ وہاں کے تراجم و تالیفات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ اس جامعہ کے سررشتۂ تالیف و ترجمہ نے جو کتابیں شائع کی تھیں وہ یہ ہیں۔ فلسفۂ اسلام، مفتاح الفلسفہ، حکمۃ الاشراق، معاشرتی نفسیات، مبادی علم النفس، مفتاح المنطق، کتاب اخلاق، جمہوریہ افلاطون۔ آخر میں موسیقی میں کمال حاصل کرنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا اس سلسلے میں مغربی گانوں کی طرح ہندوستانی گانوں میں علامات و نشانات پر ایک کتاب بسیط لکھ ڈالی جس میں ساڑھے تین سو کے قریب راگوں، راگنیوں اور گانوں کی علامتیں مقرر کر دی تھیں۔ یہ کتاب زیورِ طبع سے آراستہ نہ ہونے پائی تھی کہ اس حکیم ہندی نے اکتوبر ۱۹۳۱ء میں انتقال فرمایا۔

---

[1] اس کتاب کی ۳۰ جلدیں غیر مطبوعہ حالت میں اب بھی مدرسۃ الواعظین لکھنؤ میں موجود ہیں۔ بقیہ جلدوں کا کیا حشر ہوا نہیں معلوم۔

رسوا کی ادبی تصنیفات کا ذکر میں نے اب تک عمداً نہیں چھیڑا تھا اس لئے کہ گو کہ مرزا صاحب کا نام رہتی دُنیا تک ان کے ناولوں ہی کی وجہ سے زندہ رہے گا لیکن وہ تمام عمر اپنی ان تخلیقات کو رباعیاتِ عمر خیام اور غالب کے اردو کلام کی طرح "بے رنگِ من است" ہی سمجھا کئے۔ اپنے کو شاعر تسلیم کرانے میں انھیں کوئی جھجک نہ محسوس ہوتی تھی۔ مرزا تخلص فرماتے تھے اور تمام منظوم تصنیفات میں اس تخلص کو اپنے نام نامی کے ساتھ بے تکلف استعمال فرماتے تھے لیکن ناول نویسی کے معاملے میں وہ اپنے اسمِ گرامی کا ذکر نہ فرماتے تھے اور اپنے درخشاں چہرے پر رسوا کی نقاب ڈال لیتے تھے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ انھوں نے اپنے سب سے پہلے ناول "افشائے راز" میں مرزا محمد ہادی اور مرزا رسوا کو دو شخصیتیں بنا کر بڑے اہتمام سے کام لیا ہے اور بعد کے ناولوں میں بھی اپنے اور اپنے احباب کے سوانح معمولی ردوبدل کے ساتھ طشت ازبام کئے ہیں۔ مگر ہادی کے چہرے سے رسوا کی نقاب کسی موقع پر ہٹنے نہیں دی ہے۔

اس کی خاص وجہ یہی ہے کہ وہ ناول نویسی و فسانہ نگاری کو اپنے لئے شاعری کی طرح محض تفنن و تفریح اور اپنے مرتبے سے کم تر درجے کی چیز سمجھتے تھے۔ ان کے خاص شغف کی چیز فلسفہ، ریاضی و ہیئت تھی۔

انھیں فلاسفۂ قدیم میں افلاطون اور ارسطو سے خاص دلچسپی تھی۔ اول الذکر سے مخصوص طور سے اس لئے اور بھی کہ افلاطون محض خشک فلسفی نہ تھا بلکہ انھیں کی طرح ادیب و شاعر بھی تھا۔

(ماخوذ از مقدمہ طلسمِ اسرار)

کتاب نما

ہماری حالیہ مطبوعات

مکتبہ جامعہ کی پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن

میدانِ عمل (ناول)

منشی پریم چند

منشی پریم چند سرزمینِ ہندوستان کے پہلے عظیم ناول نگار اور عوامی فنکار ہیں جن کا فن آج نئے لکھنے والوں کے لیے شمعِ راہ کا کام کر رہا ہے منشی پریم چند کا یہ بے نظیر ناول ان کے پچھلے تمام کارناموں پر بھاری ہے "میدانِ عمل" میں اسی دور کے وہ زندہ انسان ہیں جن سے نیکی اور بدی، رہنمائی اور بے راہ روی دونوں ممکن ہیں۔ میدانِ عمل کا یہ تازہ ایڈیشن نہایت آب و تاب کے ساتھ شایع ہوا ہے۔

قیمت : چھ روپے

مزہ چکھائیں گے (کہانیاں)

بے وقوف نائی کی عقل مند لڑکی کی مزیدار کہانی، جس نے عقلمندی سے ہر بار چوروں کو بے وقوف بنایا بلکہ آخیر میں اُن کی ناک بھی کاٹ ڈالی اس کے ساتھ ہی لکڑہارے کے ناچ کی دلچسپ کہانی بھی پڑھیے۔

قیمت : ۲۱ نئے پیسے

شہزادی گلفام (کہانی)

ثریا بیگم

ایک بے ماں کی بچی نے سوتیلی ماں کے بُرے برتاؤ کی وجہ سے کیسی کیسی تکلیفیں اُٹھائیں مگر جادو کی گائے کی وجہ سے اس کے دن پھر گئے اور وہ شہزادی بن گئی۔ اس کا پورا حال اس سبق آموز کہانی میں ملے گا۔ قیمت : ۵۰ نئے پیسے

ننھا تُو (کہانی)

خورشید سلطانہ

ننھا تُو کسی شریر بچے کا نام نہیں بلکہ ننّو بکرے کے بچے کا نام تھا۔ نٹ کھٹ جمیل نے ایک دن ننھے ننّو کو مارا۔ دوسرے دن ننّو بکرے نے جمیل کے ٹکر مار کر اس کا بدلہ لیا۔ چھوٹے بچوں کے لئے تصویروں سے مزین ایک بہترین کتاب ہے۔

قیمت: ۲۰ نئے پیسے

پرندوں کا ایکا (کہانی)

سیّد سجاد مرزا

جنگل کے تمام پرندے، ہوائی جہاز کو بھوت سمجھ کر ڈر گئے۔ اس ڈر کی وجہ سے بے چاروں نے ایک ہنگامی جلسہ کیا۔ اور پھر اتفاق رائے سے ایک تجویز پاس کی کہ کس طرح اس بھوت سے بچا جائے۔ چھوٹے بچوں کے لئے تصویروں والی ایک مزیدار کہانی۔

قیمت: ۲۰ نئے پیسے

ترکوں کی کہانیاں (کہانیاں)

اس کتاب میں محبتِ وطن، پاسِ عہد، ایثار و ہمدردی اور غیرت کی تو سچی کہانیاں ہیں۔ کہانیوں کا انداز اتنا دلچسپ اور پُر اثر ہے کہ پڑھنے والا اس میں محو ہو جاتا ہے اور اس کے منہ سے بے اختیار نکل پڑتا ہے۔ "کاش ہم بھی ایسے ہی ہوں!"

بہترین کتابت و طباعت

قیمت: ۵۵ نئے پیسے

چار یار (مذہب)

الیاس احمد مجیبی

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم کی سوانح حیات نہایت سادہ اور سلیس زبان اور دلنشیں پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ "چار یار" اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب ہے۔

قیمت: ایک روپیہ ۲۷ نئے پیسے

مخدوم محی الدین

پیار کی چاندنی

ہدیۂ اشکِ خوں لے کے آیا ہوں میں
خوں بہائے وفا! دل کی سوغات کیا
جیب و داماں کی اڑنے لگیں دھجیاں
جُرم کیا، جرمِ غم کی مکافات کیا
عشق کی مشعلیں، عشق کے ولولے
ہم سفر، صبح کیا، شام کیا، رات کیا

چشمِ اہلِ ہوس مسکراتی ہے گر
چشمِ اہلِ ہوس مسکراتی رہے
ابنِ آدم کو سولی چڑھاتے رہو
زندگانی سرِ دار گاتی رہے
یادِ یاراں میں ایک جامِ غم اور دو
رات کی تیرگی سوز گاتی رہے

دل بڑھاتی رہیں، ہاتھ کی نرمیاں
پیار کی چاندنی جگمگاتی رہے

○

ساہتیہ اکیڈمی کی اردو مطبوعات

ساہتیہ اکیڈمی، نئی دہلی کی طرف سے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نے ہندوستان کی دوسری زبانوں اور غیر ملکی زبانوں کے شاہکاروں کا اردو ترجمہ شائع کرنے کا کام شروع کیا ہے۔ کتابوں کے انتخاب اور ان کے چھاپنے میں جو اہتمام کیا جاتا ہے وہ قابلِ تعریف ہے اور ان خوبیوں کا صحیح اندازہ کتابیں دیکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اب تک مندرجہ ذیل کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔

مٹی کا پتلا مصنف کالندی چرن پانیگراہی — اڑیا زبان کا سماجی ناول
مترجم پرکاش پنڈت — قیمت دو روپے

مٹی کی مورتیں مصنف شری رام ورکش بینی پوری — ہندی زبان کا مشہور ناول
مترجم س۔ ح۔ رضی عظیم آبادی — قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

کاندید مصنف والتیئر — ایک فرانسیسی طویل افسانہ
مترجم سید سجاد ظہیر — قیمت دو روپے

دو سیر دھان مصنف تکشی شوشنکر پلے — ملیالم ناول
مترجم ہنس راج رہبر — قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

ملفوظات کونگ فوزی مصنف کونگ فوزی
مترجم ظفر حسین خاں — قیمت تین روپے ۵۰ نئے پیسے

ولہیلم مائسٹر حصہ اول — مصنف گوئٹے — جرمنی ناول
پہلی جلد مترجم ڈاکٹر سید عابد حسین — قیمت چھ روپے
دوسری جلد " " " — " چھ روپے

سمندری لٹیرے مصنف ابسن
مترجم فضل الرحمن — قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

(بقیہ صفحہ ۱۹ پر)

ستیش بترا

روشنی

شیلا دیر تک اشوک کا بدن سہلاتی رہی۔ اشوک کا سر اس کے زانوؤں پر تھا۔ اس نے جھک کر آہستہ سے اشوک کے چہرے کی طرف دیکھا۔ وہ دو گھنٹے تک مسلسل درد سے تڑپنے کے بعد اب سو گیا تھا۔ اس کا معصوم چہرہ دن کی ڈھلتی ہوئی روشنی میں اب بھی بہت پیلا دکھائی دے رہا تھا۔ شیلا نے کمرے کی دیوار پر نظر ڈالی۔ روشن دان میں سے دھوپ چھن کر آ رہی تھی جو دھیرے دھیرے اوپر کی طرف بڑھ رہی تھی۔

شیلا نے اشوک کا سر آہستہ سے تکیے پر رکھ دیا۔ اس کی آنکھوں میں ماں کی ممتا پگھل کر آ گئی۔ اس کا جی چاہا کہ اپنے آٹھ سالہ بچے کو پیار کر لے۔ مگر وہ اس کے جاگ جانے کے خیال سے رک گئی۔ اشوک کو نہ جانے یہ درد کے دورے کیوں پڑا کرتے تھے۔ شیلا اور اس کا شوہر مدن کئی بار اُسے بجلی کمپنی کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ وہ ہر بار اُسے ایک انجکشن دیتا جس سے درد کو افاقہ ضرور ہو جاتا لیکن کچھ ہی مہینوں کے بعد پھر کسی دن درد کا دورہ پڑ جاتا۔ شیلا نے کئی بار مدن سے ڈاکٹر مِتّل کو دکھانے کے لیے کہا تھا لیکن اُسے یونین کے کام سے ہی کب فرصت ملتی تھی۔

مدن آج بھی دوپہر سے ہی آس پاس کے مزدوروں کو اکٹھا کر کے بجلی کمپنی کے سامنے والے میدان میں میٹنگ کر رہا تھا۔ وہ بجلی گھر میں سپروائزر تھا اور مزدور یونین کا سکریٹری بھی۔ اس کی عمر پینتیس چھتیس سال کی تھی۔ وہ پیدائشی لیڈر تھا۔ اس کا یہ عقیدہ تھا کہ جب تک اس کی وجہ سے مزدوروں میں ہلچل پیدا نہ ہوگی انھیں

مگر اس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہ ہو سکے گا۔ چپل کی ہر ہر ادا اس کی خودی کو تسکین دیتی۔ وہ ہمیشہ چپل پیدا کرنے کی فکر میں رہتا۔

یکایک شیلا کو باہر میدان سے ایک شور اُٹھتا ہوا سنائی دیا۔ وہ جلدی سے اُٹھ کر بالکونی میں آگئی۔ مزدوروں کی کچھ ٹولیاں نعرے لگاتی ہوئی میدان کی طرف بڑھی چلی جا رہی تھیں۔ "ہماری مانگیں پوری کرو!" "کھنہ شاہی نہیں چلے گی!" نعرے ہوا میں گونج رہے تھے۔ کھنہ صاحب بجلی کمپنی کے جنرل منیجر تھے اور یہ احتجاج انھیں کے خلاف تھا۔

شیلا کے پاس پڑوس کی عورتیں اور بچے بھی اپنے اپنے دروازے سے منہ نکالے میدان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دائیں طرف کچھ فاصلے پر بجلی گھر کی چمنیاں شام کی ارغوانی روشنی میں سیاہ دھواں اُگل رہی تھیں۔

سننے میں آیا تھا کہ مزدوروں کی یونین تین مہینے کا بونس مانگتی ہے اور دس گھنٹے کی بجائے آٹھ گھنٹے کام، تفریح کے لئے کلب اور شفٹ میں کھانا مفت۔ یہ بھی کہا جاتا تھا کہ بجلی کمپنی اس سال خسارے میں رہی تھی تو پھر یہ مانگیں کیسے پوری ہو سکتی تھیں۔ کمپنی کے مالک بونس کے سوا باقی تمام مانگیں پوری کرنے کو تیار تھے۔ یہ درست تھا کہ بجلی کمپنی کئی سالوں سے تھوڑا بہت بونس دیتی چلی آئی تھی۔ لیکن پچھلے سال کوئلے کی قیمتوں میں اضافہ ہونے اور نئی مشینیں زیادہ قیمت پر منگانے کی وجہ سے کمپنی کی مالی حالت ایسی نہ تھی کہ وہ اِس سال بھی بونس دے سکے۔ کچھ مزدور جن کا نمائندہ جے گوپال تھا، چاہتے تھے کہ بونس کی مانگ نہ رکھی جائے اور مالکوں سے سمجھوتہ کر لینا چاہیے لیکن مدن کمپنی کی حالت جانتے ہوئے بھی اس کے لئے تیار نہ تھا کیونکہ اس سے یونین اور اس کے ذاتی وقار کو ٹھیس پہنچتی۔ مدن کا کہنا تھا کہ بجلی کمپنی اس سال بھی خسارے میں نہیں رہی بلکہ خسارے کا ڈھونگ مزدوروں کے حقوق کا گلا گھونٹنے کے لئے رچا گیا ہے۔ [illegible] کو زندہ رکھنے کے لئے کسی نہ کسی بات کا سہارا لینا تو ضروری تھا!

شیلا بالکونی کی دیوار کا سہارا لئے میدان میں جمع لوگوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ بالکونی سے میدان تقریباً دو فرلانگ دور تھا۔ آوازیں اچھی طرح سنائی نہ دے رہی تھیں لیکن فضا میں پھیلا ہوا شور مزدوروں کے جوش و خروش کی نشان دہی کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں جھنڈا لئے ایک شخص پلیٹ فارم پر آیا۔ دفعتاً چند لمحوں کے لئے شور بڑھ گیا۔ اور پھر جیسے بالکل بند ہو گیا۔ شاید اس کا شوہر مدن تقریر کر رہا تھا۔

یکایک شیلا کو اندر سے ایک چیخ سنائی دی۔ اُسے اس ہنگامے میں اشوک کی بیماری کا خیال بالکل نہیں رہا تھا۔ وہ دوڑ کر اندر آئی جہاں اشوک چارپائی پر بیٹھا ہوا درد کے مارے دوہرا ہوا جا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے مکسچر کی ایک خوراک پلائی اور پھر اس کے قریب بیٹھ کر اس کا پیٹ ملنے لگی۔ اس سے اشوک کو سکون ملا اور دھیرے دھیرے اس کے چہرے پر سے درد و کرب کے اثرات دور ہونے لگے۔ اور کچھ دیر بعد وہ پھر سو گیا۔

کمرے میں اندھیرا بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ شیلا نے اُٹھ کر بجلی جلائی۔ اس نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا کہ وہ مدن کو پہلی ہی فرصت میں اشوک کو ڈاکٹر متل کے پاس لے جانے کے لئے مجبور کرے گی۔ مدن کو اپنے اشوک سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کے لئے اکثر نئے نئے کھلونے اور کتابیں لاتا۔ شاید شیلا نے کبھی اُسے ڈاکٹر متل کو دکھانے کے لئے ٹھیک طریقے سے مجبور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ یہی سوچتی ہوئی پھر بالکونی پر آگئی۔

بجلی کمپنی میں چھ بجے والی سیٹی ہوئی اور دوسری شفٹ کے کچھ لوگ بجلی گھر سے باہر نکلنے لگے۔ شام کے سرمئی سایوں میں بجلی گھر کی چمنیوں میں سے نکلتے ہوئے دھوئیں کی لکیر تاریکی میں گڈمڈ ہوتی جا رہی تھی۔ آس پاس کے مکانوں کے دریچوں میں سے جھانکتی ہوئی روشنیاں شام کے دھندلکوں میں کسی پرستان کی روشنیاں معلوم ہوتی تھیں۔

بجلی کمپنی کے گیٹ کے پاس مدن اور اس کے ساتھی تیسری شفٹ کے لوگوں کو اندر جانے سے روک رہے تھے۔ مدن خود مزدوروں کو مکمل ہڑتال کے لیئے کہہ رہا تھا۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو"

وہ بار بار اقبال کا یہ شعر پڑھ رہا تھا۔

"بند کر دو اس بجلی گھر کو! اسی میں ہماری کامیابی ہے! بجلی گھر کے اندھیرے میں ہی ہماری روشنی ہے!"

شیلا بالکونی پر کھڑی یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ یکایک اُسے اشوک کی چیخ پھر سنائی دی۔ آج اُسے بار بار دورہ کیوں پڑ رہا تھا۔ ایسا تو پہلے کبھی نہیں ہوتا تھا۔ اس نے بھاگ کر پڑوس کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پڑوس والوں کا لڑکا مہندر باہر نکل آیا۔ وہ میٹرک میں پڑھتا تھا۔

"اشوک کو پھر دورہ پڑ گیا ہے۔ مہندر جلدی سے ڈاکٹر کو بلالاؤ۔ اس کی حالت دوپہر سے سدھر ہی نہیں رہی۔"

"آج کمپنی کا ڈاکٹر کہاں ملے گا، مدن بھیا کو بلالاؤں۔"

"اُن کو آج فرصت کہاں؟ اور پھر وہ ڈاکٹر تھوڑے ہی ہیں!" اور پھر جیسے وہ ایک دم سوچ کر بولی "ڈاکٹر متل کو کیوں نہیں بلالاتے وہ بالکل پاس ہی تو ہے۔"

"اچھا دیدی۔" یہ کہہ کر مہندر جلدی سے سیڑھیوں میں رکھی ہوئی سائیکل نیچے اُتارنے لگا۔

ذرا سی دیر میں ڈاکٹر آگیا۔ ڈاکٹر متل اشوک کو اچھی طرح دیکھنے لگا۔ شیلا اور مہندر کی آنکھیں ڈاکٹر کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اس کے چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ دیر سوچنے کے بعد ڈاکٹر بولا:

"مریض کی حالت کچھ زیادہ اچھی نہیں لیکن گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ آپریشن کل کیا جائے یا آج ہی؟"

"آپریشن!" شیلا چونکی۔ اشوک کی حالت خطرناک معلوم ہوتی تھی۔

"ہاں ہاں، معمولی ہے، آپ تھوڑا پانی ابال لیجیے۔" اس نے شیلا سے کہا۔

"کیا بتایا آپ نے اپنا نام؟" اس نے مہندر سے پوچھا۔

"جی، میرا نام مہندر!"

"آپ میرے کمپاؤنڈر سے کہیے کہ آپریشن کا سب سامان لے کر فوراً چلا آئے آپریشن ابھی کرنا ہوگا۔"

شیلا نے رسوئی میں جاکر اسٹوو پر پانی گرم کرنے کے لیے رکھ دیا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ اس کے دماغ میں طرح طرح کے خیالات آرہے تھے۔

وہ کانپتے ہاتھوں سے گرم پانی کرے میں لائی۔ ڈاکٹر نے اسے دیکھ کر کہا:

"آپ خواہ مخواہ گھبرا رہی ہیں۔ بہت معمولی آپریشن ہے۔ ایسے آپریشن تو میں روز کیا کرتا ہوں۔"

اتنے میں کمپاؤنڈر آپریشن کا سامان لے کر پہنچ گیا۔ ڈاکٹر نے آپریشن کے اوزار گرم پانی میں ڈال دیے اور آپریشن کی تیاری کرنے لگا۔ اس نے اشوک کے انجکشن لگایا اور پھر مہندر سے ایک ٹیبل لیمپ لانے کو کہا۔

تھوڑی دیر میں ٹیبل لیمپ آگیا۔ ڈاکٹر نے اسے مناسب بلندی پر رکھ دیا۔ اگلے چند ہی لمحوں میں ڈاکٹر نے آپریشن شروع کر دیا۔ اس کے ہاتھ بلا کے پھرتیلے تھے۔ وہ واقعی ایک کامیاب ڈاکٹر تھا۔ شیلا کا دل اندر سے گھبرا رہا تھا لیکن وہ خاموش سی تھی۔ ایسے موقعوں پر نہ جانے کہاں سے دل میں مضبوطی آجاتی ہے۔ وہ ڈاکٹر کی ہر حرکت کو بغور دیکھ رہی تھی۔ مہندر دوسری طرف منہ کیے ادھر ادھر دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ڈاکٹر پورے دھیان کے ساتھ اپنے کام میں معروف تھا۔

دیکھا مگر کمرے کی روشنی غائب ہو گئی۔ ڈاکٹر گھبرا کر ایک دم بپھر اٹھا۔

"یہ کیا ہوا؟ کس نے روشنی بند کر دی؟"

شیلا بھاگ کر بالکونی میں گئی۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ کہیں بھی روشنی نہ تھی۔

"روشنی! لائٹ! جلدی!" ڈاکٹر جھنجھلایا۔

شیلا بھاگ کر رسوئی میں گئی۔ اسے یاد آیا کہ گھر میں ایک آدھ موم بتی پڑی تھی۔ نہ جانے کہاں تھی۔ وہ اندھیرے میں جگہ جگہ تلاش کرنے لگی۔ اس کے دماغ پر ڈاکٹر کی آواز "روشنی! لائٹ!!" ہتھوڑے کی چوٹوں کی طرح برس رہی تھی۔ اتنے میں اچانک تیل کی بوتل مل گئی۔ اس نے جلدی سے تیل ایک کوڑی میں ڈالا کونے میں پڑی ہوئی روئی کی بتی بنا کر اس نے جلدی سے دیا جلایا اور آنچل سے چھپا کر کمرے میں لے آئی۔ اس نے دیا میز کے قریب رکھ دیا۔

"اس روشنی سے کیا ہوگا؟" ڈاکٹر جھلا کر بولا۔ وہ اشوک کے قریب چارپائی پر بیٹھا تھا اور ایک ہاتھ سے اشوک کی نبض دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس نے اشوک کا ہاتھ نیچے گرا دیا۔ پھر اس کے چہرے پر چادر ڈالتے ہوئے بولا۔

"مجھے سخت افسوس ہے!"

شیلا جہاں کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی۔ اس کی تمام طاقت سلب ہو گئی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے چارپائی پر پڑی ہوئی سفید چادر کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

اسی وقت سیڑھیوں پر مدن کے دھڑ دھڑ چڑھنے کی آواز آئی۔

"شیلا! شیلا!! دیکھا تم نے آج میں نے سارے شہر کی بتیاں گل کرا دی ہیں!"

(بہ شکریہ آج کل دہلی)

ہمیں نہایت افسوس ہے کہ مشہور روسی مصنف بورس پاسترناک کا انتقال ۳۰ مئی ۱۹۶۰ء کو ہو گیا۔

نئی مطبوعات

چہک کہانیاں سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ناشر
مصنف حصہ اوّل حصہ دوم مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
مقبول احمد سیوہاروی صفحات ۹۶ نئی دہلی
قیمت ۹۵ نئے پیسے ایک روپیہ ۵ نئے پیسے

ننھا بیل خاں سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ناشر چھوٹے بچوں کے لئے ایک
مصنف صفحات ۲۴ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ تصویروں والی کہانی کی
حسین حسان قیمت ۳۰ نئے پیسے کتاب

سمندری لٹیرے سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ساہتیہ اکیڈمی نئی دہلی ڈراما
مصنف صفحات ۱۱۲ مجلد کی طرف سے
السن قیمت ۲ روپے ۵۰ نئے پیسے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی نے
مترجم — فضل الرحمٰن شائع کی

۱۸۵۷ء کے مجاہد شعراء سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ناشر تذکرہ
از صفحات ۴۱۶ مکتبہ شاہراہ
امداد صابری قیمت چھ روپے ۹۴ نئے پیسے دہلی ۶

فرہنگ غالب سائز ۲۰×۳۰/۱۶ ناشر
از صفحات ۲۹۷ آزاد کتاب گھر فرہنگ کلام غالب
امتیاز علی عرشی قیمت چار روپے ۹۰ نئے پیسے دہلی ۶

مضرابِ غم سائز ۲۰×۲۶/۸ ناشر
از صفحات ۲۲۲ حالی پبلشنگ ہاؤس
یحییٰ بھائی جسدن والا قیمت دس روپے دہلی

بڈھو کی بیوی	سائز $\frac{20 \times 30}{16}$	ناشر	بچوں کے لئے
از	صفحات ۳۲	نیر کتاب گھر	
شفیع الدین نیر	قیمت ۳۱ نئے پیسے	جامعہ نگر، نئی دہلی	
چھنگو منگو	سائز $\frac{20 \times 30}{16}$	ناشر	"
از	صفحات ۴۸	نیر کتاب گھر	
شفیع الدین نیر	قیمت ۵۰ نئے پیسے	جامعہ نگر، نئی دہلی	
شیروں کے معرکے	سائز $\frac{20 \times 30}{16}$	ناشر	"
از	صفحات ۸۰	نیر کتاب گھر	
شفیع الدین نیر	قیمت ۷۵ نئے پیسے	جامعہ نگر، نئی دہلی	
کفر و ایمان	سائز $\frac{18 \times 22}{8}$	ملنے کا پتہ	تذکرہ
از	صفحات ۹۶	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ	و کلام
ہری چند اختر	قیمت چار روپے	جامعہ نگر، نئی دہلی	
اردوئے معلٰے	سائز $\frac{18 \times 22}{8}$	شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی کے	
مرتبہ	صفحات ۱۶۰	تحقیقی رسالے کا	
خواجہ احمد فاروقی	قیمت تین روپے	پہلا شمارہ، غالب نمبر	

(بقیہ ساہتیہ اکیڈمی کی اردو مطبوعات)

والڈن مصنف ہنری ڈیوڈ تھورو — امریکی ناول
مترجم علی عباس حسینی — قیمت چھ روپے ۵۰ نئے پیسے

بھگوان بدھ مصنف دھرمانند کوسمبی — مراٹھی زبان میں بھگوان بدھ کی سوانح
مترجم پرکاش پنڈت — (زیر طبع)

اردو شاعری کا انتخاب مرتبہ ڈاکٹر محی الدین قادری زور (زیر طبع)

جائزے

مضرابِ غم

مصنف: یحییٰ جسدن والا
ناشر: حالی پبلیشنگ ہاؤس، دہلی
صفحات: ۲۴۲
قیمت: دس روپے

"مضرابِ غم" جناب یحییٰ بھائی اے جسدن والا کا مجموعۂ کلام ہے جسے حالی پبلیشنگ ہاؤس دہلی نے بڑی آب و تاب سے شائع کیا ہے۔ جہاں تک کتاب کے حسنِ ظاہر کا تعلق ہے اردو کا شاید ہی کوئی مجموعۂ کلام اس کے قریب پہنچا ہو۔ کتابت، طباعت، کاغذ، جلد پوش اور پھر تصاویر جن سے یہ کتاب مزین ہے، اس نفاستِ مزاج کا پتہ دیتی ہیں جس کا ثبوت شاید حالی پبلیشنگ ہاؤس نے اپنی ساری کاروباری زندگی میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیا۔

جناب یحییٰ بھائی جسدن والا کا نام غالباً پہلی بار "مضرابِ غم" کے ساتھ ہی منظرِ عام پر آیا ہے۔ (کم از کم راقم کے علم میں اس سے قبل نہ یحییٰ صاحب کا نام تھا نہ کلام) چنانچہ "مضرابِ غم" کو پہلے پہل اس خیال سے دیکھا کہ یہ کسی نئے شاعر کا کلام ہے لیکن جب کلام پڑھا تو صرف یہی نہیں کہ اپنا پہلا خیال غلط ثابت ہو کر رہ گیا بلکہ اس محرومی پر افسوس ہوا کہ اس وقت تک کیوں میں اس قدر شیریں، لطیف اور کیفیت انگیز کلام سے ناواقف رہا۔

بڑی تقطیع کے تقریباً ڈھائی سو صفحات پر پھیلا ہوا یہ مجموعۂ کلام محاسنِ ظاہری کے علاوہ محاسنِ باطنی سے بھی لبریز ہے۔ اس مختصر سے تبصرے میں اتنی گنجائش نہیں کہ جناب یحییٰ بھائی کے کلام پر دل کھول کے لکھا جائے اور پھر ملک کے

مایۂ ناز نقاد اور ادیب حضرت علامہ نیاز فتحپوری "اعتراف و تعارف" کے عنوان سے اس کارِ عظیم کو بخوبی انجام دے چکے ہیں۔ اس کے علاوہ جناب اعجاز صدیقی نے "فن اور فن کار" کے عنوان سے جناب یحییٰ بھائی کی شاعری کے تمام اہم پہلوؤں پر مفصل بحث کی ہے۔ خود مصنف کا لکھا ہوا ایک پیش لفظ بھی موجود ہے۔ ان تینوں مضامینِ نثر کا مطالعہ جن میں سے ہر ایک اپنی اپنی جگہ ایک مستقل علمی اور ادبی حیثیت رکھتا ہے۔ جناب یحییٰ بھائی کی شاعری کے پسِ منظر کو پوری طرح سمجھنے کے لئے ضروری ہے۔

اگرچہ اس کتاب میں چند نظمیں بھی شامل ہیں جو نظم کے مختلف موضوعات پر یحییٰ صاحب کی قادر الکلامی کا پتہ دیتی ہیں لیکن یحییٰ صاحب کا اصل میدان غزل ہے۔ غزل میں آپ کی طبع نکتہ رس نے باریک بینی اور معنی آفرینی کے قابلِ قدر نمونے پیش کئے ہیں۔ آپ کا اندازِ بیان سوز و گداز کی کیفیت میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور غزل گوئی کی پاکیزہ روایت کو آپ نے کہیں بھی مجروح ہونے نہیں جانے دیا۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

جانے کیا عشق پہ گزرے گی جہاں میں یحییٰ — کس سے اٹھ سکتا ہے یہ بارِ گراں میرے بعد
تری بدست نظروں کو بس اتنا کام کرنا تھا — کہ میری مے کشی کو بے نیازِ جام کرنا تھا
یوں کھو گیا ہوں پا کے تجھے راہِ عشق میں — ڈھونڈے گی حشر میں بھی مری زندگی مجھے
وہی کہ جس کو چھپانے پہ ناز تھا دل کو — وہ دردِ عشق نگاہوں سے آشکار بھی ہے
جستجو سے ہمیں نجات ملی — تم ملے، ساری کائنات ملی

جس طرح چند پھولوں اور کلیوں سے صحیح چمنستان کی تازگی و شادابی کی مکمل تصویر سامنے نہیں آسکتی اسی طرح چند اشعار پیش کر دینے سے "مضراب غم" کی تمام شاعرانہ خصوصیات کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے اس دلکش اور جاذبِ نظر مجموعۂ سخن کا جس میں شاعر نے اپنے خونِ جگر سے بیان و معانی کے مختلف النوع پھول کھلائے ہیں اوّل سے آخر تک مطالعہ ضروری ہے۔

جگن ناتھ آزاد

سمندری لٹیرے

مصنف : ہنرک ابسن
مترجمہ : فضل الرحمٰن
ناشر : ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی
صفحات : ۱۱۲ ـــــــ ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت : ڈیڑھ روپے پچاس نئے پیسے

ابسن کو جدید تھیٹر کا بانی اور شیکسپیر کے بعد دوسرا اعظیم ترین ڈرامانگار کہا جاتا ہے۔ اس بنا اس کی تخلیقات اس کی مستحق ہیں کہ ان کو مشہور و مقبول زبانوں میں منتقل کیا جائے۔ خوشی کی بات ہے کہ ساہتیہ اکادمی کی بدولت اس کے ایک چار ایکٹ کے ڈرامے The Vikings of Helgeland کا اردو ترجمہ "سمندری لٹیرے" کے نام سے ہمارے سامنے آیا۔

یہ ڈراما اگرچہ اسٹیج کے نقطۂ نظر سے کچھ ایسا زیادہ کامیاب نہیں ثابت ہوا مگر یہ بات بھی اپنی جگہ پر غلط نہیں کہ جب سے یہ لکھا گیا ہے آج تک یورپ کے لوگ اسے بڑے ذوق و شوق کے ساتھ پڑھتے آرہے ہیں۔ اس ڈرامے میں ناروے کی قدیم رزمیہ داستانوں اور روایتوں کی بنیاد پر، بحرِ شمالی کے ڈاکوؤں کے قبائلی جھگڑوں کا ذکر ہے اور آخر میں اس کے خوں ریز پہلو کی عکاسی ڈرامے کی سب سے زیادہ نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یوڈیس نام کی ایک ایسی عورت کو سامنے لایا گیا ہے جو بہت دنوں تک محبت کرتی رہتی ہے اور ایک وقت ایسا بھی آجاتا ہے کہ غصے اور انتقام سے مغلوب ہوکر اپنے عاشق کو قتل کر ڈالتی ہے۔ ایسے عجیب و غریب کردار اور ایسی اثر انگیز داستانیں ذرا مشکل ہی سے نظر سے گزرتی ہیں۔

کتاب کے شروع میں مس بریڈبروک کا مختصر سا تعارف ہے، ابسن کی شخصیت اور اس کے فن کے بارے میں نپے تلے خیالات اور اس کی تصانیف پر ایسے جامع و مانع تبصرے مشکل ہی سے کسی دوسری کتاب میں نظر آئیں گے۔

نظم اور قدامے کا ترجمہ بہت مشکل کام ہے۔ ان کے باوجود زیر نظر کتاب میں مترجم نے برابر اس امر کی کوشش کی ہے کہ عبارت کی سلاست برقرار رہے، مکالموں کے اختصار میں فرق نہ آنے پائے۔ جہاں جہاں منظوم ترجمے کی ضرورت پیش آئی ہے اس میں بھی اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ نظم کی شکل بدلنے نہ پائے اور مصرعوں اور شعروں میں ترنم قائم رہے۔

اس اہتمام اور التزام کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ ترجمہ بحیثیت مجموعی رواں، شستہ اور کامیاب ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ ایک ایسے رواں اور شستہ ترجمے میں 'تماش بینوں'، 'پیٹھ پھرائی'، 'یا منڈھے'، 'جانی دوست'، 'آپسی برتاؤ'، 'میں تیرے بازو رہوں گی' یہ اور ایسے ہی چند اور الفاظ، ترکیبیں اور فقرے نگاہوں کے سامنے نہ آتے۔

خوش نما کتابت اور معقول طباعت کے لحاظ سے بھی کتاب تعریف کے قابل ہے۔

رشید نعمانی

پاک کہانیاں

مصنف: مقبول احمد سیوہاروی
ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
صفحات: حصہ اوّل ۹۶، حصہ دوم ۱۱۲
۲۰×۳۰/۱۶
قیمت: حصہ اوّل ۹۵ نئے پیسے
حصہ دوم ایک روپیہ ۱۵ نئے پیسے

مقبول احمد سیوہاروی تصنیف و تالیف کی دنیا میں نئے نہیں ہیں۔ بچوں اور کم تعلیم یافتہ بالغوں کے لیے متعدد کتابیں لکھ چکے ہیں۔ انھوں نے اپنے لیے دینی اور اخلاقی مضامین پسند کیے ہیں اور اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ لکھتے رہتے ہیں۔

پیش نظر کتاب بھی ان کے ذوق کی آئینہ دار ہے۔ کہانیاں بچے اور بڑے سبھی دلچسپی سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ قصے کے پیرائے میں ادب و تہذیب اور اخلاق و حکمت کی تعلیم بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دی جا سکتی ہے۔ اور باتوں باتوں میں سیرت کی پاکیزگی اور کردار کی بلندی کی جانب توجہ دلائی جا سکتی ہے۔ مقبول احمد نے اپنی ان کہانیوں میں اسی کی کوشش کی ہے اور اپنی کوشش میں خاصے کامیاب رہے ہیں۔

تاریخ، سیرت، علماء و صلحا کے تذکروں، اولیاء اللہ کی سوانح عمریوں، بزرگوں کے حالات و ملفوظات اور اخلاق و مواعظ کی کتابوں سے تلاش کر کے مفید اور سبق آموز کہانیوں کا بڑا خوش نما اور دل پسند گلدستہ تیار کیا ہے۔ امید ہے کہ ان کا یہ انتخاب بچوں اور بڑوں سبھی کو پسند آئے گا اور اس سے تہذیب نفس اور تربیت اخلاق میں بڑی مدد ملے گی۔

عبدالسلام قدوائی

ترکوں کی کہانیاں

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

صفحات: ۴۸ $\frac{20 \times 30}{16}$

قیمت: ۵۵ نئے پیسے

بچوں کی کتب کی تیاری اور اشاعت، مکتبہ جامعہ کی امتیازی خصوصیت رہی ہے۔ بچوں کو اس قسم کی کہانیاں سنانے کا طریقہ جس سے ان میں قوم اور وطن کی خدمت کا جذبہ پیدا ہو سب سے پہلے مکتبہ جامعہ نے اپنایا۔ اور ایسی کتابیں تیار کیں جو بچوں کے لئے ہر حیثیت سے مفید ہوں۔

بچوں کے ادب کی اہم دو خصوصیات ہیں اوّل یہ کہ بچے کو پڑھنے لکھنے کا شوق ہو اور دوسرے یہ کہ ایسا ادب ان کے سامنے رکھا جائے جو ان کے ننھے دلوں میں انسانیت، ہمدردی، خدمت اور محبت کی تخم ریزی کرے۔

مکتبہ جامعہ نے ہمیشہ ایسا ہی ادب پیش کرنا اپنا شعار بنایا اور یہ کتاب اس کی تازہ مثال ہے۔

"ترکوں کی کہانیاں" میں ۵ کہانیاں ہیں جن میں حبِ وطن، پاسِ عہد، ایثار و ہمدردی اور عبرت و حمیت جیسے موضوع پر چھوٹی چھوٹی کہانیاں دلنشیں انداز میں لکھی گئی ہیں۔ وقت کا تقاضا ہے کہ ہندوستانی اور خصوصی طور پر مسلمان بچے انھیں پڑھیں کہ ان کا اخلاقی معیار اونچا ہو۔

تانبیل خاں

مصنف : حسین حسان

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔

صفحات : ۲۴ ‏$\frac{20\times30}{16}$

قیمت : ۳۰ نئے پیسے

حسین حسان صاحب بچوں کے محبوب مصنف کی حیثیت سے جانے پہچانے ادیبوں میں ہیں۔ عرصے تک رسالہ پیام تعلیم کی ادارت کرتے رہنے کے باعث بچوں کی نفسیات سے بخوبی واقف ہیں۔ تحریر میں شگفتگی ہوتی ہے اور ان کی چھوٹی چھوٹی کہانیاں بہت شوق اور دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں۔ مکتبہ جامعہ سے کئی کتابیں شایع ہو چکی ہیں۔ یہ کتاب ایک بھوسے کی کہانی ہے جس میں اس کی عادات و خصائل کے متعلق چند مفید معلومات بہت دلچسپ انداز میں بتائی گئی ہیں ــــ کتاب میں مختلف تصاویر بچوں کی دلچسپی کا باعث ہوں گی۔

○

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

ادبی خبریں

مرتبہ ظل عباس عباسی

شبِ قہقہہ

حیدرآباد میں ۱۴؍۱۵ ؍مئی کو ایک مزاحیہ مشاعرہ منعقد ہوا جس کی صدارت حیدرآباد کے مشہور شاعر شاہد صدیقی صاحب نے کی۔ مشاعرہ بہت دلچسپ اور کامیاب رہا مشاعرے میں ایک درجن سے زیادہ مقامی اور بیرونی مزاحیہ گو شعرا نے شرکت کی۔

یادگار ڈاکٹر عبدالحق

مدراس کی محبانِ اردو کانفرنس نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ جنوبی ہند کے "سرسید" ڈاکٹر عبدالحق صاحب مرحوم کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک ہفت روزہ اخبار "میزان" کے نام سے عنقریب شائع کرنا شروع کردے گی تاکہ مرحوم کے ادبی مشن کو پورا کیا جاسکے۔

تلاشِ حق کا جرمنی ترجمہ

گاندھی جی کی آپ بیتی "تلاشِ حق" کا جرمنی ترجمہ مشرقی جرمنی کے سرکاری اشاعتی ادارہ کوہلیر اینڈ ایملانگ سے شائع ہورہا ہے۔ پروفیسر میلزنگ آف ہمبولڈ یونیورسٹی برلن نے ۱۹۳۲ء میں گاندھی جی سے جرمنی میں ترجمہ کرنے کی اجازت حاصل کرلی تھی۔

ترجمان القرآن کا انگریزی ترجمہ

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کی تفسیر ترجمان القرآن کا انگریزی ترجمہ

شائع کرنے کے لیے ہندوستان کی مرکزی حکومت نے تین ہزار روپے کی امداد دی ہے۔

نظیر اکبرآبادی

نظیر اکبرآبادی کے دیوان سے ہندوستانی الفاظ کی ایک فرہنگ مرتب کرنے کا کام جناب مکیش اکبرآبادی کے سپرد کیا گیا ہے۔ یہ فرہنگ اس اردو لغت کا ایک حصہ ہے جو انجمن ترقی اردو ہند کی نگرانی میں تیار ہو رہی ہے۔ اس کے لئے حکومتِ ہند نے ایک لاکھ پچیس ہزار روپے کی گراں قدر امداد منظور کی ہے۔

اردو کے نادر مخطوطات

دہلی یونیورسٹی کے صدر شعبہ اردو خواجہ احمد فاروقی صاحب کی نگرانی و رہنمائی میں اردو مخطوطات پر جو کام دہلی میں ہو رہا ہے، امید ہے اس کی کتابت و طباعت کا کام اس سال کے نصف آخر تک پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے گا۔

اردو مثنویاں

دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے اُستاد ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کی "اردو مثنویاں" نامی تحقیقی اور علمی کتاب اس وقت زیرِ طبع ہے امید ہے کہ جون یا جولائی تک یہ علمی ادبی اور تحقیقی کارنامہ مکتبہ جامعہ کی معرفت قارئین اردو تک پہنچ جائے گا۔

پریم چند کا تنقیدی مطالعہ

ڈاکٹر قمر رئیس صاحب ایم۔ اے، پی ایچ۔ ڈی، علیگ اُستاد شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی کی محققانہ تالیف "پریم چند کا تنقیدی مطالعہ" زیورِ طبع سے آراستہ ہو گئی ہے۔ پریم چند پر اس قدر جامع اور مستند کتاب اردو زبان میں پہلی بار شائع ہوئی ہے۔

انڈیا ونس فریڈم

مولانا آزاد کے بیان کردہ سوانح بالفاظ پروفیسر ہمایوں کبیر گزشتہ سال کی سب سے مشہور کتاب رہی ہے، اس کتاب کا پروفیسر محمد مجیب صاحب کا کیا ہوا اردو ترجمہ بمبئی میں زیر طبع ہے، توقع ہے کہ خوب صورت ٹائپ میں چھپنے والی اس کتاب کی تکمیل میں شاید اب زیادہ دن نہیں لگیں گے۔

غالب و پریم چند روڈ

اردو دان حلقہ کو یہ تو معلوم ہی ہو چکا ہے کہ ویلس لی روڈ کا نام تبدیل کر کے غالب روڈ رکھا جائے گا اور کانیو اس روڈ کا نام پریم چند روڈ کر دیا جائے گا۔ تازہ اطلاع کے مطابق یہ کام شاید غالب کی آئندہ برسی تک مکمل ہو جائے گا۔

ہند پاک مصنفوں کی کانفرنس

اپریل کے آخر میں ہندستان و پاکستان کے مصنفوں کی ایک کانفرنس لاہور میں منعقد ہوئی جس میں دونوں حکومتوں سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ وہ مشترک ادبی و ثقافتی ورثے کی ترقی کے لئے مدد دیں، کتابوں اور رسالوں کے تبادلہ، کاپی رائٹ کے متعلق معاہدہ، مصنفوں کے وفود کی آمدورفت اور طلبہ کے تبادلے کا انتظام کیا جائے۔ ڈاکٹر سید عبدالرشید نے اس پر خوشی ظاہر کی کہ دونوں ملکوں میں بدخواہی کے جذبات خیرسگالی میں بدلتے جا رہے ہیں۔

شری بال کرشن شرما نوین کا انتقال

ہندی کے مشہور شاعر اور ادیب اور جنگ آزادی وطن کے بہادر سپاہی شری بال کرشن شرما نوین کا گزشتہ مہینے انتقال ہو گیا۔ مرحوم کرائسٹ چرچ کالج کانپور کے

گریجویٹ تھے، تحریک ترکِ موالات کے زمانے سے تعلیم چھوڑ کر جنگ آزادی میں شریک ہو گئے تھے، جس کے نتیجے میں کئی بار جیل گئے۔ ان کی تصانیف "کرم کو آمی" اور "ارمیلا" بہت مشہور ہیں۔

انتقالِ پُر ملال

پروفیسر مشتاق احمد صاحب زاہدی (ولادت ۱۸۷۸ء) کا ۲۴ر اپریل ۱۹۶۱ء کو پاکستان میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مرحوم کا شمار اچھے ماہرینِ تعلیم میں ہوتا تھا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے فیلو اور دیگر تعلیمی اداروں سے متعلق رہے تھے۔

رشید احمد صدّیقی

پروفیسر رشید احمد صدیقی نے علی گڑھ یونیورسٹی میں جنرل ایجوکیشن کا چارج لے لیا ہے، ان سے پہلے ڈاکٹر عابد حسین صاحب اس جگہ پر فائز تھے، مگر ان کی مُدّت ختم ہو جانے کی وجہ سے ان کی جگہ رشید صاحب کا تقرر عمل میں لایا گیا ہے۔

سمترا نندن پنت کی سالگرہ

۲۰ر مئی کو سپرو ہاؤس میں ہندی کے مشہور کوی سمترا نندن پنت جی کی ۶۰ویں سالگرہ کے موقع پر ان کے کلام کے گیارہ ترجموں کا مجموعہ پیش کیا گیا، جس میں کشمیری اور مراٹھی زبان کا ترجمہ تو چھپ گیا ہے اور بقیہ ۹ زبانوں کا ترجمہ عنقریب چھپ جائے گا۔ اس موقع پر ہندی کے دوسرے مشہور ادیب اور شاعر بھی جمع تھے۔ جنھوں نے پنت جی کی ادبی خدمات کی سراہنا کی۔

فحش لٹریچر پر جرمانہ

حوض قاضی دہلی کے دو دکان داروں پر دہلی کے ایک مجسٹریٹ نے پچاس

پچاس روپے کا جرمانہ کیا گیا ہے۔ جرمانہ ادا نہ کرنے کی صورت میں ایک ماہ قید بامشقت کا حکم دیا ہے، ان دکان داروں پر فحش لٹریچر رکھنے اور بیچنے کا الزام تھا۔

پچھلے دنوں پارلیمنٹ میں مسٹر راج بہادر کے سوال کے جواب میں وزیر داخلہ نے بتایا تھا کہ پولیس چھاپہ مار کر فحش اور قابلِ اعتراض لٹریچر برآمد کرتی رہتی ہے۔ سالِ رواں میں دس افراد اس سلسلے میں پکڑے جا چکے ہیں جن پر مقدمات چل رہے ہیں۔

نشر و اشاعت کے متعلق ریسرچ

یونسکو نے طباعت و اشاعت کے متعلقات پر تحقیق کے لئے چھ مہینے کا ایک اسکالرشپ دینا منظور کیا ہے۔ اس سے تحقیق کرنے والوں کو ہندستان سے باہر بھیجا جائے گا۔ تحقیق کے موضوعات میں کتابوں کی طباعت عمومی اور خصوصی اشاعتیں، نشر و اشاعت کے قوانین اور ضابطے، ناشروں کی انجمنوں کی اہمیت، لاگت اور فروخت اعداد و شمار، مصنفوں سے تعلقات اور تقسیم کے ذرائع اور تشہیر کے وسائل وغیرہ شامل ہیں۔

●

زیر طبع کتابیں

دلدل سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر ناول
مصنف صفحات ۴۴۸ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ جامعہ نگر، نئی دہلی
ترجمہ بیگم رضیہ سجاد ظہیر قیمت ۴ روپے ۵۰ نئے پیسے

بچوں کی کہانیاں سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر بچوں کے لئے
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

چمپاوت کا آدم خور شیر سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر
مصنف محمد معین مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

خربوزہ شہزادے کا سر بن گیا سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر
مصنفہ صفحات ۲۴ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ بچوں کے لئے
کوثر بانو قیمت ۳۰ نئے پیسے جامعہ نگر، نئی دہلی

ہماری پارلیمنٹ سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$
مصنف
ناشر
کیلاش چندر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

تین اناڑی سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر بچوں کا ناول
مصنفہ عصمت چغتائی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی

۱۸۵۷ء کے غدار شعراء سائز $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$ ناشر تذکرہ
مصنف صفحات ۱۹۲ مکتبہ شاہراہ
امداد صابری قیمت ۳ روپے ۵۰ نئے پیسے دہلی

کتاب نما

تبرکات آزاد سائز ۲۲×۱۸/۸ ناشر خطوط

مصنف صفحات ۴۱۶ مکتبہ شاہراہ

غلام رسول مہر قیمت چھ روپے ۹۴ نئے پیسے دہلی ۶

گمنام ستارے سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر نظم

مصنف صفحات ۱۲۸ انجم بک ڈپو

دیو سہراہی قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے اردو بازار، دہلی ۶

دیارِ سحر سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر نظم

از صفحات ۱۹۲ حالی پبلشنگ ہاؤس

علی جواد زیدی قیمت تین روپے دہلی ۶

انتخاب کلام حسرت سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر نظم

از صفحات ۱۶۰ حالی پبلشنگ ہاؤس

مسعود الحسن قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے دہلی ۶

انتخاب کلام میر (جدید ایڈیشن) سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر نظم

مرتبہ صفحات ۱۲۸ حالی پبلشنگ ہاؤس

احسن حامد قیمت دو روپے دہلی ۶

انتخاب کلامِ مصحفی سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر

از صفحات ۸۸ جدید کتاب گھر

عبدالستار دہلوی قیمت ایک روپیہ ۳۷ نئے پیسے بلیماران دہلی

چراغِ امید سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر ناول

از صفحات ۲۴۸ چمن بک ڈپو

رفیق شاہین قیمت ایک روپیہ دہلی ۶

تذکرہ شیخ ابوبکر طوسی سائز ۳۰×۲۰/۱۶ ناشر انجمن ترقی اردو، دہلی ۶ تذکرہ

از غلام اخلاق دہلوی صفحات ۸۰ قیمت ایک روپیہ

کتاب نما

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

زندگی کی لہر

ساؤ منگ

(ترجمہ محمد خلیق ایم۔ اے)

جب غلامی کی زنجیریں ٹوٹتی ہیں تو اس کی جھنکار کے ساتھ
قوم کی زندگی میں ایک برقی لہر دوڑ جاتی ہے
چین کی مشہور ناول نگار ساؤ منگ کے اس ناول میں
چین کی قومی زندگی کا یہ نیا رُخ آج پوری آب و تاب کے ساتھ
بے نقاب نظر آتا ہے۔

قیمت تین روپے

مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی

نگراں	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	مدیر
غلام ربّانی تاباںؔ		ریحان احمد عباسی

جلد نمبر ۱ | جولائی ۱۹۶۰ء | شمارہ نمبر ۲

اشاریہ

کتاب نما کا دوسرا شمارہ آپ کے سامنے حاضر ہے۔ اس کا پہلا شمارہ عام طور پر پسند کیا گیا۔ بعض احباب نے کچھ مفید مشورے دئے جن کے ہم شکرگزار ہیں اور حتی الوسع ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے۔ جہاں تک ان احباب کا تعلق ہے جو اس کے معیار کو بلند اور ضخامت کو زیادہ کرنے کے خواہاں ہیں، ان کی خدمت میں عرض ہے کہ ہم پہلے ہی اس سلسلے میں اپنی پوزیشن واضح کر چکے ہیں کہ یہ مقصد ذرا دیر میں پورا ہو سکے گا۔ بہرحال ہماری کوشش رہے گی کہ یہ "ذرا دیر" جلد ہی اپنی منزل پوری کرلے۔

آج کل درسی کتب کا سیزن ہے۔ اس سلسلے میں قدرتی طور پر ہمیں اپنی ساری توجہ اسی طرف مبذول کرنی پڑ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ شمارہ قدرے تاخیر سے شایع ہوا اور محکمۂ ڈاک کی مجوزہ ہڑتال کے پیشِ نظر اس کا آپ کے ہاتھ میں پہنچنا اور زیادہ دیر طلب بات نظر آتی ہے۔

ناشرین نے اب تک اس طرف توجہ نہیں کی۔ ہمیں اگر فرصت ہوتی تو ہم صرف رسالہ بھیج دینے پر اکتفا نہ کرتے بلکہ درمیانی وقفہ میں یاددہانی کے ذریعے ان کے اشاعتی پروگرام سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور آپ کے سامنے اس سے زیادہ معلومات پیش کر سکتے جتنی کہ اب کی جا رہی ہیں۔ ہمیں خدشہ

ہے کہ اگست کا شمارہ بھی انھیں اسباب کی بنا پر زیادہ معلوماتی نہ بن سکے گا۔ اس کے بعد ہمیں یقین ہے کہ ہم اپنی اسکیم کو پوری طرح بروئے کار لانے کے قابل ہوجائیں گے۔ اس دوران میں اگر ہم عصر ناشرین از خود ہمیں اپنی سرگرمیوں سے آگاہ کرتے رہیں تو ہمارے شکریے کے مستحق ہوں گے۔

اگر آپ کے پاس کوئی ایسا مسودہ ہے جسے آپ چھپوانا چاہیں تو ان کی تفصیلات سے ہمیں مطلع فرمایئے۔ کتاب نما کے سابقہ دور میں بھی ہم مصنف اور ناشر کے درمیان ربط قائم کراتے رہے ہیں۔ آج بھی اس فرض کو انجام دینے میں ہمیں خوشی ہوگی کہ مصنفین کا تعارف ناشرین سے کرائیں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ اردو ادب کا کوئی جواہر پارہ عدم واقفیت اور عدم معلومات کے گرد و غبار میں دبا ہوا نہ رہنے دیا جائے۔ اس لئے کم یاب کتب، مسودہ جات اور مخطوطات کے متعلق بھی اگر آپ کو کوئی معلومات حاصل ہوں تو ہمیں اطلاع دے دیجئے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ تحقیق کا کام کرنے والے ایسی چیزوں سے آگاہ ہوسکیں گے اور بروقت ضرورت ان سے استفادہ کرسکیں گے۔

تجاویز اور مشوروں میں جس چیز پر ہم فوری طور پر عمل کرسکے وہ ہے رسالے کی قیمت اور اس کے سالانہ چندے میں تخفیف۔ چنانچہ ہم اسی شمارے سے اس کے ایک پرچے کی قیمت دس نئے پیسے اور سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ کر رہے ہیں۔ جن اصحاب نے تین روپے کے حساب سے چندہ بھیجا ہے ان کی میعادِ خریداری موجودہ شرح کے مطابق بڑھا دی جائے گی۔

۱۶ر جولائی سے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے تعلیمی ادارے کھل گئے ہیں چنانچہ ڈیڑھ مہینے کے تعطل کے بعد جامعہ نگر کی بستی میں پھر چہل پہل نظر آنے لگی ہے۔

★

مجنوں گورکھپوری

خواجہ میر درد

میر اور سودا کے دور کی تیسری اہم ہستی خواجہ میر درد ہیں۔ آزاد نے ان کو "زبانِ اردو کے چار رکنوں میں سے ایک رکن" قرار دیا ہے۔ اور مرزا مظہر جانجاناں نے میر اور سوز کے ساتھ ان کا نام گنایا ہے۔ میں خود درد کو اردو غزل کے ان ارکان میں شمار کرتا ہوں جن پر بعد کو اردو غزل کی پوری عمارت کھڑی کی گئی وہ ان متبرک شخصیتوں میں سے ہیں جن کا صدق دل کے ساتھ احترام میر نے بھی کیا ہے' بعض اعتبارات سے تو وہ اپنے معاصرین میں سب سے زیادہ بلند و برتر نظر آتے ہیں، وہ خاندانی درویش تھے ان کا کردار اور ان کی زندگی دنیوی کثافتوں اور آلائشوں سے اس قدر پاک تھی جس قدر کہ ایک معصوم کی زندگی اپنی تمام انسانیت کو برقرار رکھتے ہوئے پاک ہوسکتی ہے۔ درد کا مختصر دیوان اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو اپنے شخصی وقار کا لحاظ تھا اور وہ کسی قسم کی ناہمواری یا عدم توازن نہ زندگی میں گوارا کرسکتے تھے نہ شاعری میں، اور اگر کوئی اس معیار کو شروع سے آخر تک برت سکے جیسا کہ درد نے برتا تو یہ زندگی کا بہت بڑا اکتساب ہے' درد کے کلام میں نہ کسی قسم کی اخلاقی پستی ہے نہ ذہنی ابتذال اور نہ فنی نقطۂ نظر سے کسی قسم کا سستا پن۔ میر حسن نے درد کے مختصر دیوان کو کلام حافظ کی طرح سراپا انتخاب پایا ہے' کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ اتنے مختصر دیوان میں ہمواری اور توازن قائم رکھنا کوئی بہت بڑا اکتساب نہیں ہے لیکن میرا کہنا یہ ہے کہ بچ بچ کر اور احتیاط کے ساتھ شعر کہنا اور اپنے کسی ایک شعر میں کسی طرح کی ناہمواری یا چھچھورا پن نہ آنے دینا خود اپنی جگہ بہت بڑا اکتساب ہے آخر کوئی شعر کیوں کہے اگر شعر سے انسان کی زندگی سنور نہ سکے اردو شاعری میں اتنی مختصر کمائی کی دوسری مثال صرف اصغر گونڈوی کا کلام

دردؔ اپنی ذاتی بزرگی اور برگزیدگی کے لحاظ سے اپنے زمانے میں جو مقام بھی رکھتے ہوں شاعری میں وہ اسی برادری کے ایک رکن ہیں جس میں میرؔ سوداؔ اور اس دور کے چھوٹے بڑے شعرا شامل ہیں، ان کی شاعری کا عام لہجہ وہی ہے جو اس دور کے ہر شاعر کا ہے۔ اور ان کی شاعری کا بھی اصلی موضوع وہی ہے جو تغزّل کے تحت میں آسکتا ہے۔ وہ اس معاملے میں اپنے دور کے تمام اکابر سے زیادہ کٹر اور سخت گیر ہیں، میرؔ سے بھی زیادہ، میرؔ نے تو کچھ قصیدے اور کئی مثنویاں بھی لکھی ہیں لیکن دردؔ نے غزل کے علاوہ اگر کچھ لکھا ہے تو وہ رُباعیاں ہیں اور ان رُباعیوں کی بھی ممتاز خصوصیت تغزّل ہے، سُنی سُنائی بات کے طور پر مشہور ہے کہ میرؔ اثر کی مثنوی "خواب و خیال" کے بہت سے اشعار دردؔ کے کہے ہوئے ہیں اگر یہ حقیقت بھی ہو تو میری کہی ہوئی بات اپنی جگہ رہتی ہے، اس مثنوی کے بیشتر اشعار تغزّل ہی کا انداز رکھتے ہیں۔ کچھ اشعار سُنئے، جن میں درد کا کردار شعری صاف جھلک رہا ہے۔

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے سُنا ہے بھر چلے

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
بس ہجوم یاس جی گھبرا گیا

تجھ سے کچھ ہم نے نہ دیکھا جز جفا
پھر وہ کیا کچھ ہے جو جی کو بھا گیا

دل بھی لے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا..

زور عاشق مزاج ہے کوئی
درد کو، قصّہ مختصر دیکھا

دل بھلا ایسے کو اے دردؔ نہ دیجے کیوں کر
ایک تو یار ہے، اور تس پہ طرحدار بھی ہے

ان بتوں سے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

نہیں شکوہ مجھے کچھ بیوفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا!

اے آہ و نالہ مجھ سے نہ آگے چلو کہ میں
بچھڑا ہوں کارواں سے مسافر جریدہ ہوں

اس طرح سے یک لخت جو آنسو نہیں تھمتے
معلوم ہوا اور کہیں آنکھ لڑی ہے

یہی پیغام دردؔ کا کہنا
گر صبا کوئے یار میں گزرے

کون سی رات آن ملے گا دن بہت انتظار میں گزرے

دردؔ کا جب ہم تصور کرتے ہیں تو غیر شعوری طور پر ایک دھوکہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دردؔ کے کردار شعری کی حق تلفی ہو جاتی ہے، ہمارے ذہن پر پہلے سے یہ خیال چھایا رہتا ہے کہ دردؔ ایک خاندانی صوفی اور درویش تھے۔ اس لئے ہم بغیر سوچے سمجھے ان کے کلام کی سب سے زیادہ ممتاز خصوصیت تصوّف اور معرفت بتا دیتے ہیں یہ بہت بڑا التباس ہے، یہ سچ ہے کہ دردؔ کے دیوان میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جن کو تصوّف اور معرفت کے تحت لے آیا جائے لیکن ان میں دردؔ کی کوئی انفرادی شان نہیں ہے۔ ایسے رواجی اشعار تو میرؔ اور سوداؔ سے لے کر داغؔ اور ریاضؔ تک کے وہاں بھی مل جائیں گے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ قدیم ترین تذکروں سے لے کر اردو شاعری کی جدید ترین تاریخ تک میں ہم کو دردؔ کے جتنے اشعار ملتے ہیں ان میں بہت کم ایسے ہیں جن کا موضوع تصوّف، معرفت یا ترک درویشی ہو، بیشتر اشعار وہی نقل کئے گئے ہیں جن کا تعلق عشق سے ہے اور جو خالص تغزّل کی کیفیت رکھتے ہیں۔

دردؔ کی شاعری کی صحیح قدر کا اندازہ کرنا ہے تو ہم کو ارادہ اور کوشش کے ساتھ اس بات کو بھول جانا چاہئے کہ وہ سجادہ نشیں خواجہ ناصر عندلیب کے خلف رشید تھے یا ان کا نسب نامہ کئی واسطوں سے خواجہ بہاء الدین نقشبند اور امام حسن عسکری سے ملتا تھا یا وہ خود خاصی جوانی کی عمر میں دُنیا اور اس کی مکروہات سے منہ موڑ کر سجادہ پر بیٹھ گئے تھے، دردؔ کے اشعار میں کہیں سے سجادہ کا رنگ یا خانقاہ کی مہک نہیں محسوس ہوتی، ان اشعار میں بھی نہیں جو درویشی اور معرفت کا اندازہ لئے ہوئے ہیں۔

دردؔ کے مختصر دیوان کا زیادہ سے زیادہ حصّہ عاشقانہ رنگ میں ہے اور اس رنگ میں وہ اپنا خاص انداز رکھتے ہیں جو ان کو دوسرے غزل گو شعرا سے ممتاز کرتا ہے، خالص تغزّل میں وہ میرؔ کے ہمنواؤں میں سے ہیں، سید امداد امام اثرؔ کا قول ہے کہ سوز گداز میں ان کا جواب یا میرؔ تھے یا وہ آپ اپنا جواب تھے۔

میرؔ اور دردؔ کا موازنہ بڑا مشکل کام ہے، اس معاملے میں نہ صرف علم پڑھنے والے بلکہ اکثر نقاد دھوکا کھاتے آئے ہیں، دردؔ کے وہاں بھی اس قسم کی نرمیاں ملتی

ہیں جو میر کے وہاں ہیں بلکہ، چونکہ ان کا دیوان اتنا مختصر ہے اور سراپا انتخاب ہے اس لئے ہم کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ درد کے کلام میں میر سے زیادہ نرمیاں ہیں لیکن اگر تامل اور ادراک کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ محسوس کرنے میں دیر لگے گی کہ میر اور درد شعورِ عشق کی دو مختلف سطحوں پر ہیں اور ان میں میر کی سطح بلند ہے، درد کے کلام میں جو ہموار نفاست اور سنجیدگی پائی جاتی ہے، ان کے خیالات و جذبات اور ان کی زبان اور اسلوب میں جو شستگی اور پاکیزگی ہوتی ہے وہ ان کو اردو کے تمام چھوٹے بڑے شاعروں سے ممتاز رکھے گی لیکن ہمارا یہ کہنا شاید جلد حلق کے نیچے نہ اترے کہ درد عشق اور تغزل کی اس منزل پر نہیں ہیں جس کو میر کا خاص مقام سمجھئے اور جہاں ہر منزل فروتر نظر آتی ہے۔

میر سے قطع نظر کر کے اس دور کے درد کی غزل سرائی کی عام دھن وہی ہے جو ہر شاعر کی دھن تھی، وہ ہم کو قائم چاندپوری میر اثر، یقین، تاباں وغیرہ کے عالم کے شاعر معلوم ہوتے ہیں اگرچہ وہ ان سب سے اونچا مقام رکھتے ہیں، درد کے کلام میں وہ ٹھیراؤ، وہ ضبط، وہ عنان گسیختگی نہیں ہوتی جو صرف اس وقت حاصل ہوتی ہے جب زندگی اور عشق کی تمام صعوبتوں پر انسان عبور پا جائے اور عارفانہ تیور اور بے نیازانہ وضع کے ساتھ سب کچھ برداشت کرے جانے کے قابل ہو جائے۔ میر ہم کو اس منزل پر ملتے ہیں، یہ وہ منزل ہے جہاں غم نشاط اور اضطراب ایک بلیغ سکون میں تبدیل ہو جاتا ہے، درد کے اشعار میں جو تاثیر ہوتی ہے، اس میں کسی کو کوئی شک نہیں ہو سکتا، مگر یہ تاثیر تڑپ اور تلملاہٹ کی تاثیر ہے، ہم کو ان میں وہ راحت نہیں ملتی جو میر کے کلام میں ملتی ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کم سے کم شاعری کے اندر درد نے عشق پر وہ فتح نہیں پائی تھی جو میر پا چکے تھے، درد نے اپنی زندگی میں عشق کی جتنی بھی معرفت حاصل کی ہو لیکن شاعری میں وہ اس درمیانی مقام پر ہیں جہاں تڑپنے تڑپانے میں لذت ملتی ہے، جہاں کلفت ہوتی ہے، جہاں زہر کسی طرح امرت نہیں بن پاتا۔

(بہ شکریہ سوغات بنگلور)

ہماری حالیہ مطبوعات

مکتبہ جامعہ کی بچوں کی پرانی کتابوں کے نئے ایڈیشن

سمندر کے کنارے (معلومات) سلطانہ آصف فیضی

اگر آپ جاننا چاہتے ہیں کہ سمندر میں کیسے کیسے جانور رہتے ہیں اور سمندر کے کنارے کیا کیا چیز ملتی ہے تو اس دلچسپ کتاب کو پڑھیے، جو رنگ برنگی تصاویر سے مزین ہے۔ قیمت : اردو ایک روپیہ دو آنے
ہندی ایک روپیہ چار آنے

بجلی کی کہانی (معلومات) علی احمد خاں

بجلی کیا ہے؟ اس کو کس طرح پیدا کیا جاتا ہے؟ کن کن لوگوں نے اس عجیب وغریب طاقت کی باگ ڈور انسانی ہاتھوں میں دی؟ ان سب سوالوں کے جواب آپ اس کتاب میں پڑھ سکیں گے۔ قیمت : پچاس نئے پیسے

سونے کی چڑیا (معلومات) محمد عبدالغفور

اس معلوماتی کتاب میں مغلیہ عہد کے ہندوستانی تمدن کی ایک رنگین جھلک نظر آئے گی جن کو بنانے میں مسلمان اور ہندو دونوں کا ہاتھ رہا ہے۔ یہ کتاب ہمیں صرف یہی نہیں بتاتی کہ ہم کیا تھے اور اب کیا ہوگئے بلکہ ہمارے اندر خوداعتمادی پیدا کرکے یہ بتاتی ہے کہ ہمیں کیا ہونا چاہیئے تھا اور کیا ہونا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۷ء کے بعد پہلی بار شائع ہوئی ہے۔

قیمت : ایک روپیہ

نشورؔ واحدی

غزل

اپنی کشتی توڑ دینے کی سزا پانے لگے
ہم اُدھر طوفاں اِدھر ساحل سے ٹکرانے لگے

گفتگو ہے ہوش کی اور جستجو ہے شوق کی
مجھ کو تو اہلِ خرد بھی جیسے دیوانے لگے

جادۂ غم میں مرے نقشِ قدم کو دیکھ کر
کارواں ٹھیرے ہوئے آنے لگے جانے لگے

ایک آنسو اور اس میں داستانِ صد ملال
کتنے دریا قطرۂ شبنم میں تھرّانے لگے

اپنی کمزوری بیاں کرتا ہے ہر دانش فروز
ناصحِ مشفق نہیں سمجھے تو سمجھانے لگے

روشنی کوئی ہو۔ ہوتی ہے محبت آفریں
شمع کے پیچھے بھی ہیں وہ چار پروانے لگے

نیند کیسے آئے اس رنگیں تصوّر میں نشورؔ
رات کو جب دل کو باتوں کا خیال آنے لگے

(بہ شکریہ خیال ناگپور)

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف

تذکرہ قیمت ۷/۰۰ غبارِ خاطر قیمت ۶/۰۰

میرا عقیدہ قیمت ۱/۵۰

کاروانِ خیال	۲/۵۰
شہیدِ اعظم	۱/۵۰
صبحِ امید	۶/۰۰
نقشِ آزاد (خطوط)	۶/۰۰
ملفوظاتِ آزاد	۲/۵۰
خطباتِ آزاد	۳/۰۰
دعوتِ حق	۱/۵۰
عیدین	۱/۵۰

مولانا ابوالکلام آزاد پر لکھی ہوئی کتابیں

آثار ابوالکلام آزاد	قاضی عبدالغفار	۶/۰۰
ذکرِ آزاد	مولانا ملیح آبادی	۷/۵۰
ابوالکلام آزاد	"آجکل" نمبر	۲/۰۰
مولانا آزاد تنقید و تبصرے کی روشنی میں	از ابوسعید بزمی	۲/۵۰
"آزاد" نمبر	اردو ادب علی گڑھ	۵/۰۰
ابوالکلام آزاد	مرتبہ انور عارف	۴/۰۰

قول فیصل	۲/۵۰
مسئلۂ خلافت	۳/۵۰
مسلمان اور کانگریس	۱/۲۵
تحریکِ آزادی	۳/۵۰
جامع الشواہد	۲/۰۰
اسلام اور آزادی	۱/۵۰
مسلمان عورت (ترجمہ)	۴/۰۰
صدائے حق	۲/۲۵

یہ سب کتابیں

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
اردو بازار دہلی ۶

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
پرنسس بلڈنگ بمبئی ۳

سے مل سکتی ہیں

مشیر الحق بحری آبادی

دیواری مشاعرہ

(غالب کا ایک خیالی خط، جس کی تمام باتیں حقیقی ہیں)

میری جان میر مہدی!

تم نے اپنی دلّی کے من چلوں کے بارے میں بھی کچھ سُنا؟ کل بیٹھے بیٹھے اچانک یہ خیال آیا کہ لاؤ ذرا اپنے مزار تک ہو آؤں۔ سُنا ہے دلّی والے میری برسی بہت دھوم سے مناتے ہیں۔ ہاں تو کل جب میں وہاں پہنچا تو رات کا وقت تھا۔ ایک سناٹے کا عالم تھا۔ ایسے میں ایک مردِ بزرگ میرے مزار پر کھڑا بہت خشوع وخضوع کے ساتھ ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہا تھا۔ معلوم نہیں اپنی عافیت کا طالب تھا یا میری نجات کا۔ اس کا حلیہ کیا لکھوں، ننگے سر، ننگے پیر، چار خانے کا تہہ بند، لمبا موٹا کرتا۔ داڑھی بے تحاشا بڑھی ہوئی — پہلے تو طبیعت بجھ کر رہ گئی کہ دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا، پھر اس تصور سے تسلی ہوئی کہ میرے ایسے، اور نہ جانے کتنے ہی مجھ سے بڑے شاعروں کے مزار پر تو یہ ایک مردِ بزرگ بھی نظر نہ آتا تھا۔ اس طرح دل کو تسلی دے کر جب میں اس شخص کے قریب پہنچا اور علیک سلیک کی تو اس نے ایک عجیب انکشاف کیا۔

اس نے بتایا کہ بڑے لوگ تو میری یاد سال میں ایک دن مناتے ہیں۔ اس کے علاوہ ہر طرف مشاعرے منعقد کیے جاتے ہیں۔ تقریریں کی جاتی ہیں رسالوں کے نمبر نکالے جاتے ہیں، جس میں کچھ لوگ تو ایسے ہوتے ہیں جو مضمون لکھ کر یا شعر چھپوا کر مجھ پر اور اڈیٹر کی سات پشتوں پر احسان کرتے ہیں اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کے مضامین اور اشعار کو رسالے میں جگہ دے کر اڈیٹر صاحبان ان پر رحم اور ان کے گھر والوں پر ظلم کرتے ہیں۔ جو لوگ بہت اونچے ہوتے ہیں وہ ریڈیو کے ذریعے اپنے خیالات دنیا میں

پھیلا دیتے ہیں۔ لیکن ایک بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جن پر نہ تو اڈیٹر احسان کرتے ہیں نہ مشاعرہ کمیٹی انھیں منہ لگاتی ہے اور یہی میرے اصل پرستار ہیں۔ ان کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ ان لوگوں نے اڈیٹروں، مشاعرہ کمیٹیوں اور ارباب ریڈیو کی جتھہ بندی کے خلاف اپنے کو منظم کر لیا ہے اور انھوں نے مشاعرے کی ایک نئی قسم ایجاد کی ہے اس کا نام ہے دیواری مشاعرہ۔

اس مشاعرے کا نہ تو کوئی وقت ہوتا ہے، نہ اس کے دعوت نامے جاری کیے جاتے ہیں۔ نہ اشعار کی تعداد پر کوئی پابندی ہوتی ہے نہ عروض و قوافی کی کوئی قید ہوتی ہے۔ بس اظہارِ جذبات جس طرح بھی ممکن ہو! ہاں خوب یاد آیا۔ ایک شرط بہت ضروری ہے اور وہ ہے جگہ کا تعین۔ یہ مشاعرہ میرے مقبرے کی دیواروں کے علاوہ اور کہیں نہیں ہو سکتا۔

میں اس مردِ بزرگ کی بات سن کر اپنی دلی کے من چلوں کی اس ادا پر جھوم گیا۔ اگر انھوں نے میرا مزار نہ بنوایا ہوتا تو پھر بھلا میرے پرستار کس طرح میرے بارے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے۔ میں نے گھوم پھر کر اپنے چاہنے والوں کے "نقشِ قلم" کو اچھی طرح دیکھا اور اس خیال سے کہ میرا پیارا میر مہدی اس لطف سے محروم نہ رہے کچھ چیزیں نقل کر تا لایا۔ میں نے اس میں کچھ تصحیح نہیں کی ہے تاکہ تم تک وہ چیزیں ہو بہو، لفظ بلفظ پہنچیں۔

و دیکھو ایک صاحب ہیں "حسین احمد ہاپوڑی، کاریگر کارخانہ ہوا محل" انھوں نے صرف ایک شعر اور ایک مصرعے پر قناعت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"غالب ترے مزار پر آئے چلے گئے
حسرت یہی ہے کہ ہم ہائے چلے گئے
نکتہ چیں ہے غمِ دل اس کو سنائے نہ بنیں
دعا گو نام حسین احمد ہاپوڑی"

ان "دعا گو" کے بعد فتح گنج لکھنؤ کے ایک صاحب احسان اللہ نامی نے مجھ پر یوں احسان فرمایا

"السلام علیکم
ہوئے مر کے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا فقط"

۲۰۔ اکتوبر ۵۹ء کو محمد شریف سوری ازراہِ شرافت مجھ سے ملنے آئے لیکن ملاقات نہ ہو سکی اس لئے اپنی یاد دلانے کے لئے یہ پیام چھوڑ گئے

"آئے تھے غالب کو دیکھنے
معلوم نہ تھا کہ وہ دفن ہو گئے
محمد شریف سوری جو اچانک شعر کہہ چلے"

اس کے بعد جناب غیاث الدین نے بہت ہی حسرت سے فرمایا۔

"یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست غالب
ترے مزار پر آکر صرف تو ہی نہ ملا"

غیاث الدین کے بعد قصبہ شیخوپور بدایوں سے محمد مظہر الدین حسن صدیقی عرف بتن صاحب تشریف لائے اور یوں گویا ہوئے۔

"شعر کہنے کو زبان ترستی ہے غالب
یاد آتا نہیں لکھوں تو بھلا کیا لکھوں"

ان کے بعد "مزمل خاں اور رفن خاں ۲۶۔ نومبر کو نظام الدین محبوب الٰہی میں فاتحہ پڑھنے آئے تو غالب کے مزار پر بھی آئے۔" لیکن ان لوگوں پر شاید اتنی رقت طاری تھی کہ وہ اپنے جذبات کا اظہار اس اطلاع کے علاوہ اور کسی طرح نہ کر سکے۔

پھر میرے ایک اور کرم فرما "شمشاد حسین مراد آبادی محلہ کچا باغ بہادر گنج" سے تشریف لائے اور اپنی آمد کا نقش ان الفاظ میں چھوڑ گئے۔

آؤ گے پھر کبھی جو ابھی جا رہے ہو تم
بیکار میرے سر کی قسم کھا رہے ہو تم
شمشاد خدا کے واسطے باز آؤ عشق سے
ناحق رنج و غم میں گلے جا رہے ہو تم

پھر میرے دوست منشی ہرگوپال تفتہ کے ایک بھائی نے میری یوں عزت افزائی کی۔

"सेठ रामलाल अलीगढ़
अलीगढ़ वाले का सलाम पहुंचे
तारीख २९-५-५८
साथ में बाबू लाल सराफ़"

میاں سید! تم تو جانتے ہو کہ میں ہندی میں کورا ہوں۔ یہ تو تفتہ کا دل رکھنے کی خاطر اتنی سیکھ لی تھی کہ "نقل را چہ عقل" کے مطابق جو کچھ وہاں لکھا دیکھا وہ تمھیں دکھا رہا ہوں۔ اب یہ مجھے نہیں معلوم کہ یہ نثر ہے یا نظم ــــ اور سچ پوچھو تو اردو ہی میں جو کچھ لکھا گیا ہے اسی کے بارے میں بھلا کیا لکھ سکتا ہوں۔ ان شہ پاروں کو اگر نثر کہوں تو ہاتھ سے پرستار چھوٹیں اور نقادوں کے سامنے الگ جواب دہی کرنی پڑے، اور اگر انھیں شعر کہوں تو پھر اگلے سال شاید میری برسی نہ منائی جائے۔ اس لئے میاں اس خطرے کو کیوں مول لوں۔ میں نے تو جو کچھ اپنے مقبرے کی دیواروں پر لکھا دیکھا ہے اسے تمھیں سنا رہا ہوں۔ اب سنو کہ ان علی گڑھ والے سیٹھ رام لال کے بعد غالب کے استاد اشتیاق علی خاں صاحب بریلی ننگ بدتمیزی" تشریف لائے مگر انھوں نے مناسب نہ سمجھا کہ شاگرد کی مزید عزت افزائی کریں اس لئے وہ صرف اپنے نام تخلص اور وطن کے بارے میں اطلاع دے کر واپس چلے گئے۔

پھر ایک نوجوان کرم فرما کی آمد ہوئی۔ انھوں نے اپنا کلام سنانے سے پہلے اپنا تعارف ان الفاظ میں کرایا۔

"سوانح حیات نام محمد احمد، تخلص وفا، ۱۹۴۲ء میں بدایوں محلہ فرشوئی ٹولہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام آل احمد اور ۱۹۴۹ء میں ہائی اسکول پاس کر کے کراچی چلے آئے اور آپ کو کراچی ہی آکر شاعری کرنا شروع کی۔ آج بتاریخ ۲۲ اپریل ۱۹۵۹ء کو غالب کو دیکھنے کے واسطے دہلی آئے۔"

سوانح حیات کے بعد آپ نے یہ دو شعر عطا کئے:

آئے ہیں بدایوں سے ہزاروں میل سے ۔۔۔ پر ہم دیکھ نہ سکے غالب کو اپنی نظر سے
نظارے دیکھ دیکھ کے رہ گئے ۔۔۔ ہم غالب کا مزار دیکھ کے رہ گئے

جناب ذاکر علی لکھنوی کو یہ بدایونی شاعری پسند نہیں آئی اس لئے انھوں نے نومبر ۱۹۵۹ء میں ان شعروں پر تنقید کی اور صرف ایک بلیغ جملہ لکھ گئے کہ "تم شاعر نہیں ہو۔"

پیارے میر مہدی، یہ ایک ہلکی سی جھلک ہے اس دیواری مشاعرے کی، اب مجھے اجازت دو۔

عافیت کا طالب
غالب

(بشکریہ آج کل دہلی)

شعری ادب

محرابِ غزل روشؔ صدیقی صاحب کا پہلا مجموعہ۔
قیمت: تین روپے

جوئے شیر خود شاعر کے لفظوں میں اُس کی شاعری "کچھ ذکرِ دوراں، کچھ اشک و تبسم، کچھ برق و طوفاں، کچھ نذرِ خوباں، کچھ نذرِ انساں" ہے۔ "جوئے شیر" آنند نرائن مُلّا کی بہترین نظموں اور غزلوں پر مشتمل ہے۔
قیمت: پانچ روپے

شکستِ زنداں غلام ربانی صاحب تاباں کی مرتب کردہ انقلابی نظموں کا مجموعہ ہے جو اپنی افادیت کی وجہ سے دنیا کی کسی دوسری زبان کے ادبی سرمایہ کے مقابلے میں بلا جھجک پیش کیا جا سکتا ہے۔
قیمت: تین روپے

ہفت رنگ عرشؔ ملسیانی صاحب کی غزلوں کا یہ مجموعہ جس میں شعریت اور سچائی کا میل ہے بہت دلکش، بہت رنگین اور پُرکیف ہیں۔
قیمت: تین روپے

کاروان و منزل امنؔ لکھنوی صاحب کی شاعری داخلی اور خارجی عناصر کے ایک خوشگوار امتزاج کی حامل ہے۔
قیمت: دو روپے ۵۰ نئے پیسے

بیکراں جگن ناتھ آزادؔ نے اپنی کاوش سے شاعری کو سنوارا اور نکھارا ہے۔ بیکراں ان کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔
قیمت: چار روپے ۵۰ نئے پیسے

گنجِ معانی تلوک چند محرومؔ صاحب کے کلام کا یہ مجموعہ اب دوسری بار شائع ہوا ہے۔
قیمت: سات روپے ۵۰ نئے پیسے

روپ فراؔق گورکھپوری کی رُباعیوں کے اس مجموعے میں برقِ طور کی چمک اور جنّت کی ہواؤں کی ٹھنڈک ہے۔ ہر رُباعی کے ایک ایک لفظ سے ساتِ رنگوں کی پھوار ...... نظر آتی ہے۔

قیمت: تین۳ روپے ۵۰ نئے پیسے

رمز و کنایات شعریت میں ڈوبا ہوا تفکر، عالمِ خیال میں ڈوبی ہوئی نغمگی، سنگیت میں ڈوبے ہوئے جذبات، ایسی خوبیاں ہیں جو فراؔق گورکھپوری کے غزلوں کے مجموعے رمز و کنایات میں ملیں گی۔

قیمت: تین۳ روپے ۵۰ نئے پیسے

دو نیم ڈاکٹر مسعود حسین صاحب کی نظموں، غزلوں اور گیتوں کا تازہ ترین مجموعہ ہے۔

قیمت: دو۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

نئے ترانے اظہاؔر ملیح آبادی کے اس مجموعۂ کلام سے اُن کی طبیعت میں رَوانی جذبات میں رنگینی، بیان میں شگفتگی کا پتہ چلتا ہے۔

قیمت: دو۲ روپے ۵۰ نئے پیسے

نقشہائے رنگ رنگ رادھے شیام احقؔر کے اردو فارسی کلام کا دیدہ زیب مجموعہ جو غزلیات، منظومات، رباعیات اور قطعات پر مشتمل ہے۔

قیمت: تین۳ روپے

صدائے دل ساحؔر بھوپالی صاحب کے کلام کا دوسرا مجموعہ۔

قیمت: تین۳ روپے

انتخابِ حالی حالؔی کی شاعری دراصل اردو کے جدید ادب کا پیش لفظ تھی۔ سید سفارش حسین صاحب کی انتخاب کردہ حالؔی کی غزلوں اور نظموں کا یہ انتخاب بلاشبہ بہترین انتخاب کہا جا سکتا ہے۔

قیمت: دو۲ روپے ۲۵ نئے پیسے

مضرابِ غم یحییٰ بھائی اُ اے جدن والا کا پہلا مجموعۂ کلام جو تصاویر سے مزین ہے۔ کتابت وطباعت اور بہترین کاغذ کی وجہ سے انتہائی خوب صورت کتاب ہے۔

قیمت: دس روپے

بانگِ درا علامہ اقبالؒ کا وہ مجموعۂ کلام جس نے اردو شاعری میں ایک نئی روح پھونک دی۔

قیمت: چار روپے ۵۰ نئے پیسے

بالِ جبریل علامہ اقبال کا دوسرا مجموعۂ کلام۔

قیمت: چار روپے

حرفِ تمنّا میکش اکبرآبادی کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ۔

قیمت: تین روپے

دیوانِ غالب مالک رام صاحب ایم اے نے یہ دیوان بڑی محنت اور جانفشانی کے بعد مرتب کیا ہے جو اصل کے بالکل قریب ہے۔

قیمت: پانچ روپے ۵۰ نئے پیسے

گلبانگِ حرم زائرِ حرم حمید صدیقی صاحب کی پُرکیف و روح پرور نعتیہ نظموں کا دلکش مجموعہ۔

قیمت: تین روپے ۷۵ نئے پیسے

گلگونہ تسکین صاحب کی غزلوں کا مجموعہ۔

قیمت: دو روپے

نو بہ نو فلسفۂ الٰہیات پر آہ سیتاپوری کی اردو میں پہلی انقلابی نظم ہے جس کے مطالعہ سے مسجد، مندر، مذہب اور مشرب کا جھگڑا دھواں بن کر اُڑ جاتا ہے۔

قیمت: ایک روپیہ

نئی مطبوعات

دَلدَل (ناول)، مصنف ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ قیمت: ۵۰-۴
(ترجمہ رضیہ سجاد ظہیر) ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

والڈن (ناول)، مصنف ہنری ڈیوڈ تھورو ساہتیہ اکیڈمی کی طرف سے
مترجم علی عباس حسینی قیمت: ۵۰-۶ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی نے شائع کی

ہنگامۂ گُل (ناول)، عارف مارہروی قیمت: ۵۰-۴ کتابی دنیا لکھنؤ
ٹکسال " مائل ملیح آبادی " ۵۰-۲ "
لیلیٰ " ضیا عظیم آبادی " ۰۰-۴ "
کچھ ذرّے کچھ تارے (نظم)، آنند نرائن مُلّا ۵۰-۲ انجمن ترقی اردو، علی گڑھ
اردو غزل (ادب)، یوسف حسین ۰۰-۹ "

دو جام (رباعیات عمر خیام کا منظوم ترجمہ)، عبدالحمید عدم قیمت ۰۰-۳
ادبستان اردو۔ امرتسر

گفتنی (نظم)، مخمور سعیدی قیمت: ۰۰-۲ مکتبہ تحریک، دہلی
سنگم (" ")، نریش کمار شاد " ۰۰-۳ نیو تاج آفس، دہلی
تاریک راہیں (ناول)، راشد سہسوانی " ۰۰-۶ " "
گول کمرہ " شہزادہ تبسم " ۰۰-۶ " "
نئی صبح " نریندر شرما " ۰۰-۴ پ م پ کوآپریٹو سوسائٹی، دہلی
مشکلیں اتنی پڑیں " جی ایس عالم ۰۰-۴ " " "
انگڑائی " ضیا عظیم آبادی ۵۰-۵ اہلووالیہ بک ڈپو "
بندھن " عارف مارہروی ۷۵-۴ " "
روحِ نشاط " خان محبوب طرزی ۵۰-۴ چچا بک ڈپو "
بے قرار " بھوپندر دیپ ۰۰-۲ " "
ڈوبتی منزل " مسافر لائل پوری ۰۰-۳ "

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر دیکھئے)

جائزے

ایک کشتی سو طوفان

مصنف : عشرت امیر
ناشر : چمن بک ڈپو، کلاں محل۔ دہلی
صفحات: ۱۸۴ ۔ $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت : تین روپے پچاس نئے پیسے

اس ناول کو مصنف نے ایک نفسیاتی اور جذباتی ناول کہا ہے۔ جس میں ایک ایسی معصوم اور جذباتی لڑکی کی داستانِ حیات پیش کی گئی ہے جو ایک خوشگوار اور صحت مند زندگی گزارنا چاہتی ہے لیکن جو عیاشں اور دولت مند مردوں کی بوالہوسی کے جال میں پھنس کر فاحشہ ہو جاتی ہے۔ راجیش، خالد اور راجن جیسے نہ جانے کتنے تاجر اس کی عصمت کا سودا کرتے ہیں۔ وہ ان کے آغوش گرماتی اور ان کی محفلیں رنگین بناتی ہے اور رفتہ رفتہ اپنے غریب لیکن وفا شعار عاشق پارکر سے دور ہوتی جاتی ہے۔ بالآخر اپنے حسن و شباب کی رعنائیاں کھو کر جب وہ امراء کی محفلوں سے دھتکار دی جاتی ہے۔ اس کے خوابوں کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے تو اس کا عاشق صادق پارکر اسے اپنا لیتا ہے۔ اِس پلاٹ سے ظاہر ہے کہ ناول میں جنسی جذبات جسمانی آلودگیوں اور عریاں ہیجان خیز مناظر کو کتنی اہمیت حاصل ہوگی۔ ناول میں کرداروں کے نام ہندوستانی ہیں لیکن فضا اور ماحول ہندوستانی نہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ عشرت امیر صاحب نے ناول کا مرکزی خیال کسی انگریزی ناول سے اخذ کیا ہے۔ جس کے وہ خود معترف ہیں۔ ناول نگاری کے فن کی کامیابی اس میں ہے کہ کسی خاص دور کی زندگی کو اس کی تمام پیچیدگیوں وسعتوں اور گہرائیوں کے ساتھ اس طرح زندہ کیا جائے کہ قاری اپنے آپ کو اسی فضا میں محسوس کرے۔ اس لحاظ سے اسے ناول کہنا بھی نامناسب ہوگا۔ لیکن جو حضرات ناول کو محض لطف اندوزی اور خوش وقتی کا ذریعہ سمجھتے ہیں وہ اِس سے یقیناً محظوظ ہوں گے۔ (ڈاکٹر قمر رئیس)

شمیم بلاغت

مصنف : علامہ اخلاق دہلوی
ناشر: کوآپریٹیو اسٹور لمیٹڈ نئی دہلی ۱۳
صفحات: ۲۴۔ ۳۰×۲۰/۱۶
قیمت : ۶۲ نئے پیسے

علم بدیع اور اصناف ادب کے موضوع پر یہ مختصر سا رسالہ "نسیم البلاغت" کا خلاصہ ہے۔ پہلے حصے میں مصنف نے علم بدیع کی تعریف اور صنائع لفظی و معنوی سے مختصراً بحث کی ہے اور اساتذہ کے کلام سے مثالیں دے کر سمجھایا ہے۔ دوسرے حصے میں نظم و نثر کی اصناف اور اقسام کا اجمالی جائزہ ہے۔ انداز بیان صاف اور سلجھا ہوا ہے۔ یہ کتاب اردو شعر و ادب کے طالب علموں خصوصاً ابتدائی درجوں کے طالب علموں کے لئے مفید ہوگی۔ اگر کتاب میں اردو شعر و ادب کے نئے تقاضوں اور میلانات کو بھی سامنے رکھا جاتا اور محض روایتی اصولوں اور اصناف پر اکتفا نہ کی جاتی تو کتاب زیادہ مفید اور مستند ہوتی۔

ڈاکٹر قمر رئیس

★

شبنم شبنم

مصنف : کرشن موہن
ناشر: انڈین اکیڈمی۔ دہلی
صفحات: ۱۶۰۔ ۳۰×۲۰/۱۶
قیمت : پانچ روپے

کرشن موہن صاحب طوفان کا مجموعۂ کلام "شبنم شبنم" کتابت، طباعت اور تزئین تینوں پہلوؤں سے معیاری ہے، لیتھو میں چھپی ہوئی کتابیں تو ایک طرف رہیں ونڈ اٹک اور خود آفسٹ میں بھی ایسی اچھی چھپی ہوئی کتابیں بہت کم یاب ہیں، انڈین اکیڈمی مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے دور رنگوں میں ایسی خوش نما کتاب شائع کی جو کسی بھی زبان کی صاف ستھری چھپی ہوئی کتابوں کے مقابلے میں رکھی جا سکتی ہے!

نام اسی طرز کا ہے جیسا ظ انصاری صاحب کے نثری مجموعۂ کلام کا نام

"ورق ورق" ہے اور بقول شیکسپئیر نام میں کیا دھرا ہے What is There? in a name?

کتاب کے دیباچے میں جناب بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے کرشن موہن صاحب کے کلام کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

"اسی طرح میرا بھی نظریہ ہے کہ شعر و ادب کو افادی اور غیر افادی حدوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔"

جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں کرشن موہن قصداً افادیت پسندی کے قائل نہیں اور وہ خود کہتے ہیں ؎

سخن تیرا ستم ہے کرشن موہن کسی پیغام کا حامل نہیں ہے

بہرکیف یہ مجموعۂ کلام ڈاکٹر عابد حسین صاحب کے الفاظ میں کرشن موہن صاحب کے خوابِ جوانی کی ایک تعبیر اور کتابِ دل کی ایک تفسیر ہے۔ اور ان کے بیس سالہ احساس و فکر کا نچوڑ ہے، اس مجموعے میں فن کے سانچے میں ڈھلی اور ضابطوں کی حدوں میں گھری غزلیں اور رباعیاں بھی ہیں اور نسبتاً بے قید اور بے تکلف نظمیں اور گیت بھی، مگر ان کی طبع سلیم نے آزادی میں پابندی کے آداب کو ملحوظ رکھا ہے۔"

نواب جعفر علی خاں صاحب اثر کا یہ فرمانا کہ "کرشن موہن کے اکثر اشعار پسند آئے" ایک گراں مایہ سند ہے۔ اور عندلیب شادانی صاحب کا یہ ارشاد کہ "اس مجموعۂ کلام کی ورق گردانی میں جا بجا ایسے اشعار نظر آئے جنھوں نے نگاہ کا دامن تھام لیا۔" اثر صاحب کے قول کی تصدیق و تائید ہے۔ ایسی صورت میں کرشن موہن صاحب کا یہ شعر ؎

زمانہ مانتا ہے مجھ کو شاعر مگر یہ دل ابھی قائل نہیں ہے

ان کے دل و ضمیر کی آواز ہو یا نہ ہو ان کی فطری شرافت اور منکسر المزاجی کا مظاہرہ ضرور ہے — اور یقیناً یہ قابلِ قدر جذبہ ہے۔

وصال کے بعد کی کیفیت کو کرشن موہن صاحب نے ایک شعر میں اس طرح ادا کیا ہے ؎

بعد وصال آئینے میں دیکھ اپنا شوخ سہاگ ذرا

اس پر فراق صاحب کا شعر یاد آگیا اسے بھی ملاحظہ فرمایئے ؎

زرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

بہرکیف ۲۰x۳۰/۱۶ سائز کے اس مجموعے میں جابجا ایسے اشعار ملتے ہیں جو دل و نگاہ کا دامن تھام لیتے ہیں۔ ۱۶۰ صفحات کے مجموعے کی قیمت پانچ روپے۔ اردو کے عام قارئین کے لئے کچھ زیادہ معلوم ہوتی ہے مگر لاگت کے پیشِ نظر زیادہ نہیں ہے۔

(ظل عباس عباسی)

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں

(بقیہ نئی مطبوعات)

زنانہ درزی خانہ	از رضیہ سلطانہ	قیمت	۲/۵۰	خاتون مشرق، دہلی
شاہی دستر خوان	″	″	۲/۵۰	″

★

(بقیہ ادبی خبریں)

اردو کے ممتاز شاعر جناب آنند نرائن مُلّا نے ۳ جون ۶۰ء کو ایوانِ اردو ادارہ ادبیات اردو، حیدر آباد کا معائنہ فرمایا۔ اس ہفتے جن ممتاز اصحاب نے ایوانِ اردو کا معائنہ کیا ان میں شری کی وی رنگا ریڈی ڈپٹی چیف منسٹر آندھرا پردیش، ایڈیٹر صبح امید بمبئی، ڈاکٹر منیب الرحمٰن اور پاکستان سے آئے کئی علم دوست حضرات قابلِ ذکر ہیں۔

یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ایام عشرہ محرم کی وجہ سے ان حضرات کے خیر مقدم میں کوئی تقریب نہیں کی جا سکی۔

پاکستانی مطبوعات

آئینۂ حقیقت نما	مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	۱۲/-	تاریخ
آنکھ کا نشہ	آغا حشر	۶/-	ڈرامے
انسائیکلوپیڈیا			
تاریخ عالم اوّل	غلام رسول مہر	۱۰/-	تاریخ
" دوم	"	۱۲/-	"
آتش کدہ	جانباز مرزا	۲/۵۰	مجموعۂ کلام
اضافیت	ڈاکٹر رضی الدین صدیقی	۳/-	آئن سٹائن کے نظریئے کی عام فہم تشریح
اقبال اپنے آئینے میں	رئیس احمد جعفری	۷/-	تنقید
اخترستان	اختر شیرانی	۳/-	نظم کا مجموعہ
انسانی تماشا	شفیق الرحمٰن	۴/-	ناول
الحسین	(عمر ابو النصر) شیخ محمد احمد پانی پتی	۲/۵۰	تاریخ
اقبال (قرآن کی روشنی میں)	قاضی محمد ظریف	۶/-	اقبال کے مذہبی خیالات
اقبالؒ عشق رسول	رئیس احمد جعفری	۶/۷۵	"
اقبال ایرانیوں کی نظر میں	ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید عرفانی	۱۰/۵۰	اہلِ ایران کے تاثرات اقبال کے متعلق
امیرِ اندلس	علی اصغر چودھری	۴/-	ناول
المتوکل علی اللہ	ڈاکٹر سید محمد یوسف	-/۴۴	تاریخ
ایران	احمد عزیز ضیا	-/۶۲	"
انتخابِ آتش	سید مرتضیٰ حسین فاضل	۱/۵۰	انتخاب
المرشد الامین	امام غزالیؒ	۶/۵۰	کتاب احیاء علوم الدین کا مکمل خلاصہ
خطوطِ غالب	ڈاکٹر عبادت بریلوی	۲/۲۵	خطوط
انتخاب اصغر	جمیل نقوی	۱/۵۰	انتخاب
[illegible]	اختر شیرانی	-/۵۰	مقالات

امام غزالی کے تعلیمی نظریات	انوار الحسن	۴/-	تعلیم
ایک کہانی ایک پہیلی	سید بشیر حسین	۳/-	افسانے
اندھیرے کے جگنو	شمس آغا	۲/۱۲	افسانہ
اندھیر	سید محمد ایوب بیگم قیصر ایوب	۳/-	ناول
ابوالکلام آزاد	انور عارف	۴/-	خطوط و مضامین
امتیاز	خواجہ ناصر عباس	۳/-	ناول
اسلام کا جمہوری نظام	ڈاکٹر سید علی اسلم	۸/-	تاریخ
ابوبکرؓ اکبر	محمد حسین ہیکل	۱۰/-	سوانح
بازارِ حیات	احمد ندیم قاسمی	۲/-	افسانے
برف باری کی رات	اے حمید	۳/۵۰	ناول
باون گزے	امجد حسن معیدی	۳/-	"
بنت الہوس	اشرف درانی	۴/۵۰	"
بیتے دن	مضطر ہاشمی	۴/-	"
بہار و خزاں	شفق ہزاروی	۲/-	افسانے
بچوں کی نفسیات	ڈاکٹر عبدالرؤف	۴/-	نفسیات
بچوں کی نگہداشت	حسین انور	۳/۵۰	"
بیس سو گیارہ	محمد خالد اختر	۲/۵۰	افسانے
بہترین نظمیں	قیوم نظر	۹	مجموعہ نظم
بدلتے زمانے	مجاہد لکھنوی	۶/۵۰	ناول
بادۂ مشرق	ساغر	۴/۵۰	مجموعہ نظم
پھول اور کانٹے	گوپال متل	-/۵۰	افسانے
پھول بن	شیخ المشائخ	۴/-	قصہ
پامالِ ستم	منشی تیرتھ رام فیروزپوری	۵/-	ناول
پھریری	عظیم بیگ چغتائی	۴/-	مزاحیہ مضامین
پریشان ہونا چھوڑئیے	شاہد حمید	۶/-	نفسیات

تربیتِ جنسی	ڈاکٹر ریاض محمد عسکر	۲/۷۵	جنسیات
تھکے پاؤں	عادل رشید	۱۰/-	ناول
تارو	ہنس راج رہبر	۲/۵۰	؍؍
تلاطم	مخمور جالندھری	۲/۶۲	مجموعۂ کلام
تذکرۂ اہلِ دہلی	سر سید احمد خاں	۲/۷۵	تذکرہ
تعمیرِ حیات	برزوجی فیروز شاہ	۵/۵۰	نفسیات
پردیسی	صابر انجم	۱/۷۵	ناول
پہاڑن	اختر ملیح آبادی	۳/۷۵	؍؍
تھکے پاؤں	عادل رشید	۵/-	؍؍
ترجمانِ اسرار	شیخ عبدالرحمٰن	۳/-	شعری مجموعہ
ترکی دوشیزہ	عبدالکریم عاشق	۲/۵۰	ناول
تاریخ قصائد اردو	الحاج مولوی حافظ سید جلال الدین	۳/-	تاریخ
تافیا	(مترجم) ساحر لدھیانوی	-/۵۰	ایک لڑکی کی سرگذشت
ترا آستاں سلامت	انتصار حسین	۲/-	ناول
تعبیریں	محمد امین مشرفپوری	۳/-	افسانے
تاریک و بدنام گوشے	عابدی جعفر	۷/-	جنسیات
ٹھگوں کے افسانے	بابو شیوبرت لال	۱/۵۰	ناول
جلوے	آغا اشرف	۱/۸۷	افسانے
جواہر لال نہرو	گوپال متل	-/۵۰	
جنوبی یورپ پر عربوں کے حملے	علامہ امیر شکیب ارسلاں	۴/۵۰	تاریخ
جہانِ اقبال	عبدالرحمٰن طارق	۷/۵۰	شعر کا مجموعہ
جھلکے	برق صہبائی	۲/۸۱	افسانے
جیون ساتھی	؟	۲/۶۲	جنسیات
جادو	رحمان مذنب	۵/-	تحقیقی
جھانجر جھنکے	آغا اشرف	۳/-	ناول

جوہرِ اقبال	عبدالرحمٰن طارق	۶/۵۰	شعر کا مجموعہ
جنون و حکمت	جوشؔ	۴/-	ـــ۔۔ـــ
جماعتِ مجاہدین	غلام رسول مہرؔ	۷/-	سوانح حیات
جنسی تقاضے	عابدی جعفر	۵/۵۰	
حیاتِ غالب	ڈ فیروز سنس، شیخ محمد اکرام	۳/۵۰	سوانح حیات
چھبیس سال بعد	امرتہ پریتم۔ گوپال متل	۲/-	شعری مجموعہ
چین و عرب کے تعلقات اور ان کے نتائج	مولوی بدرالدین چینی	۶/-	تاریخ
حشیشین	فاطمہ	۵/-	افسانہ
حرف و حکایت	سند باد جہازی	۱۰/-	انتخاب
خطبات مولانا عبیداللہ سندھی	پروفیسر محمد سرور	۲/۵۰	خطبات اور مقالات
شہر لاہور دیکھو	اے۔ حمید	۳/۵۰	افسانہ
خیبر کی وادیوں میں	عبدالقدیر رشک	۴/-	تاریخ
خود کو بھی موقع دیجئے	کمال احمد رضوی	۴/۵۰	بسلسلہ فن آموزش حیات
سیف اللہ خالد	ابوزیر شبلی	۵/-	سلسلہ تاریخ اور سوانح
خوفناک ملّاح	حسرت شاہجہانپوری	۲/۲۵	جاسوسی
خاتون	انتصار حسین	۳/۵۰	رومانی
خونی تلوار اوّل	تیرتھ رام فیروزی	۵/-	جاسوسی
" دوم	"	۹/-	"
خرابات	عبدالحمید عدم	۳/-	شاعری

(باقی آئندہ)

یہ پاکستانی کتابیں صرف

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ متصل جے جے اسپتال بمبئی ۳

سے مل سکتی ہیں

ادبی خبریں ——— مرتبہ: ظلِ عباس عباسی

تعمیری تعلیم ہندستان کی وزارت محنت کی طرف سے یہاں چھ ہفتوں کا ایک سیمینار "تعمیری تعلیم" کے موضوع پر منعقد ہوا جس میں مزدوروں کی تعلیم سے متعلق اداروں کے ۲۶ استادوں اور منتظمین نے شرکت کی۔

بنگالی مصنف کا انتقال بنگالی زبان کے مشہور مصنف اور صحافی مسٹر سرھندر ناتھ دت ۲۵ جون کو صبح ۵۹ برس کی عمر میں کلکتہ میں انتقال کر گئے۔ آپ نے ۱۹۲۹ء میں رابندر ناتھ ٹیگور کی معیت میں یورپ کا دورہ کیا تھا۔

فرانسیسی شاعر کا انتقال فرانسیسی زبان کے مشہور و معروف شاعر پیرے ایورڈی، گزشتہ ہفتے ستر سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔

ہندستانی کتابوں کی نمائش لینن گراڈ میں ہندستان کی کتابوں اور اخبارات کی ایک نمائش ہو رہی ہے جو ہندستان کے ماضی اور موجودہ دور سے متعلق ہے اور جنگِ آزادی کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

گرنتھ صاحب ہندی میں گرو گرنتھ صاحب کے ہندی ترجمے کی ایک جلد وزیر داخلہ پنڈت پنتھ کو پیش کی گئی ہے، یہ ترجمہ منی ارجن سنگھ نے کیا ہے اور تشریحی حواشی بھی دیئے ہیں ان کا کہنا ہے یہ ہندی میں پہلا ترجمہ ہے۔

ہندستانی کتابوں کی آمد مرکزی وزارت صنعت و تجارت کے اہتمام میں نکلتے ہیں پبلشروں کا ایک جلسہ منعقد کیا جا رہا ہے تاکہ ممالک غیر کو ہندستانی کتابیں برآمد کرنے کے اضافے کے مسئلے پر غور کیا جائے۔ اس وقت ہندستانی کتابوں کی کھپت پاکستان، جاپان، ہانگ کانگ، برما، ملایا، فن لینڈ اور فلی پائن وغیرہ میں سب سے زیادہ ہے۔ گزشتہ سال ہندستان نے ایک کروڑ روپے کی کتابوں کی برآمد کی تھی۔

دس ہزار روپے کے انعامات حکومت ہند کی وزارت تہذیبی امور اور سائنسی تحقیقات نے طے کیا ہے کہ مختلف زبانوں میں معلوماتی اور علمی

انداز کی کتابوں پر جو سائنس کے موضوعات پر لکھی گئی ہوں، دس ہزار روپے کے انعامات تقسیم کئے جائیں یہ انعامات سنہ ۱۹۶۱ء سے دئے جائیں گے اور ہر سال دئے جاتے رہیں گے اور صرف پبلشروں کے لئے مخصوص ہوں گے۔

گاندھی جی کے لطیفے کوشان دلایا) ملایا کے مشہور ادیب ڈاکٹر درائی راجہ سنگھم نے گاندھی جی کے لطیفوں کا ایک مجموعہ مرتب کر لیا ہے جو پانسو صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب اپنی نوعیت کی پہلی کتاب خیال کی جاتی ہے اور موصوف کی تیس سالہ تحقیق و تلاش کا نتیجہ ہے اس کا نام "اسٹڈی آف گاندھین ہیومر" ہے۔

علامہ وحشت کلکتوی کی برسی ۷ر جون سنہ ۱۹۶۱ء کو علامہ رضا علی وحشت کی چوتھی برسی ولکشا انسٹی ٹیوٹ میں منائی گئی۔ قرآن خوانی، جلسہ اور مشاعرہ بھی ہوا۔

روسی ادیب روس کے مشہور ادیب میکائیل شولوخوف کو امسال ادب کے لئے لینن پرائز دیا گیا اس ادیب نے اپنا انعام دریائے ڈان پر واقع ایک اسکول کی تعلیم کے لئے اپنی طرف سے عطیہ کے طور پر دے دیا۔

کالی داس ہندستان کے محکمۂ ڈاک و تار کی جانب سے دو خصوصی ٹکٹ کالی داس کے اعزاز میں چھپ رہے ہیں جن میں کالی داس کے دو عظیم شاہکار میگھ دوت اور شکنتلا کے متعدد منظر پیش کئے گئے ہیں۔

سنسکرت کہانیاں روسی زبان میں سنسکرت کی قدیم کتاب سکا ساپتائی (طوطوں کی ۷۰ کہانیاں) پہلی بار روسی زبان میں شائع ہو رہی ہیں۔ یہ ترجمہ سنسکرت کے روسی عالم مسٹر میکائل شرپا دلیف نے براہ راست سنسکرت سے کیا ہے۔

انڈیا آفس لائبریری انڈیا آفس لائبریری کی کتابوں کے مسئلہ پر ہندستان کے وزیر سائنس اور مسٹر ہمایوں کبیر نے برطانیہ کے لارڈ ہوم سے بات چیت کی مگر یہ گفتگو نتیجہ خیز ثابت نہ ہو سکی۔

تفسیر ابن کثیر علامہ ابن کثیر کی قرآن شریف کی شہرۂ آفاق عربی تفسیر "تفسیر ابن کثیر" کو مکتبہ فیض القرآن دیوبند یوپی اپنے اردو ترجمے کے ساتھ چھاپنا شروع کر دیا ہے اور دس پاروں کی طباعت مکمل ہو چکی ہے۔

اردو میں نیا تجربہ اردو کتابوں کے پبلشروں نے امریکی پاکٹ سیریز کے طرز پر اردو کتابوں کو چھاپنے کا جو تجربہ شروع کیا ہے وہ بہت کامیاب ثابت ہو رہا ہے اور کئی پبلشروں نے ایک ایک روپے کی قیمت کے سیٹ چھاپنے شروع کر دیئے ہیں۔ اقبال، جوش اور حفیظ کے ساتھ میر، غالب، داغ، ذوق اور دوسرے شعرا کے مجموعے اور انتخاب بھی چھپ رہے ہیں۔

مخزنِ حکمت ڈاکٹر غلام جیلانی کی مشہور کتاب 'مخزنِ حکمت' کا نیا ایڈیشن بھی مارکیٹ میں آگیا ہے۔ یہ کتاب ڈیڑھ ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے اور بہت دنوں سے نایاب تھی۔ اب دونوں حصے بہ آسانی مل سکتے ہیں۔

جوان مرگ ہندی کے نوجوان ادیب جگندر پانڈے بعمر ۲۵ سال بجلی کے ایک جھٹکے سے انتقال کر گئے، وہ ایک پبلشنگ فرم میں ملازم تھے بجلی کے پنکھے کو ہاتھ لگانے سے یہ حادثہ پیش آیا۔

ہندستانی مصوّر کی تصویر

ہندستانی مصوّر مسٹر نند لال بوس کی بنائی ہوئی ایک تصویر لینن گراڈ کے ہرمیٹیج میوزیم کو پیش کی گئی ہے۔ یہ تصویر ہندستان کے وزیر ثقافتی امور مسٹر ہمایوں کبیر نے روس کے وزیر ثقافتی امور مسٹر منچا ئیلوف کو ان کے دورۂ ہندستان کے وقت پیش کی تھی۔ مسٹر بوس کی تصویریں کلکتہ میوزیم کے سوا دُنیا کے کسی اور میوزیم میں نہیں ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر دیکھیے)

زیرِ طبع کتابیں

دیارِ سحر	(نظم)	علی جواد زیدی	حالی پبلشنگ ہاؤس، دہلی
لندن کی ایک رات	(ناول)	سجاد ظہیر	آزاد کتاب گھر، دہلی
چوٹیں	(افسانے)	عصمت چغتائی	”
میزانِ سخن	(شاعری)	علامہ اخلاق دہلوی	مکتبۂ انجمن ترقی اردو ”
پروفیسر بدھو	(ناول)	فکرؔ تونسوی	مکتبہ شاہراہ، دہلی
انتخاب اودھ پنچ			کتابی دنیا، لکھنؤ

سالانہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ جامعئ دہلی	فی پرچہ ۱۰ نئے پیسے

سید احمد قسلی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دلّی سے چھپوا کر دفتر کتاب نما جامعہ نگر نئی دہلی سے شایع کیا

کشمیر پر حملہ

از

کرشنا مہتا

"کشمیر پر حملہ" مصنف کا اپنا ہی المیہ نہیں بلکہ ایک قوم، ایک تہذیب و ثقافت
کا المیہ ہے۔ ایک بربریت کی داستان ہے جو بیرون سے آکر کشمیر پر ٹوٹ پڑا
کی یلغار ہے۔ ایک ناٹک ہے جو کشمیر کی وادی میں [illegible]
[illegible] کھیلا گیا۔

قیمت ــــــــــــــ

دو روپیہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

بڑدادا کی کہانی

پروفیسر محمد عبدالغفور

اِس کتاب میں چار دلچسپ معلوماتی کہانیاں ہیں۔
جن میں ہندستان کی سینکڑوں برس کی کہانی "برڑ" کے ایک
بوڑھے درخت کی زبانی کہلوائی گئی ہے۔ یہ معلوماتی کتاب
بچّوں اور بڑوں دونوں کے لئے یکساں طور پر دلچسپ ہے۔

قیمت: پچاس نئے پیسے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

مدیر	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	نگراں
ریحان احمد عباسی		غلام ربّانی تاباں
شمارہ نمبر ۳	اگست سنہ ۱۹۶۰ء	جلد نمبر ۱

اشاریہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کے قیام کو اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء میں چالیس سال ہو جائیں گے اس مہینہ کی انتیسویں تاریخ کو اس علمی ادارے کا قیام علی گڑھ میں عمل میں آیا تھا۔ چنانچہ ہر سال اس تاریخ کو یومِ تاسیس منایا جاتا ہے۔ امسال یومِ تاسیس کے موقع پر اس کی چالیسویں سالگرہ کا جشن بھی منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ تقریب سعید کی تیاریاں اعلیٰ پیمانے پر شروع کر دی گئی ہیں اور یہ یقین کرنے کے وجوہ ہیں کہ جامعہ کی روایات کے مطابق یہ جلسہ بھی اپنی مثال آپ ہوگا۔ اسی موقع پر جامعہ کے کتبخانے (لائبریری) کی عمارت کا سنگِ بنیاد بھی رکھا جائے گا۔

جناب شیخ الجامعہ اس تقریب پر جامعہ کی چہل سالہ تعلیمی خدمات سے ملک کو باخبر کرنے کے ساتھ ادارہ کے تعلیمی منصوبوں اور عزائم سے بھی آگاہ فرمائیں گے۔ جامعہ کے تعلیمی کاموں کی نمائش بھی ہوگی، اور حسبِ سابق جامعہ کے سالانہ تعلیمی میلے میں تعلیمی اور تہذیبی پروگرام گذشتہ سالوں کے مقابلے میں زیادہ وسیع اور اعلیٰ پیمانے پر کئے جانے کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔

اس موقع پر جامعہ کالج اور رورل انسٹی ٹیوٹ کے طلباء ایک رسالہ شائع کر رہے ہیں جسے جامعہ کی روایات کے مطابق ایک معیاری مجلّہ بنانے کی کوشش کی جائے گی۔

یوں تو ہر سال مکتبہ جامعہ میلے کے مواقع پر اپنی مطبوعات کی نمائش کرتا رہا ہے۔ امسال ہم یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اپنی مطبوعات کی نمائش کے ساتھ اپنے دس سالہ کام اور آیندہ کے منصوبوں کی نمائش کر سکیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اس موقع پر کچھ اچھے لکھنے والوں اور ان کے پڑھنے والوں کو یکجا کیا جا سکے تاکہ ان میں ایک قریبی ربط پیدا ہو اور انھیں اس کا موقع دیا جائے کہ وہ ایک دوسرے پر اپنا اپنا نقطۂ نظر واضح کر سکیں۔

کوائفِ جامعہ

رسالہ جامعہ کا دوبارہ اجراء رسالہ جامعہ ۴۷ء کے ہنگامے میں بند ہو گیا اور اس کے بعد جاری نہ ہو سکا۔ کچھ عرصے سے اس کو دوبارہ جاری کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ اب ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ اس کو دوبارہ جاری کیا جا سکے۔ یہ رسالہ فی الحال سہ ماہی ہوگا، مگر جونہی حالات کچھ اور بہتر ہوں گے اس کو ماہوار کر دیا جائے گا۔ طے پایا ہے کہ اس کا پہلا پرچہ جامعہ کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر شائع کیا جائے۔

اساتذۂ جامعہ کی ادبی مصروفیات پروفیسر محمد مجیب نے دنیا کی تاریخ پر انگریزی میں ایک کتاب لکھی ہے۔ جو جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔ آپ ایک اور کتاب ہندوستانی مسلمانوں پر انگریزی میں تصنیف کر رہے ہیں۔ یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہوگی اور اس میں ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیبی، علمی اور فنی خدمات پر سیر حاصل بحث ہوگی۔ پروفیسر محمد مجیب نے ساہتیہ اکیڈمی کی فرمائش پر ٹیگور کے تین ڈراموں کے ترجمے بھی کئے ہیں، جو ٹیگور کی اگلی برسی کے موقع پر شائع کئے جائیں گے۔

● ۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب نے ابھی حال میں ٹیگور کے ایک ناول کا ترجمہ مکمل کیا ہے۔ اب آپ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب کے سردار میموریل لکچرز کا ترجمہ کر رہے ہیں۔

● ۔ جامعہ کالج کے پرنسپل ضیاء الحسن فاروقی نے "دیوبند اور مطالبۂ پاکستان" کے عنوان سے میک گل یونیورسٹی (کناڈا) میں ایم، اے کی ڈگری کے لئے تھیسس (مقالہ) لکھا تھا۔ اب یہ ایشیا پبلشنگ (بمبئی) سے شائع ہو رہا ہے

● ۔ عبداللطیف اعظمی پنڈت جواہر لال کے آزاد میموریل لکچرز 'ہندوستان —— حال، مستقبل' کا ترجمہ نیشنل بک ٹرسٹ کی فرمائش پر کر رہے ہیں۔

بقیہ ص ۳۲

اردو مجلس میں ابراہیم جلیس کا خیر مقدم حیدرآباد۔ مشہور طنز نگار جناب ابراہیم جلیس نے ۳۱ جولائی کو "اردو مجلس" کے ماہانہ اجلاس میں "کراچی سے ہانگ کانگ تک" کے زیر عنوان ایک طنزیہ رپورتاژ سنا کر سیکڑوں اردو داں حضرات سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔ اس اجلاس کی صدارت رائے جانکی پرشاد صاحب نے کی۔

سیّد محمد تقی

آزاد تہذیبِ کہن کا عکّاس

انیسویں صدی کے آخری پچاس سال اردو ادب کے نئے رجحانات کے ابھرنے کا عہد ہے۔ اردو زبان تاریخی طور پر اس تہذیبی ورثہ کا جزو ہے جو ہندوستان میں اسلامی ثقافت اور مقامی ہند آریائی آمیزش سے وجود میں آیا تھا۔ دہلی اس تہذیب کا مرکزی نقطہ تھی۔ اٹھارہویں صدی کے پہلے نصف حصّہ میں دہلی کی مرکزیت ٹوٹنے کے ساتھ وہ تہذیب دم توڑنے لگی جسے مغل عہد کے طبقۂ وسطیٰ نے بڑے چاؤ سے پروان چڑھایا تھا اور اس کے بعد آنے والی تقریباً ایک صدی اس شدید جدوجہد کی داستان ہے جو مٹتی ہوئی مقامی تہذیب نے اپنا اقتدار بچانے کے لئے کی تھی۔ تہذیبیں زندہ رہنے کے لئے زبانوں کو سپر بناتی ہیں۔ ہند آریائی تہذیب کی سپر اردو تھی جس کی آڑ لیکر ماضی کے تہذیبی ورثوں کو بچایا جاتا تھا۔ انیسویں صدی میں یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو گئی جسے ۱۸۵۷ء کی آخری شکست نے فیصلہ کن طور پر ظاہر کر دیا کہ اقتدار کی جنگ ناکامی پر ختم ہو گئی ہے۔ اس تلخ احساس نے مسلم تہذیب کی تخلیقی صلاحیتوں کو پوری طرح آزاد کر دیا اور نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی میں اردو کے وہ شاہکار تخلیق کئے گئے جن کی وجہ سے یہ صدی اردو کا کلاسیکی دور کہلانے کی مستحق بن گئی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کا ادب اردو کے اُس کلاسیکی دور کے ادب میں شامل ہے۔ انیسویں صدی کے آخری حصّہ کے بیشتر بڑے ادبا سرسیّد کے اسکول سے وابستہ رہے ہیں لیکن مولانا محمد حسین آزاد ان چند اکابر میں شامل ہیں جنھیں سرسیّد اسکول سے الگ رہ کر بھی اردو کے جدید ادبی رجحانات کے ایک ایسے بلند مینارہ کی حیثیت حاصل ہے جو ایک راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ آزاد کا ادب تہذیبی رجحانات کے اعتبار سے مغل عہد کے ماضی میں زندہ رہتا، ابھرتا اور پرورش پاتا ہے۔ اور لسانی پیرایۂ اظہار کے اعتبار سے جدید اردو کے شاہکاروں میں شامل ہے۔ آزاد اردو کے پہلے ادیب ہیں جنھوں نے غیر مذہبی انداز میں ماضی کی تہذیبی تاریخ یعنی سترہویں، اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے شمالی ہند کی تہذیب کے

جائزے پیش کیے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ "آب حیات" اور "دربار اکبری" شمالی ہند کی مسلمان تہذیب کے متعلق اردو میں اولین جائزے ہیں۔ ان سے پہلے اردو میں تہذیبی اور ثقافتی زندگی کو اس انداز سے زیر بحث لانے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ ان کتابوں کا تاریخی درجہ کیا ہے؟ یہ سوال چنداں بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ ان کی اصلی اہمیت یہ ہے کہ ان میں ماضی کے ادبی و سیاسی کرداروں کو کس انداز سے متعارف کرایا گیا ہے۔ ہمارا اردو ادب کو جو لسانی ماحول اور تحریری نضادی گئی ہے وہ اسلوب کے ارتقائی عمل میں کس درجہ پر آتی ہیں۔ ادب کے تمام بڑے شاہکار ہمیشہ اس عہد میں لکھے گئے ہیں جن میں تاریخ کسی بہت بڑے موڑ پر پہنچی ہے۔ دائمی اہمیت کے علمی کارنامے اس وقت پایۂ تکمیل کو پہنچے ہیں جب تاریخ پُرسکون دور سے گذر رہی ہے۔ انیسویں صدی میں برصغیر کی تاریخ بڑے عظیم تہذیبی موڑ سے گذر رہی تھی۔ اس عہد میں اردو کے جن شاہکاروں نے جنم لیا اُن میں آزاد کے کئی ادب پارے بھی شامل ہیں۔ ایسے شاہکاروں کے خالق کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ اُس فرض اور ذمہ داری کو بھی جانتا ہو۔ جس کا تاریخ تقاضا کرتی ہے یا اُس کے سپرد کرتی ہے۔ تہذیب اپنے بہاؤ میں ان ذہنوں کو استعمال کرتی ہو جو متعلقہ معاشرہ کی عام سطح سے اُبھر کر سامنے آتے ہیں، اگرچہ خود ان ذہنوں کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ تاریخ کے کس فرض کو انجام دے رہے ہیں اور وہ کیا ذمہ داری ہے جو تاریخ اُن سے پورا کرانا چاہتی ہے۔ ایسے ذہن انسانی تاریخ نے بہت کم پیدا کئے ہیں جنھیں اس کام کا بھی اندیشہ ہو جو تاریخی بہاؤ میں انھیں انجام دینا ہوتا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد سے شمالی ہند کا تمدن اپنے تہذیبی ورثوں کو بچانے کا کام لینا چاہتا تھا۔ ان کے تخلیقی ادب کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اس فرض کو بڑی خوبی سے انجام دیا ہے۔ ہومر ایک شخص کا نام ہو یا اس نام کے کئی اشخاص گذرے ہوں، بہر حال "ایلیڈ" اور "اوڈیسی" ایسے شاہکار ہیں جنھوں نے یونان کے قبائلی کلچر کی دم توڑتی ہوئی روایتوں کو بچا کر یونان کے قدیم خانہ بدوش تمدن کو بالکل ہی نابود ہونے سے بچا لیا۔ دانتے کی "ڈیوائن کامیڈی" بھی قرون وسطیٰ کے مرتے ہوئے تمدن کو بچانے کی کامیاب کوشش ہے۔ اسی طرح فردوسی کا "شاہنامہ" اس بات کا اعتراف تھا کہ ساسانی کلچر عرب تمدن سے شکست کھا چکا ہے اور اب اسے تحریری زندگی کے ذریعہ عدم محض میں جانے سے بچایا جا سکتا ہے۔ توراتِ سُمیری کلچر کی موت کا اعتراف اور رِدیدِ وسطِ ایشیا کی خانہ بدوشانہ تمدن کی یادوں کو بچانے کی شاندار کوششیں تھیں۔ اس طرح انیسویں صدی کے اردو ادبی شہ پارے بھی ٹوٹتے ہوئے مغل تمدن کو تحریری زندگی عطا کرنے کی کامیاب کوشش تھے۔ اس کوشش میں آزاد کا مقام مرکزی اہمیت کا حامل ہے۔

انھوں نے اردو ادب کو جو نئی راہیں دکھائی ہیں اُن کی اہمیت مستقبل کے ادبی رجحانوں کے دیکھنے کے بعد نمایاں ہوئی لیکن ان کے ادب کے مفاہیم جن تجربوں سے حاصل ہوئے تھے وہ یا تو ماضی میں گم ہو چکے تھے یا آہستہ آہستہ گم ہو رہے تھے خود ان کا اسلوبِ نگارش اور طرزِ بیان، جس کے بہترین نمونے "آبِ حیات" اور "دربارِ اکبری" میں ملتے ہیں۔ اپنی اساس میں عرب ایرانی لسانی روایات سے ماخوذ تھے جنھیں ان کے قومی ذہن نے شمالی ہند کے ان معزز مسلم گھرانوں کے مزاج سے ہم آہنگ بنا دیا تھا جو منصف ثانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ آزاد کے اسلوبِ نگارش کی خوبی، پختگی اور امتیاز یہی ہے کہ اس میں قدیم ادبی روایات کو زندگی کے نئے تقاضوں سے ہم آہنگ بنانے میں کامیابی حاصل کی گئی ہے۔ قدیم طرزِ بیان تو سب ہی کو ورثہ میں ملا تھا جسے جوں کا توں استعمال کر لینا کسی ذہنی کاوش کا متقاضی نہ تھا۔ اسی نوع کے لسانیاتی موڑ پر ادیب کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ ماضی کی بہترین ادبی روایتوں کو حیاتِ نو کے ادبی تقاضوں سے ہم آہنگ بنا دے۔ آزاد کے یہاں یہ امتزاج پورے کمال کے ساتھ ملتا ہے۔ اس لئے اُن کا ادبی ورثہ اردو کے کلاسیکی سرمایہ میں شامل ہو چکا ہے۔ آزاد کے لئے یہ ممکن نہ تھا، اور نہ کسی فرد کے لئے ممکن ہے کہ وہ اپنے سارے ماضی کو محو کر دے اور مستقبل کی ایسی گنگا بہانی شروع کر دے جس کی موجیں صرف حال کی زندگی پر مشتمل ہوں اور اس میں ماضی کا کوئی عنصر شامل نہ ہو۔ ہر جوہرِ قابل ماضی کے دھارے کا رُخ موڑتا ہے، پیدا نہیں کیا کرتا۔ اس کی اہمیت اس بات میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ ماضی کے بہاؤ کو کتنے شعوری انداز میں کس حد تک بدلتا ہے۔ آزاد کی ادبی عظمت یہی ہے کہ اُنھوں نے اردو ادب کو ایک نئے رُخ پر ڈال دیا جس نے اردو کے ادبی انقلاب میں سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر لی۔ اس طرح انھوں نے وہ دونوں کام کئے جو ایک بڑے ادیب کو کرنے چاہئیں۔ ماضی کے تہذیبی و ثقافتی ورثے اور ادبی روایتوں کو بچانے کے ساتھ ساتھ حال اور مستقبل کے ادبی رجحانات کو زندگی کے متغیر تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا۔ ان کے ادب کی یہی خوبی ہے جو اُن کی تخلیقات کو زندہ رکھنے اور انھیں نئے عہد کا پیغامبر بنانے کا سبب بنی ہے اور یہی خصوصیت انھیں اور ان کے ادب کو "بقائے دوام" کے دربار میں ایک ممیز حیثیت عطا کئے رکھے گی۔

(بشکریہ ماہِ نو کراچی)

مسعود اختر جمال

اے مرے دل

اے مرے دل ترے خیال کی رو — چاند کا نور۔ آفتاب کی ضو
محویت میں نماز کی جیسے — عالمِ وجد کا حسیں پرتو
آرتی کے سمے۔ مدھر لَے پر — رقص کرتے ہوئے چراغ کی لَو
جذبِ مستی میں بانکپن تیرا — روکشِ صد بہارِ عالمِ نو
تجھ سے اذنِ خرام لیتی ہے — مدوجزرِ حیات کی تگ ودو

ہو اجازت تو التماس کروں
تجھ کو دنیا سے روشناس کروں

یوں ہے تیرے جنوں کا نظارہ — جیسے دریا کا تیز رو دھارا
کائناتِ خیال کا محور — زندگی کا حسین گہوارا
جوششِ آرزو کے دامن میں — اک اُبلتے لہو کا فوارا
وصل کی رات کیفِ جاں بنکر — اک مچلتا ہوا سبک پارا
ہجر کی رات آبلہ بن کر — اک دہکتا ہوا سا انگارا

اے مرے دل یہ سوز و ساز ترا
یہ جہانِ فسوں طراز ترا

رقصِ جامِ شراب کا عالم — حسنِ زیرِ نقاب کا عالم
جیسے محصور آب گینے میں — برق کے اضطراب کا عالم
سینۂ بحر کے تموّج میں — جلوۂ ماہتاب کا عالم
مسکراتی ہوئی بہاروں میں — آرزوئے شباب کا عالم
جگمگاتے ہوئے ستاروں میں — پرفشاں جیسے خواب کا عالم

جس طرف بھی نگاہ کی میں نے
تیری تصویر کھینچ لی میں نے

عرصۂ جنگ میں تجھے دیکھا   پردۂ چنگ میں تجھے دیکھا
شورِ ناقوس ہو کہ لحنِ اذاں   ایک آہنگ میں تجھے دیکھا
میکدے سے نگار خانوں تک   میں نے ہر رنگ میں تجھے دیکھا
بارِ کونین کا اٹھائے ہوئے   سینۂ تنگ میں تجھے دیکھا
قطبِ گردوں کے ساز پر رقصاں   ہفت اورنگ میں تجھے دیکھا

اے مرے دل عجب ہے شان تیری
میں نے دیکھی ہر ایک آن تیری

خود ہی تو شمع خود ہی پروانہ   خود حقیقت ہے خود ہی افسانہ
تو نے جس کو تڑپ کے تڑپایا   ہو گیا وہ ترا ہی دیوانہ
اے کہ سینہ بہ سینہ علم ترا   جاوداں ہے ترا صنم خانہ
کیف تیرا کنول میں ہونٹوں کے   مدھ بھری آنکھ تیرا میخانہ
تیری محفل میں یہ سوال نہیں   کون اپنا ہے کون بیگانہ

سارا عالم تری پناہ میں ہے
عرشِ اعظم تری نگاہ میں ہے

تو جدا ہے تو در بدر جاؤں   جادۂ ہوش سے گذر جاؤں
تو چلے تو جہاں کے ساتھ چلوں   تو جو ٹھہرے تو میں ٹھہر جاؤں
بے خبر تجھ سے ہو کے میں گذروں   یا ترے غم سے بے خبر جاؤں
تو کہے تو فسانۂ ہستی   اِک نفس میں تمام کر جاؤں
اِس طرف خلد اُس طرف دوزخ   میں اِدھر جاؤں یا اُدھر جاؤں
اِک طرف نور اِک طرف ظلمت   بول جاؤں تو میں کدھر جاؤں
عشرتِ جام یا غمِ دوراں   بول زندہ رہوں کہ مر جاؤں

بول پیارے کہ مدعا کیا ہے
آخر اِس درد کی دوا کیا ہے

(بشکریہ سنگم جموں)

نئے شعری مجموعے

تابشِ سہیل	اقبال سہیل	پانچ روپے
کفر و ایمان	پنڈت ہری چند اختر	چار روپے
گل و نغمہ	فراق گورکھپوری	چھ روپے پچاس نئے پیسے
کلیاتِ حالی	حالی	پانچ روپے
عکسِ جام	عبد الحمید عدم	تین روپے پچاس نئے پیسے
سنگم	نرش کمار شاد	تین روپے
دو جام (رباعیات عمر خیام کا منظوم ترجمہ)	مترجم عدم	تین روپے
گفتنی	مخمور سعیدی	دو روپے
غزل (مع اضافہ)	مجروح سلطان پوری	تین روپے پچاس نئے پیسے
گلبن	صفدر آہ	ایک روپیہ پچاس نئے پیسے
شبنم شبنم	کرشن موہن	پانچ روپے
آہنگ غزل	پورن سنگھ ہنر	تین روپے
گنگ و جمن	نذیر بنارسی	چار روپے پچاس نئے پیسے
صدائے دل	ساحر ہوشیار پوری	تین روپے
مضرابِ غم (مصور ایڈیشن)	یحییٰ بھائی جیدن والا	دس روپے

ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

پرنسس بلڈنگ متصل جے جے اسپتال بمبئی ۳ — اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

پنڈت جواہر لال نہرو کی مشہور کتاب

A Bunch of Old Letters

کا

اردو ترجمہ دو حصوں میں

——— مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی شائع کر رہا ہے۔
——— ترجمہ مولانا عبدالمجید الحریری صاحب نے کیا ہے۔
پہلے حصے کی ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات اور قیمت نو روپے ہوگی۔
——— پہلا حصہ اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء تک منظرِ عام پر آجائے گا۔

جو صاحب

پانچ روپے پیشگی بھیجکر اپنا آرڈر بک کرا لیں گے اُن سے ڈاک و پیکنگ خرچ جو تقریباً دو روپے ہوگا نہیں لیا جائے گا۔

پیشگی رقم :-

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر ——————— نئی دہلی

کو بھیجئے

کرشن چندر

سمجھوتہ

واسنت مراٹھے کی شادی شاردا دیسائی سے ہوئی تھی۔ شاردا گجراتن تھی۔ اور واسنت مراٹھا تھا۔ اور یہ شادی کبھی نہ ہوتی۔ اگر واسنت کے باپ رام مراٹھے کا جمبور میں لالٹین بنانے کا کارخانہ نہ ہوتا۔ اور اُس کے کارخانے کے قریب شاردا کا باپ مگن لال دیسائی اپنا کانچ کا کارخانہ کھڑا نہ کرتا۔ رام مراٹھے کے کارخانے میں لالٹین بنانے کا سارا سامان تیار ہوتا تھا سوائے کانچ کے ہنڈے کے۔ اور یہ ہنڈے دیسائی گلاس ورکس سے آتا تھا۔ اس لئے واسنت اور شاردا کی شادی کیا ہوئی گویا گھر کی لالٹین مکمل ہو گئی!

واسنت ناٹے قد کا گٹھے ہوئے جسم کا نوجوان تھا۔ اور دور سے بالکل اپنے کارخانے کی لالٹین کی طرح مضبوط۔ چوڑا اور سانولا نظر آتا تھا۔ شاردا گورے رنگ کی لانبے قد کی بڑی بڑی آنکھوں والی نازک بدن کانچ کی گڑیا سی دکھائی دیتی تھی۔ شادی کے بعد دونوں کو ایک دوسرے سے محبت ہو گئی۔ کیونکہ ہندوستان میں شادی پہلے ہوتی ہے۔ محبت بعد میں ہوتی ہے۔ یورپ میں محبت پہلے ہوتی ہے۔ شادی بعد میں ہوتی ہے۔ بچہ دونوں صورتوں میں پیدا ہوتا ہے!

واسنت اور شاردا کے دو بچے تھے للکشمن اور کملا۔ للکشمن چھ سال کا تھا۔ کملا چار سال کی تھی۔ دونوں میاں بیوی بڑے مزے میں اپنے بچوں کے ساتھ چار بیڈ روم کے ایک فلیٹ میں رہتے تھے۔ جس کا نام لالٹین نواس تھا۔ یہ فلیٹ مگن لال ڈیسائی نے اپنی بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔

جس دن للکشمن پیدا ہوا۔ اُس دن اُس کے دادا رام مراٹھے نے اپنے پوتے کے پیدا ہونے کی خوشی میں لالٹینوں کے ساتھ ساتھ لوہے کے ڈرم بنانے کا کارخانہ بھی چالو کر دیا۔ پھر جس دن شاردا کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی۔ اس دن لڑکی کے نانا نے کانچ کے برتنوں کے ساتھ ساتھ تھرمامیٹر بنانے کا کارخانہ بھی شروع کر دیا۔ اور مگن لال دیسائی نے اپنے کارخانے کا سب سے پہلا بیرومیٹر

واسنت اور شاردا کے گھر میں لگا دیا۔ تاکہ دونوں میاں بیوی کو لڑائی کے سمے ایک دوسرے کے ٹمپریچر کا اندازہ ہوتا رہے!

شادی شدہ زندگی کے سات سال بڑے مزے میں کٹ گئے پھر جس دن رنگا ریڈی نے صابن بنانے کا کارخانہ۔ سائین میں چالو کیا۔ اور سردار جانن سنگھ نے دادر میں دی گریٹ مون شائن فلم کمپنی کا مہورت کیا۔ اس دن بمبئی میں ایک طوفان اٹھا۔ ہنگامہ ہوا۔ گولی چلی۔ ٹراموں پر پتھراؤ ہوا۔ سینکڑوں لوگ زخمی ہوئے۔ اور دوسرے دن اخبار دیکھ کر واسنت کی آنکھیں غصے سے لال ہو گئیں۔ اور اُس نے اخبار کو زور سے ناشتے کی میز پہ پٹخ دیا۔ اور بولا۔

"چھ"؟

"سوں چھے"؟ شاردا بولی۔

واسنت نے کہا۔ "یہ اخبار بولتا ہے۔ کہ بمبئی اکیلے مراہٹوں کی نہیں ہے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ بمبئی ہماری ہے۔ ہمیشہ ہماری رہے گی! ہم مراہٹوں کی"! شاردا نرمی سے بولی۔" ہاں ہاں تمھاری ہے۔ ٹھیک تمھاری ہے لیکن وہ ہماری بھی تو ہے! ہم گجراتیوں کی"!

"واہ! بمبئی تمھاری کیسی ہو گئی؟۔ بمبئی تو مراہٹوں کی ہے!"

"نہیں وہ گجراتیوں کی ہے!" شاردا اذرا غصے سے بولی — "یہ سارا ہم نے بنایا ہے۔ اس کا بزنس ہم نے چلایا ہے۔ اس کا کارخانہ ہم نے لگایا ہے۔ . . . . تم کدھر سے حق جتانے لگے۔ ہماری بمبئی پر؟"

"شہر تم نے بنایا ہے؟ — لیکن اس شہر کو بڑھایا کس نے ہے؟ — بزنس ضرور تم نے چلایا ہے۔ لیکن اس بزنس کو پھیلایا کس نے ہے؟ کارخانہ تم نے لگایا ہے۔ لیکن کارخانے میں کام کون کرتا ہے؟ — ہمارے مہاراشٹر کا مزدور! سمجھیں؟ — بمبئی آمچی آہے! —"

واسنت نے املیٹ کو چھری سے کاٹتے ہوئے کہا۔

"نا! بمبئی اماری چھے!" شاردا اوچھل کر ٹیبل کلاس پہ نمک چھڑک کر بولی!

"تمی گدی کھوٹا بولتا!"

"تمے جے کہو چھے تے جھوٹھو چھے۔ شدن جھوٹھو چھے!!"

"بمبئی آمچی آہے"!

"نا۔ اماری چھے!"

واسنت نے چائے کا چمچہ زور سے میز پر پٹخ دیا۔ شاردا نے چھری کانٹے پلیٹ میں پھینک دیئے۔ دونوں ناشتے کی میز سے اُٹھ کر اپنے اپنے کمروں میں جا کر بند ہو گئے۔ بچے سہم کر سسکنے لگے۔

جب اس جھگڑے کی خبر مگن لال دیسائی اور رام مراٹھے تک پہنچی تو دونوں بوڑھے نوجوان میاں بیوی کی حماقت پر بڑے ہنسے۔ رام مراٹھے نے مسکرا کر کہا۔

"مگن بھائی۔ ہمارے بچے بھی کس قدر بھولے ہیں۔ نہیں جانتے کہ مہاراشٹر بن جائے چاہے گجرات الگ ہو جائے۔ مگر گجراتیوں کو مراہٹوں کی ضرورت رہے گی اور مراہٹوں کو گجراتیوں کی!"

"ہاں! جیسے تمہاری لالٹین کو میرے کانچ کے ہنڈے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور میرے کانچ کے ہنڈے کو تمہاری لالٹین کی!" مگن لال دیسائی نے ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"بالکل!" رام مراٹھا سر ہلا کر بولا۔

"تو چلو۔ چل کر ان دونوں بیوقوفوں کو سمجھائیں!" مگن لال دیسائی نے تجویز پیش کی۔ اور دونوں بزرگ اسی وقت اپنی اپنی آرام کرسیوں سے اٹھے اور موٹر میں بیٹھ کر لالٹین فواس پہنچے۔ اور وہاں جا کر واسنت اور شاردا کو سامنے بٹھا کر سمجھانے لگے۔

واسنت کے باپ نے اپنے بیٹے کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔ "شرم نہیں آتی۔ میری بہو کو تنگ کرتا ہے؟" مگن بھائی نے شاردا سے کہا۔ "نالائق! اپنے پتی سے جھگڑا کرتی ہے؟"

"میں تو جھگڑا نہیں کرتی پتاجی!" شاردا سسکتے ہوئے بولی۔ "یہی جھگڑا کرتے ہیں۔ بولتے ہیں۔ تم گجراتی لوگ بڑے خراب لوگ ہوتے ہو۔ ہمیشہ ہم مراہٹوں کا حق مارتے ہو؟"

"ایسا؟" مگن لال دیسائی چونکا ہو کر واسنت کی طرف دیکھنے لگا۔

واسنت نے سر جھکا کر اپنے باپ سے کہا۔ "پتاجی۔ شاردا کہتی ہے۔ کہ آکھا بمبئی گجراتی لوگوں نے بنایا ہے۔ اور اس شہر کا سارا بزنس اس کا سارا دھندا گجراتی لوگ چلاتے ہیں۔ شاردا بولتی ہے۔ کہ ہم گجراتی لوگ نہ ہوں تو مراٹھے بھوکے مر جائیں؟"

"ایسا؟" رام مراٹھے نے گھور کر شاردا کی طرف دیکھا۔ اور گرج کر پوچھا۔ "کیا تم نے ایسا کہا تھا؟" اور یہ کہتے کہتے رام مراٹھے غصے سے کھڑا ہو گیا۔ پیشتر اس کے کہ شاردا کوئی جواب دیتی، اس کے باپ نے اُسے پیچھے دھکیل دیا اور خود رام مراٹھے کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا۔ "اگر میری بیٹی نے نہیں بھی کہا۔ تو میں اب کہتا ہوں۔ کہ اس نے کہا ہے۔ اور جو اُس نے کہا ہے وہ بالکل

ٹھیک کہا ہے!“

رام مراٹھے دانت پیس کر آگے بڑھا۔ اور بولا ”اگر تمھاری بیٹی نے ٹھیک کہا ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ میرے بیٹے نے بھی جو کہا ہے۔ وہ بھی بالکل ٹھیک کہا ہے۔ سو فی صدی ٹھیک کہا ہے۔ بمبئی آمچی آہے!“

”بمبئی اماری چھے!“ مگن لال دیسائی نے چلّا کر کہا۔ اور شاردا کا ہاتھ پکڑ کر غصّے سے بولا: ”چل بیٹی اپنے گھر چل۔ ہم کوئی ایسے گرے پڑے نہیں ہیں کہ تجھے پناہ نہ دے سکیں!“

”جاتے ہو تو جاؤ۔“ رام مراٹھے اپنی چھڑی ہوا میں گھما کر بولا۔ ”مگر کہے دیتا ہوں۔ دوبارہ اس گھر میں گھسے تو ٹانگیں توڑ دوں گا!“

”بڑے آئے ٹانگیں توڑنے والے۔ جیسے بمبئی تمھارے باپ کی ہے!“

”ہاں! ہاں! بمبئی میرے باپ کی ہے۔ بلکہ میرے باپ کے باپ کی ہے۔“ واسنت کا آ گرج کر بولا۔ ”جے مہاراشٹر!“

”جے مہا گجرات!“ مگن لال دیسائی نے ترکی بترکی جواب دیا۔ اور اپنی بیٹی اور بچوں کو لے کر فلیٹ سے باہر نکل گیا۔

. . . .

آج واسنت کے فلیٹ میں اندھیرا تھا۔ شاردا کو گھر چھوڑے ہوئے ایک سال ہو گیا تھا۔ ایک سال سے واسنت نے نہ شاردا کی صورت دیکھی تھی نہ اپنے بچوں کی، اس ایک سال میں بہت کچھ ہو گیا تھا۔ بڑے بڑے اندولن چلے۔ آپس کے لڑائی جھگڑے ہوئے۔ مگر آخر میں سمجھوتہ ہو گیا۔ بمبئی کا صوبہ تقسیم ہو گیا۔ گجرات کا صوبہ الگ بن گیا۔ مہاراشٹر کا صوبہ الگ وجود میں آیا۔ پارلیمنٹ نے بھی بل پاس کر دیا۔ ہر چیز طے ہو گئی۔ ختم ہو گئی، ساری نفرتیں اور کدورتیں دھو ڈالی گئیں۔ اور آج ۲۹؍ اپریل کو تو روشنیوں کا دن تھا۔ گانے، ناچ، جلسے جلوس، ہنگامے، غل غپاڑے، تماشے، مشاعرے، کوی سمیلن، تقریریں، نعرے، ڈھول، تاشے، باجے گاجے لوگوں نے آج سارے بمبئی میں روشنی کی تھی اور اُسے دلہن کی طرح سجا دیا تھا۔ مگر واسنت کے. ب اپنے فلیٹ میں اندھیرا تھا۔ شام ہو چکی تھی۔ سڑکوں کے دو رویہ درختوں پر بجلی کے ہزاروں قمقمے جگمگا رہے تھے ہواؤں میں خوشبو تھی۔ فضاؤں میں قہقہے تھے۔ عورتیں آنکھوں میں کاجل لگائے جوڑے میں شیونتی کی وینی سجائے۔ بچوں کو انگلی سے لگائے اس کے فلیٹ کے نیچے سے گذر رہی تھیں۔

واسنت کا دل اپنے بیوی بچوں کی یاد سے بے چین ہو اٹھا کئی بار اس سے پہلے بھی اس نے سوچا تھا۔ کہ وہ احمد آباد جائے اور اپنی بیوی سے صلح کر کے اسے بچوں سمیت واپس بلا لائے۔ مگر ہر بار ایک جھوٹی عزت اس کا دامن پکڑ کر روک لیتی تھی۔ آج اُسے نہ صرف شاردا بلکہ اپنے پیارے بچے بھی کتنے یاد آرہے تھے۔ ننھا لکشمن اور بھولی کملا۔ ان دونوں معصوم بچوں کی صورتیں گویا اُس کے دل کے دامن کو پکڑنے لگیں! اور وہ سوچنے لگا۔ بھلا اس نے کیوں اپنی بیوی سے جھگڑا کیا۔ خواہ مخواہ اپنا گھر برباد کیا —— بھلا کیوں؟ بمبئی کے جہاد انسٹر میں آجانے سے کیا اُس کی صورت بدل گئی ہے؟ کیا اس کا میرین ڈرائیو اُٹھ کر پونا چلا گیا ہے۔ کیا ٹرامبے کا ایکیٹر ناگپور چلا گیا ہے؟ کیا فورٹ کا علاقہ ناگپاڑے میں آباد کر دیا گیا ہے؟ کیا آج بھی لوگ سڑکوں پر نہیں سوتے۔ غلیظ کھولیوں میں نہیں رہتے۔ ——————

دکھ اور درد کا درماں نہیں ڈھونڈتے؟ مفلسی اور موت کا سامنا نہیں کرتے؟ — پھر کس لئے اس نے اس قدر جذباتی ہو کر اپنی پیاری بیوی سے جھگڑا کر لیا۔ اور اپنے بچوں کو اپنے آپ سے دور کر دیا۔

آج ہر گھر میں روشنی ہے۔ صرف اس کے گھر میں اندھیرا ہے۔ اور اُس کے دل میں اتنی ہمت باقی نہیں ہے۔ کہ اپنے اندھیرے کونے سے اٹھ کر ایک بتی بھی روشن کر دے۔

وہ دیر تک اسی طرح جلتا کڑھتا سوچتا رہا اور ایک اندھیرے کونے میں آرام کرسی پر آنکھیں بند کئے ٹانگیں سکیڑے بیٹھا رہا۔ اور اس کے چاروں طرف خوشیوں کا جلوس گذرتا رہا۔ دو تین بار اس کے کانوں میں آواز سی آئی۔ جیسے کوئی اس کے فلیٹ کا دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو۔ مگر آج وہ کسی سے ملنا نہ چاہتا تھا۔ اس لئے وہ اُٹھ کر دروازے تک بھی نہ گیا۔ جو بھی ہوگا۔ خود ہی دروازہ پیٹ کر چلا جائے گا۔ یا بہت ہی ڈھیٹ ہوگا تو خود ہی اندر آجائے گا۔

پھر یکایک اُس کے کانوں میں ایک آواز آئی: "ارے آج خوشیوں کے دن یہاں اندھیرا کیوں ہے؟" اور اس آواز کے ساتھ ساتھ ایک بتی جلی اور اس بتی کی روشنی میں واسنت نے دیکھا کہ دروازے پر شاردا بچوں کو انگلی سے لگائے کھڑی ہے۔ اور مسکرا رہی ہے!۔

ایک لمحے کے لئے اس نے چونک کر شاردا کی طرف دیکھا۔ جیسے اُسے اپنی آنکھوں پر اعتبار نہ آرہا ہو۔ پھر وہ یک لخت اپنی کرسی سے اٹھا۔ اور دوڑ کر دروازے کی طرف گیا۔ اور جھپٹ کر اس نے جلدی سے اپنے دونوں بچوں کو گود میں اٹھا لیا۔ اور انہیں پیار کرنے لگا۔

شاردا نے یکایک منہ پھیر لیا۔ اور بالکونی کے جنگلے کے قریب جا کر بولی "شرم نہیں آتی ہے لوگوں کو۔ مہاراشٹر کے جنم دن پر میرے گھر میں اندھیرا کرتے ہیں !"

واسنت کچھ نہ بولا۔ مگر اس کی نگاہوں میں خوشی کے دیئے قطار اندر قطار مسکرانے لگے۔ پھر وہ دھیرے سے اپنی بیوی کے قریب گیا۔ اور سر جھکا کے بولا۔

"شاردا مجھے یقین نہیں آتا کہ تم آ گئی ہو؟"

شاردا نے بالکونی پہ مٹی کے دیوں میں تیل ڈالتے ہوئے کہا "کیوں نہ آتی؟ کیا یہ گھر میرا نہیں ہے؟ کیا یہ بمبئی شہر میرا نہیں ہے؟"

شاردا نے بے خوف نگاہوں سے واسنت کی طرف دیکھ کر کہا۔ "بمبئی آپ کی آہے!"

واسنت نے مسکرا کر کہا "تمہاری چھے! تدن تمہاری چھے!! ۔ نہ صرف بمبئی تمہاری ہے۔ یہ گھر بھی تیرا ہے۔ اور میں خود بھی تیرا ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو تو سٹامپ پیپر پہ لکھوا لو!"

شاردا کا چہرہ خوشی سے گلنار ہو گیا۔ اس نے اپنا سر واسنت کے کندھے پہ رکھ دیا۔ اور جذبات سے کانپتی ہوئی آواز میں بولی —— میں نے غلطی کی جو یہاں سے چلی گئی۔ میں بھول گئی کہ اس دیس میں نہ کچھ تیرا ہے۔ نہ میرا ہے۔ یہ سارا دیس ہمارا ہے۔ اور یہاں جتنے بھی مراٹھے اور گجراتی پنجابی اور سندھی۔ بنگالی اور نیپالی۔ ہندو اور مسلمان سکھ اور عیسائی۔ یہودی اور پارسی رہتے ہیں۔ ایک ہی ماں کے بیٹے ہیں۔ گو صوبے الگ الگ ہیں۔ مگر ملک ایک ہے۔ گو کمرے الگ الگ ہیں۔ مگر گھر ایک ہے۔ میں گجراتی ہوں۔ تم مراٹھے ہو۔ مگر ہم دونوں کا مستقبل ایک ہے!"

واسنت نے مسکرا کر شاردا کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اور پھر بچوں کو لے کر باہر بالکونی میں آ گیا۔ جہاں ان کے چاروں طرف روشنی ہی روشنی تھی۔ !! (بشکریہ آندھرا پردیش)

حفیظ مالیگانوی۔ ۹۴۸ مینا پورہ۔ مالیگاؤں کے پاس حسب ذیل

مسودے برائے اشاعت تیار ہیں۔ ناشر حضرات ان سے رجوع کر سکتے ہیں۔

آبگینے
نظمیں اور قطعات } حفیظ مالیگانوی

کلیات محوی
رباعیات محوی
اصلاحات محوی
فن عروض } علامہ محوی صدیقی لکھنوی

دو نئے ناول

دلدل

مصنف:۔ ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ   ترجمہ:۔ بیگم رضیہ سجاد ظہیر

ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ، جن کی انگریزی میں متعدد کتابیں سند قبولیت حاصل کر چکی ہیں تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ کی کتابوں کے ترجمے یورپ کی چودہ زبانوں کے علاوہ چینی، سنہالی اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ دلدل آپ کی مشہور کتاب HE WHO RIDES A TIGER کا ترجمہ ہے۔ جسے اردو میں پہلی بار مکتبہ جامعہ کی طرف سے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا نہ صرف امریکن ترجمہ شائع ہوا بلکہ امریکہ میں فلم بھی تیار ہو رہی ہے۔

اس ناول کے ہیرو بکالو جس کے بارے میں مشہور ہے کہ اتنا کالا ہے کہ اگر پسینہ آجائے تو دوات بھر لیجئے اور مزے سے لکھتے رہیئے اور اس کی بیٹی چندر لیکھا کی داستان نہایت پر لطف اور ہنگامہ خیز ہے۔ جسے پڑھ کر جھونپڑوں سے لیکر محلوں تک کی مکمل اور واضح تصاویر سامنے آجاتی ہیں۔ بہترین کتابت و طباعت صفحات ۲۴۸   قیمت چار روپے ۵۰ نئے پیسے

والڈن

مصنف:۔ ہنری ڈیوڈ تھورو   مترجم:۔ علی عباس حسینی

مشہور امریکن مصنف ہنری ڈیوڈ تھورو ایک عالم باعمل تھا۔ وہ نہ صرف حق و انصاف نیکی و آزادی کا ہی دلدادہ تھا بلکہ اُن کے لئے ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کے لئے بھی تیار رہتا تھا۔ اس کتاب کا موضوع اور وہ عام تصنیف "والڈن" ایک شفاف جھیل ہے جو گھنے جنگلوں میں موتی کی طرح جگمگاتی ہے۔ تھورو نے دو سال تک اس کے گرد و پیش کے کہساروں اور جنگلوں میں فطرت کی نیرنگیوں کا مشاہدہ و مطالعہ کیا ہے جس کا حسین و جمیل عکس والڈن کی صورت میں حاضر ہے۔ والڈن میں بہت سے عظیم اور لافانی خیالات موجود ہیں انھیں میں سے ایک یقین بھی ہے کہ انسان کی حقیقی طاقت کا بڑا حصہ اس کے ارادوں میں نہیں بلکہ خود اس کی ذات میں ہے۔ بہترین کتابت و طباعت صفحات ۴۹۶ قیمت مجلد چھ روپے ۵۰ نئے پیسے

بکھرے موتی

میری وارفتگی، معاذ اللہ
تم بھی آئے تو کچھ خبر نہ ہوئی (جوش ملیح آبادی)

اپنی حالت کا خود احساس نہیں ہے مجھ کو
میں نے اوروں سے سنا ہے کہ پریشاں ہوں میں (عبدالباری آسی)

ہم پر عبث ہے تہمت نظارۂ جمال
تم آ کے بیٹھے بزم میں پھر ہم کہاں رہے (وحشت کلکتوی)

صحن حرم نہیں ہے، یہ کوئے بتاں نہیں
اب کچھ نہ پوچھئے کہ کہاں ہوں کہاں نہیں (اصغر گونڈوی)

جس میں ہو یاد بھی تری شامل
ہائے اس بیخودی کو کیا کہئے (درویش صدیقی)

خود بینی و بے خودی میں ہے فرق
میں تم سے زیادہ کم نما ہوں (مومن)

پاکستانی مطبوعات

(گزشتہ سے پیوستہ)

خوابِ ہستی	میرزا محمد سعید	۵/-	مذہبی
خدا کی بستی	شوکت صدیقی	۱۰/	سماجی
دُرِ شہوار	ممتاز شیریں	۳/۵۵	ترجمہ
دھنک	نائب نقوی	۵/	سماجی
دیس سے باہر	آغا محمد اشرف	۲/۵۰	سیر و سیاحت
دید و شنید	رئیس احمد جعفری	۶/۵۰	شخصیات پر تبصرہ
دو عشق	ضیاالرشید	۲/۲۵	رومانی
داستانِ انتقام	شیخ محمد رضا بی۔اے	۳/۵۰	ادبی، تاریخی
دو روپ	سلیمان قریشی	۲/	ادبی
دامِ خیال	رئیس احمد جعفری	۳/۲۵	تاریخی
ڈاکٹر ژواگو	بورس پیسٹرناک	۹/	ناول
ذکرِ شبلی	محمد امین زبیری	۲/	سوانح عمری
ڈریک	ابوسعید قریشی	۳/	ناول
زندگی کے نمونے	ابو یحییٰ امام خاں نوشہری	۱/۵۰	سوانح
زاہدہ	جوش سرحدی	۳/	ناول
زندگی تابندگی	کمال احمد رضوی	۳/-	"
زرد پتا	انور جمال	۶/-	ناول
رخسانہ	حبیب اشعر دہلوی	۲/-	ناول
رازِ قدرت	سید قمر الزماں	۳/-	مذہبی
رگِ سنگ	انور سجاد	۲/۵۰	ناول
راجہ کسان	لیونارڈ ام شف	-/۵۰	سیاسی

رضا شاہ پہلوی	محمد اشرف خاں عطا	-/۵۰	تاریخ
رموزِ کامیابی	سیّد اعجاز حسین	۲/۵۰	
رموزِ اقبال	ڈاکٹر میر ولی الدین	۲/۲۵	مذہبی
رخشی	لیلیٰ قزلباش	۳/۵۰	ناول
رحمۃ اللعالمینؐ اوّل	قاضی محمد سلیمان صاحب	۴/۵۰	سیرتِ رسول
دوم	" " "	۶/۵۰	" "
سوم	" " "	۶/۵۰	" "
زمزمستاں	حسن عظیم آبادی	۳/-	شاعری
رشتہ	مرتضیٰ جاوید	۴/-	ناول
زندگی کا راستہ	عبدالرشید	۶/-	ترجمہ
سلطانہ	رئیس احمد جعفری	۵/-	تاریخی
سمجھوتہ	آغا اشرف	۱/۵۰	ڈرامہ
ساز و صدف	عدمؔ	۲/۵۰	شاعری
سکوت	قدوس رضائی	۵/-	ناول
سفید خون	آغا حشر کاشمیری	۱/۵۰	ڈرامہ
ساحل سے دور	سردار محمود	۴/-	ناول
سایۂ صنم	مائل ملیح آبادی	۳/-	ناول
سپنوں کی راکھ	عادل رشید	۶/-	ناول
سفینہ	ایم۔ ذکا انصاری	۳/۲۵	ناول
سعادت یار خاں رنگین	ڈاکٹر صابر علی خاں	۵/۷۵	شاعری
سفینۂ غمِ دل	قرۃ العین	۵/-	ناول
سلطنتِ روما	جے۔ بی۔ بیوری	-/۳۷	تاریخ
اسٹالین	محمد اشرف خاں عطا	-/۵۰	تاریخ
سلمہ و اختر	نیر واسطی	۲/۵۰	سوانح و حالات اختر شیرانی مرحوم
سیج	باسط سلیم صدیقی	۳/۵۰	افسانہ

سویرا	نیا ادارہ، لاہور	۲/۵۰	ادب، آرٹ، کلچر
شاعروں کا البم	فیروز سنز	-/۵۰	مختصر حالات
شکست کے بعد	کرشن چندر	۴/-	ناول
شہنشاہ	آرزو چودھری	۴/-	ناول
شہرود	اختر شیرانی	۳/۵۰	شاعری
شیشوں کا مسیحا	انتصار حسین	۳/-	ناول
شرح پیام مشرق	یوسف سلیم چشتی	۶/۵۰	شرح
شرح زبور عجم	" "	۶/۵۰	شرح
فرمانِ ظرافت	ظریف جبل پوری	۵/۲۵	شاعری
شب کی پکار	راحت آرا بیگم	۱/۲۵	ناول
صبوحی	آثم مرزا	۴/۵۰	ناول
صحابیات	نیاز فتحپوری	۶/-	سوانح
صہبائے مینائی	آفتاب احمد صدیقی	۴/۵۰	شاعری
ضبطِ تولید اور ہمارے بچے	عابدی جعفر	۵/-	تحقیق
طیور آوارہ	اختر شیرانی	۳/۵۰	شاعری
عابدہ کے نام	منظور مختار	۲/۵۰	ناول۔ خطوط
عمرو بن العاصؓ	حسن ابراہیم حسن	۵/-	تاریخ
عقاب	آرزو چودھری	۴/-	تاریخ۔ ناول
عوامی شاعر اور اُس کا فن	سجاد حارث ایم۔اے	۴/-	تنقید
عورت کا گناہ	فارغ بخاری	۲/۵۰	ناول
عادتیں اور ہم	حسین انور	۴/۷۵	نفسیات
غمِ عشق گر نہ ہوتا	بشیر رحمانی	۲/۲۵	ناول
فارسی اِمروز	عبدالمجید عرفانی	۵/۵۰	لغت
فریادِ داغ	داغ دہلوی	۳/-	حالاتِ زندگی
فلسفۂ جدید	سی۔ای۔ایم۔جوڈ	۲/-	فلسفہ

فاتح قسطنطنیہ	ایم۔ اسلم	۵/-	تاریخی
قزاق	توصیف اختر	۶/-	مہماتی
قرآن اور اقبال	ابو محمد مصلح	۳/-	
قیصر شیریں	عدم	۳/۵۰	شاعری
قمر	عاجز بدایونی	۴/-	رومانی
قوم اور قومیت	طفیل احمد خاں	۱/۵۰	ترجمہ
قطب مشتری	مُلّا وجہی	۳/۷۵	شاعری
کلیاتِ ولی	نورالحسن ہاشمی	۵/-	شاعری
کھیل	خدیجہ مستور	۲/-	افسانہ
کیا آپ کاروبار کرتے ہیں	سید اعجاز حسین	۵/-	سلسلۂ فنِ زندگی
سانگو کے کنارے	آرزو چودھری	۳/۲۵	افسانہ
کنیز فاطمہ	سرعزیز الدین احمد	۴/-	ناول
کامیابی کا راستہ	عبدالرشید	۴/-	سلسلۂ فنِ زندگی
کیتیا کے پھول	افتخار الاسلام	۳/۵۰	ناول
کمانڈر	یونس احمد	۵/۵۰	ترجمہ
کمرشل انٹرسٹ کی فقہی حیثیت	محمد جعفر شاہ صاحب	۱/۵۰	تجارتی
کارواں در کارواں	نورالزماں احمد	۳/۵۰	ڈرامے
کوتار	عظیم بیگ چغتائی	۳/-	ناول

(باقی آئندہ)

جائزے

بنیادی اُستاد کے لئے

مصنف : ڈاکٹر سلامت اللہ
ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی
صفحات: ۲۹۴ ۲۰×۳۰/۱۶
قیمت : چار روپئے ۲۵ نئے پیسے

اکثر کہا جاتا ہے کہ بنیادی تعلیم کامل شخصیت کی تعلیم ہوتی ہے یعنی یہ بچوں کے جسمانی، ذہنی، سماجی، اخلاقی اور جمالیاتی پہلوؤں کو ابھارتی ہے۔ ڈاکٹر سلامت اللہ نے اس بات کی تصدیق بہت تفصیل سے کی ہے جو ہمیں اس کتاب کے دوسرے، تیسرے، چوتھے اور پانچویں بابوں میں ملتی ہے۔ اور اس لحاظ سے یہ کتاب واحد اور لاجواب ہے کیونکہ اکثر کتابوں میں اس مضمون کو اس طریقہ سے تقسیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو مختلف حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے جیسے نفسیات اور تعلیم کے عام اور خاص طریقے وغیرہ وغیرہ۔ جس کی وجہ سے یہ مضمون بجائے دلچسپ ہونے کے خشک اور بے جان بن کر رہ جاتا ہے۔

ڈاکٹر سلامت اللہ نے خاص طور پر جسمانی تربیت کو بنیادی تعلیم میں کافی اہمیت دی ہے اور بتایا ہے کہ اس کا انحصار صفائی پر ہے۔ نہ صرف جسمانی صفائی بلکہ اسکول اور اس کے احاطہ کی صفائی پر جو بنیادی تعلیم میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی بچوں کی عام بیماریوں اور اُن کی روک تھام پر بھی کافی روشنی ڈالی ہے۔ صحت کو برقرار رکھنے کے لئے ورزش، کھیل اور صحت کے آسان اصولوں کی اہمیت کے بارے میں بھی لکھا ہے۔ اسکول کے ماحول کی صفائی اور اس کا اثر جو تعلیم پر پڑتا ہے اس کے بارے میں کافی وضاحت سے بیان کیا ہے۔

ذہنی تربیت کے باب کے آغاز میں نفسیات پر روشنی ڈالی ہے اور بعد میں مربوط نصابِ تعلیم کے مفہوم کو واضح کیا ہے اور پرائمری مدرسہ کے تمام مضامین پڑھانے کے طریقوں پر تفصیل سے لکھا ہے۔

بچے کی سماجی اور اخلاقی تربیت میں انھوں نے صاف الفاظ میں بتایا ہے کہ استاد بچوں کی صحیح طور پر کس طرح رہنمائی کرسکتا ہے۔ آج سے کوئی بائیس سال پہلے ۱۹۳۷ء میں بنیادی

تعلیم کا تصور اور اصول گاندھی جی نے دیس کے سامنے پیش کئے تھے۔ اور ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کرنے کے بعد سے ہی حکومتِ ہند اور ریاستوں کی حکومتیں اس بات پر ہر ممکن کوشش کر رہی ہیں کہ جہاں تک ہو سکے ابتدائی لازمی تعلیم بنیادی تعلیم کے اصولوں کے مطابق دی جائے تاکہ لوگ زیادہ سے زیادہ اس کی خوبیوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ ان تمام کوششوں اور جد و جہد کے باوجود بنیادی تعلیم میں کوئی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ اس کوتاہی کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں بنیادی استاد کا ملنا مشکل ہے۔ ڈاکٹر سلامت نے "بنیادی استاد کے لئے" کتاب لکھ کر بنیادی تعلیم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ کیونکہ اردو زبان میں اس کے مقابلہ میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جو بنیادی اساتذہ کی صحیح طور پر رہنمائی کر سکے۔

بنیادی تعلیم کی کامیابی کا انحصار بڑی حد تک اچھے اور قابل استاد پر ہوتا ہے۔ اپنی کتاب کے پہلے باب میں لائق مصنف نے بنیادی اُستاد کے تمام فرائض اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ بنیادی استاد کا درجہ بستی کے لوگوں میں کتنا اہم اور بلند ہوتا ہے اور وہ کن طریقوں سے بستی کے لوگوں کے ساتھ میل جول بڑھا سکتا ہے۔ اور ان کی زندگی بہتر بنانے میں اس کا کتنا بڑا حصہ ہوتا ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ اکثر کتابوں میں جمالیاتی تربیت کا ذکر تک نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ لوگ اس قسم کی تربیت کو تعلیم کے لئے اہم نہیں سمجھتے۔ سلامت صاحب نے جمالیاتی تربیت کو بنیادی تعلیم کا ایک اہم جزو قرار دیا ہے اور ثابت کر کے دکھایا ہے کہ آرٹ کی تعلیم کے بغیر ہماری تعلیم مکمل تعلیم کہلانے کے مستحق نہیں ہوتی ہے کیونکہ جمالیاتی تربیت کی وجہ سے بچہ اچھی اور بری، خوبصورت اور بدصورت چیزوں کا امتیاز کرتا ہے اور یہی اس کی زندگی کو خوشگوار بنانے میں مدد کرتی ہے۔

آخر میں لائق مصنف نے اسکول کے انتظام کے بارے میں ان تمام چیزوں پر روشنی ڈالی ہے جو مدرسہ کا انتظام بہتر بنانے کے لئے لازمی ہوتی ہیں۔

اس کتاب کی تمام خوبیوں کو دیکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب نہ صرف بنیادی اساتذہ کے لئے اچھوتی اور لاجواب کتاب ہے بلکہ غیر بنیادی اساتذہ کے لئے بھی اپنا ثانی نہیں رکھتی۔ اور خاص طور سے ان اساتذہ کے لئے جو پرائمری ٹریننگ کالجوں میں پڑھاتے ہیں یہ کتاب بہت ہی کارآمد ہوگی۔

(رحیمہ چنائے۔ بمبئی)

فکر و نظر

مدیر : ڈاکٹر یوسف حسین خاں
ناشر : علی گڈھ مسلم یونیورسٹی
صفحات : ۱۳۴ $\frac{20 \times 30}{8}$
قیمت : دو روپے۔

زیر نظر پرچہ مسلم یونیورسٹی کے سہ ماہی علمی و ادبی رسالہ فکر و نظر کا دوسرا شمارہ ہے۔ جو خوبصورت ٹائپ میں صحت اور نفاست کے ساتھ شائع ہوا ہے۔ مدیر کی حیثیت سے ڈاکٹر یوسف حسین خاں جیسے بلند پایہ ادیب کا نام ہی اس بات کی ضمانت ہے کہ رسالہ معیاری مضامین کا حامل اور درسگاہ علی گڈھ کی اعلیٰ علمی و ادبی سرگرمیوں کا ترجمان ہوگا۔ اس شمارہ میں قاضی عبدالودود۔ ڈاکٹر نذیر احمد۔ خلیق احمد نظامی۔ ڈاکٹر محمد حسن اور مختار الدین احمد جیسے مشاہیر کے مقالات شامل ہیں۔ غالب کے فارسی اشعار کے ایک نادر مجموعہ پر قاضی عبد الودود صاحب کا یہ مقالہ ان حضرات کے لئے بے حد مفید ہوگا جو غالب کے فارسی کلام کی ترتیب کا کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسن نے ۱۱۶۹ھ سے لے کر ۱۱۹۰ھ تک کی اردو شاعری کے تہذیبی پس منظر کا مطالعہ کیا ہے۔ ہمارے یہاں شعر و ادب کے تہذیبی ماخذوں اور موثرات کا مطالعہ ابھی نہیں ہو سکا ہے اس لحاظ سے یہ مقالہ دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ ان صفحات میں تفصیلی تبصرہ کی گنجائش نہیں ہے مسلم یونیورسٹی نے اس رسالہ کے اجرا اور اپنی دوسری مطبوعات کا جو سلسلہ شروع کیا ہے اگر وہ صحیح نگرانی میں فروغ پاتا رہا تو امید ہے کہ اس توسط سے اردو کے علمی سرمایہ میں گرانقدر اضافہ ہوگا۔

ڈاکٹر قمر رئیس

میں نہرو بنوں گا

مصنف : نائب حسین نقوی
ناشر : کتابی دنیا، لکھنؤ
صفحات : ۳۲ $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت : پچاس نئے پیسے

اس نام کی ایک مختصر سی کتاب سات برس سے لے کر چودہ برس تک کے بچوں کے لئے جناب نائب حسین نقوی صاحب نے لکھی ہے۔ اور کتابی دنیا۔ نظیر آباد لکھنؤ نے شائع کی ہے۔ اس کتاب میں سات برس کے ایک ایسے بچے کی جو تیسرے درجے میں پڑھتا ہے اس خواہش

کا اظہار کیا ہے کہ وہ بھی اپنی آیندہ زندگی میں (نخا منّا) "چاچا نہرو" یعنی وزیرِ اعظم بنے گا۔
کتاب نگار نے پنڈت نہرو کی زندگی کے جستہ جستہ واقعات سے اِس بچّے کے حالات کو مطابق کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اس طرح ہمارے ملک کے محبوب لیڈر پنڈت نہرو کے خاص خاص واقعاتِ زندگی آگئے ہیں۔ اور ضمنی طور پر اُن کی خدمات بھی جو ملک کی خاطر وہ اب تک انجام دے چکے ہیں یا دے رہے ہیں۔
موضوع اور نسبت ایسی وقیع ہے کہ بچّے اس کتاب کو شوق سے پڑھنا پسند کریں گے۔ اس لئے ضروری تھا کہ مصنف زیادہ غور و فکر اور توجہ صرف فرماتے۔ مثلاً بیان واقعات میں بچّے کی زبان سے جن باتوں کا اظہار کیا گیا ہے وہ اس عمر اور استعداد کے بچّے کے دائرہ معلومات سے باہر معلوم ہوتی ہیں۔ پھر مہاتما گاندھی کی تحریک ستیہ گرہ کی حقیقت پر جو خیالات ظاہر کئے گئے ہیں۔ مصنف نے بظاہر انھیں سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ اِس لئے نہ تو بچّوں کی سمجھ میں اِس تحریک کی حقیقت آئے گی اور نہ وہ اِس سے ٹھیک اثر قبول کریں گے۔
ایک بات اِس سلسلے میں غور طلب یہ ہے کہ کسی دوسرے زندہ شخص کی نقل خواہ وہ کتنا ہی وقیع اور محترم کیوں نہ ہو بچّوں میں کمتری کا احساس پیدا کرتی ہے۔ بنا تو بچّہ صرف وہی ہے جو اپنی فطری صلاحیتوں کی وجہ سے وہ بن سکتا ہے۔ اس لئے آزاد ہندوستان میں ایسی خوشامدانہ خواہش کی ہمت افزائی سے احتراز کرنا چاہیئے۔
کتاب لکھنا یوں تو ہے ویسے ہی مشکل کام، تاہم بچّوں کے لئے لکھنا اور بھی مشکل ہے یہ کام زیادہ محنت اور توجہ چاہتا ہے۔ امید ہے کہ آیندہ ایڈیشن میں مصنف صاحب ان امور پر مزید غور فرمالیں گے۔ پھر بھی بچّے اس کتاب کا مطالعہ کریں گے تو اِس کے نئے اندازِ بیان کی وجہ سے اِس مطالعہ سے یقیناً خوش ہوں گے۔ اور اِس کی وجہ سے اُن کی خیالی قوت کو تحریک ہوگی۔
قیمت بھی اِس بتیس صفحے کی کتاب کے جس میں نہ تصویریں ہیں، نہ کاغذ ہی اعلیٰ درجہ کا ہے پچاس نئے پیسے کچھ زیادہ ہی ہے۔ ٹائیٹل پیج البتہ آرٹ کاغذ پر خوشنما چھپا ہے۔

—— محمد شفیع الدین نیّر

تبصرے کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہیں۔

نئی مطبوعات

تعلیمات اسلام (مذہب) مولانا عبدالسّلام قدوائی قیمت دو روپے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

بچوں کی کہانیاں عبدالواحد سندھی ۳۰ نئے پیسے " " " دہلی

جلتے دل (ناول) نریندر شرما چار روپے پ م پ کوآپریٹو سوسائٹی دہلی

ترقی پسند ادب (ادب) عزیز احمد دو روپے ۵۰ نئے پیسے سول بجیٹ۔ عارف پبلشنگ ہاؤس دہلی

شمع خرابات (ناول) خواجہ محمد شفیع پانچ روپے " " " "

نیا انسان (ناول) عارف مارہروی چار روپے ۵۰ نئے پیسے۔ نیو تاج آفس دہلی

غزلیں پاکٹ سیریز نریش کمار شاد ایک روپیہ " "

ضرب کلیم پاکٹ سیریز علامہ اقبال " " " "

چودھویں کا چاند (ناول) عادل رشید " دو روپے ۵۰ نئے پیسے " "

زیر طبع کتابیں

پرند اور دوسرے افسانے۔ آصف مجیب قیمت ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

بھگوان بدھ (سوانح) مصنف دھرمانند کوسمبی مترجم پرکاش پنڈت۔ " سات روپے " "

اردو شاعری کا انتخاب ڈاکٹر زور " "

نیل کمل (ناول) گلشن نندہ " چار روپے ۵۰ نئے پیسے۔ پنجابی پستک بھنڈار دہلی

شب غم (ناول) عادل رشید " پانچ روپے " " "

مصیبت (ناول) دت بھارتی " تین روپے ۵۰ نئے پیسے " " "

اپنی نئی اور زیر طبع کتابوں کے بارے میں ہمیں اطلاع دیجئے ہم اسے کتاب نما کے ذریعے دوسروں تک پہنچائیں گے۔

ادبی خبریں

مرتبہ: ظلِ عباس عباسی

نوٹ:- ان صفحات میں ادبی علمی ثقافتی اور اشاعتی خبریں دی جاتی ہیں۔ جو حضرات اس قسم کی خبریں مرحمت فرمائیں گے انھیں شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت کر لیا جائے گا۔ خبریں معتبر ہونا ضروری ہیں۔

ماسکو میں پریم چند کی یاد اس سال ۳۰ جولائی ۱۹۶۰ء کو ماسکو میں پریم چند کی ۸۰ویں سالگرہ کی تقریب بہت اہتمام کے ساتھ منائی گئی ایک پبلک جلسہ ہوا جس میں مختلف روسی مصنفین نے پریم چند کی زندگی اور ان کے ادبی کاموں پر روشنی ڈالی اور خراجِ عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر ماسکو میں ایک نمائش بھی ترتیب دی گئی جس میں پریم چند کی کتابوں کے مختلف اڈیشنوں کو دکھایا گیا ہے کہ کون سی کتاب سب سے پہلے کب اور کیسے چھپی۔ اس نمائش میں اردو اور ہندی دونوں ایڈیشنوں کو پیش کیا گیا اور بیرونی زبانوں میں پریم چند کی کتابوں کے جو ترجمے ہوئے ہیں ان کی بھی نمائش کی گئی۔

اتحادالشعراء معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد کے شعراء کی مختلف انجمنوں نے مل کر ایک جماعت اتحادالشعراء کے نام سے قائم کی ہے۔ اس ادارہ کی سرپرستی ڈاکٹر سید محی الدین قادری زورؔ نے قبول کر لی ہے اور بزمِ تلامذہ آصفی بھی اس اتحاد میں شامل ہو گئی ہے۔

اسمبلی میں اُردو کا ذکر کیرالا اسمبلی میں پچھلے دنوں حاجی محمد کویا نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ ریاست کیرالا میں اُردو کو کما حقہ اہمیت دی جائے، اردو کی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

اُردو میں خبریں حیدرآباد ریڈیو سے اُردو میں خبریں نشر کرنے کے لئے متعدد حلقوں سے مطالبات کئے جا رہے ہیں مسٹر ہریش چند صدر سنڈل کانفرنس نے اس پر تعجب ظاہر کیا کہ اُردو کو آندھرا میں علاقائی حیثیت دیدینے کے باوجود ابھی تک ریڈیو پر اس کی نمائندگی مناسب طور پر نہیں ہو رہی ہے جب کہ ریاست کی چالیس فی صدی آبادی کی زبان اُردو ہے۔

اُردو شعراء کو اعزاز آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی نے اردو کے چھ ممتاز شعراء کو ان کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر رقم کی صورت میں اعزاز دینے کا فیصلہ کیا ہے چھ شعراء

یہ ہیں مخدوم محی الدین۔ سلیمان ادیب۔ خورشید احمد جامی۔ شاذ تمکنت وحید اختر اور ابن احمد تاب۔

مسودات کی فروخت لندن لائبریری نے ٹی ایس ایلیٹ، ای ایم فوسٹر اور سومرسٹ ماہم کے قلمی مسودات کو دس ہزار چار سو پونڈ میں نیلام کر دیا ہے ویسٹ لینڈ، پیسج ٹو انڈیا، آف ہیومن بانڈیج نامی تینوں کتابوں میں سب سے زیادہ رقم ساڑھے چھ ہزار پونڈ فوسٹر کی کتاب پیسج ٹو انڈیا کو ملی ہے، کسی زندہ مصنف کا مسودہ اتنی قیمت میں کبھی فروخت نہیں ہوا تھا۔ لائبریری نے یہ مسودات مقامی ٹیکسوں کی ادائیگی کی خاطر کئے ہیں۔

داغ پر کتابیں تمکین کاظمی صاحب نے استاد داغ کی ایک سوانح عمری شائع کی ہے اس سے پہلے وہ مثنوی فریاد داغ پر ایک تفصیلی مقدمہ لکھ کر چھپوا چکے ہیں۔ گلزار داغ اور آفتاب داغ زیر طبع ہیں، اس وقت وہ داغ کے خطوط جمع کر رہے ہیں جن اصحاب کے پاس داغ کے خطوط (مطبوعہ و غیر مطبوعہ) موجود ہوں وہ "سلطان شاہی حیدر آباد دکن" کے پتہ پر کاظمی صاحب کو بھیج دیں۔

لکھنؤ میں جشنِ جگر ایک مقامی ادبی انجمن طلبہ تہذیب نے "جشنِ جگر" منانے کا فیصلہ کیا ہے جس میں حضرت جگر پر مقالات و مضامین پڑھے جائیں گے اور مشہور موسیقار حضرت جگر کی غزلیں سنائیں گے۔ مضامین و مقالات بعد میں کتابی صورت میں شائع بھی کئے جائیں گے۔ تاریخ کا تعین بعد میں ہوگا۔

اردو انسائیکلو پیڈیا ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد نے اردو انسائیکلو پیڈیا تیار کرنے کا پھر بیڑہ اٹھایا ہے، اس سے پہلے بھی یہ کام اس ادارہ کے ماتحت ہو رہا تھا مگر بعض مجبوری کے باعث یہ کام معطل ہو گیا تھا۔ ۱۰ جولائی کو انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد شائع کرنے کے لئے ایک میٹنگ ہوئی، یہ جلد سائنٹفک علوم (طبیعات، کیمیا، ریاضی، نباتات، حیوانات اور ارضیات) پر مشتمل ہوگی۔ توقع ہے کہ اس سال کے آخر تک شائع ہو جائے گی۔ (ملاحظہ ہو: ...)

سید احمد دہلوی پرنٹر پبلشر نے اعلیٰ پریس دلی سے چھپوا کر دفتر کتاب نما جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا

Regd. No. .. ..   *Aug 1960.*

KITAB NUMA

NEW DELHI

دوسری شام

پروفیسر مجیب

[illegible] اچھا فن کار وہ ہے جو فن کی راہ
[illegible] آج کی دنیا میں فن کی
[illegible] دلچسپ [illegible]
ایسا ہی [illegible] لیکن سچے فنکار [illegible]
[illegible] کی کیفیت [illegible]
ہے [illegible] کی دوسری [illegible] شاما کی شخصیت
کے [illegible] کیفیات پیدا کی ہے
[illegible] مکالموں کے [illegible] لطف مزاح
کی [illegible] اور SUSPENSE کی دل دھڑکانے
والی کیفیات بھی۔   قیمت .. ۱۲ر

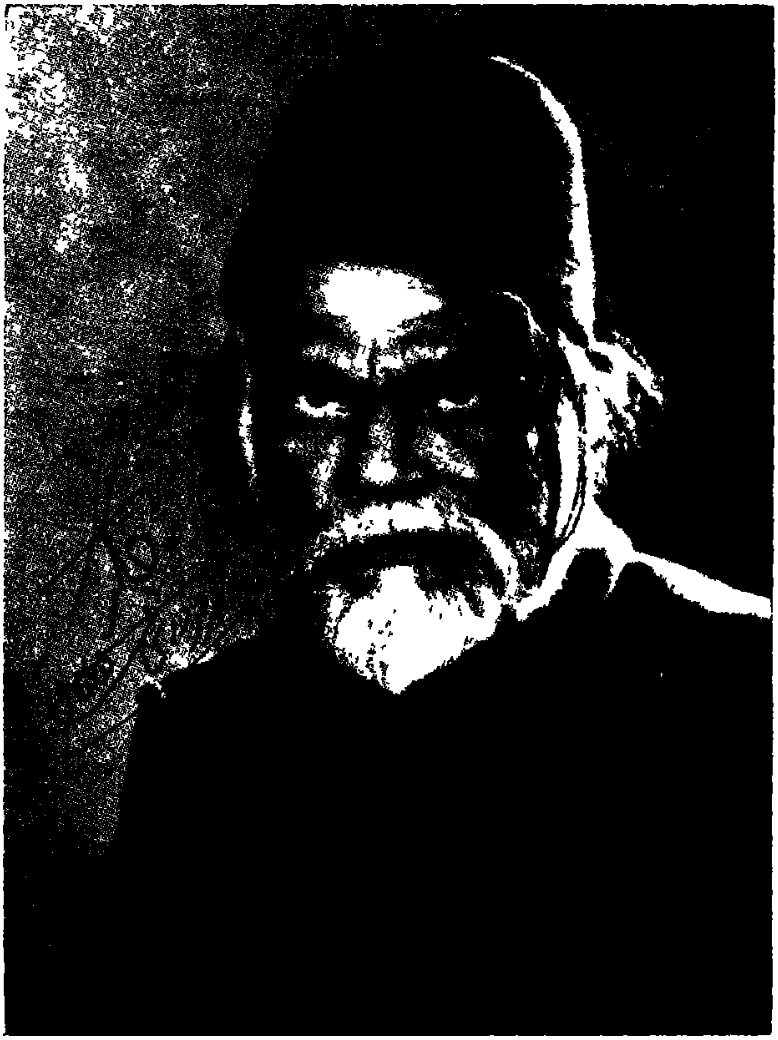
مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی

کتاب نما

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دہلی

صدر بزمِ غزل

۱۳۸۰ھ



پیدائش ۱۸۹۰ء | وفات ۱۹۶۰ء

نگراں	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	مدیر
غلام ربانی تاباں		ریحان احمد عباسی
جلد نمبر ۱	ستمبر ۱۹۶۰ء	شمارہ نمبر ۳

اشاریہ

ستمبر کا شمارہ حاضر ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس مرتبہ ہم سابق کے مقابلہ میں زیادہ سے زیادہ اشاعتی معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکے ہیں، پھر بھی ہمیں اعتراف ہے کہ اس اعتبار سے کتاب نما وہ نہیں بن سکا جو ہم اسے بنانا چاہتے ہیں۔ معلوم نہیں ناشرین کرام کیوں ہمیں اپنے اشاعتی منصوبوں سے آگاہی دیتے ہوئے پس و پیش کرتے ہیں۔ کہیں وہ ایسا تو نہیں سمجھ رہے ہیں کہ ان کے پروگرام شائع کرنے کے بعد ہم ان کی خدمت میں کوئی بل بھیج کر کسی معاوضہ کا مطالبہ کریں گے؟ بظاہر ایسے کسی خیال کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ تاہم ایک بار پھر ہم یہ اعادہ کرنا چاہیں گے کہ اس قسم کی خبروں کی اشاعت کتاب نما کا اولین مقصد ہے اس کا کوئی معاوضہ کسی ناشر یا مصنف سے نہیں لیا جاتا ہے۔ ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اردو پڑھنے والوں کو جس میں ہر مذاق کے لوگ ہیں۔ ماہ بہ ماہ یہ بتلاتے رہیں کہ کون کون سی کتابیں کہاں کہاں چھپ رہی ہیں تاکہ وہ بلا کسی دشواری کے اپنے مذاق کی کتابوں کے متعلق معلومات حاصل کر سکیں۔

ہمیں یقین ہے کہ ناشر حضرات ہمارا مقصد سمجھ گئے ہوں گے اور ہمیں ماہ بہ ماہ ایسی اطلاعات دے کر اپنے مقصد کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹائیں گے۔

جامعہ کے جشن چہل سالہ کی تیاریاں زور و شور سے ہو رہی ہیں۔ مکتبہ جامعہ بھی ان تیاریوں میں شریک ہے۔ مکتبہ کے سالانہ حسابات ۳۰ ستمبر کو بند ہوتے ہیں، جس کے باعث ہماری دفتری مصروفیات بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ اس لئے نیز اس لئے بھی کہ کتاب نما کی اشاعت میں تاخیر اصولاً غلط سی چیز ہے ہم نے طے کیا ہے کہ اکتوبر کا پرچہ نہ شائع کر کے نومبر میں موجودہ سے دوگنی ضخامت کا پرچہ نکالا جائے جو دونوں مہینوں کی کمی کو پورا کر دے گا۔ یہ پرچہ مصور اور

مضامین کے اعتبار سے بعض اہم معلومات کا حامل ہوگا۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ وہ اکتوبر کے پرچہ کا انتظار نہ فرمائیں بلکہ مشترکہ شمارہ انشاءاللہ نومبر کی ابتدائی تاریخوں میں ان کی خدمت میں پہنچ جائے گا۔

کوائفِ جامعہ

عبداللطیف اعظمی

جامعہ کی تشکیلِ نو

جامعہ کی سند میں ملازمت کے لئے حکومت ہند تسلیم کرتی ہے اور فارغ التحصیل طلبہ کا بعض یونیورسٹیاں پوسٹ گریجویٹ کلاسوں میں داخلہ بھی کر لیتی ہیں، مگر ابھی تک حکومتِ ہند نے کسی قانون کے ذریعہ اس کو اعلیٰ تعلیم کا ادارہ تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس سلسلے میں شیخ الجامعہ صاحب کئی سال سے کوشش کر رہے ہیں۔ چند مہینوں سے ان کارروائیوں میں تیزی پیدا ہو گئی ہے اور امید ہے کہ جامعہ کو قانون کے ذریعے قومی اہمیت رکھنے والے ادارے کی حیثیت دینے میں اب زیادہ تاخیر نہیں ہوگی۔

اس سلسلے کی تازہ ترین کارروائی یہ ہے کہ تشکیلِ نو کے مسائل پر غور کرنے اور اس کا ایک واضح خاکہ بنانے کے لئے وزیر تعلیم کے ایما اور امیر جامعہ کی اجازت سے ایک کمیٹی مقرر کی گئی جس کے چیرمین جسٹس ایس۔ آر داس تھے، جو اس وقت شانتی نکیتن کے وائس چانسلر ہیں، اور اپنی شہرت اور وقار کے لحاظ سے بہت بلند مرتبہ رکھتے ہیں۔ ۱۶؍ اور ۱۷؍ اگست کو اس کمیٹی کے جلسے ہوئے اور اس نے اپنی سفارشات مکمل کر کے چیرمین کی معرفت امیر جامعہ کی خدمت میں بھیجدی ہیں۔ ۱۰؍ ستمبر کو انجمن جامعہ کا جلسہ ہونے والا ہے، جس میں ان پر غور کیا جائے گا۔

جامعہ کی چالیسویں سالگرہ

"کتاب نما" کی پچھلی اشاعت میں "جشنِ چہل سالہ" کی اطلاع دی جا چکی ہے۔ اب اس کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں۔

ایک مرکزی کمیٹی بنائی گئی ہے، جو جملہ انتظامات کی ذمہ دار ہوگی۔ اس کے علاوہ مختلف کاموں کے لئے الگ الگ کمیٹیاں مقرر کی گئی ہیں۔ "صحیفۂ جشن" کے نام سے ایک ہفتہ وار بلیٹن بھی شائع کیا جاتا ہے، جس میں جشن کی خبریں اور مختلف کارروائیوں کی تفصیل شائع ہوتی ہے۔ جامعہ کے اساتذہ اور کارکن اپنے مقدور بھر کوشش کر رہے ہیں، مگر ظاہر ہے ان کی کوششیں اسی وقت پوری طرح کامیاب ہو سکیں گی، جب ان کو ملک و قوم کا مکمل تعاون حاصل ہوگا۔ جامعہ کو یہ تعاون ہمیشہ

روپائے عالمِ غیب

۱۳۸۰ھ

۹ ستمبر ۱۹۶۰ء کو صبح ۴ بجے رئیس المتغزلین حضرت جگرؔ مرادآبادی داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر دنیائے شعر و سخن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سونا کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ وفات کی خبر سارے ملک میں انتہائی رنج کے ساتھ سنی گئی جگہ جگہ تعزیتی جلسے ہوئے اور مرحوم کیلئے دعائے مغفرت کی گئی۔ ہمارے ایک کرم فرما جناب اخترؔ بریلوی نے جو مرحوم کے پرانے واقف کاروں میں ہیں ذیل کا قطعۂ تاریخ کتاب نما کے لئے مرحمت فرمایا ہے۔

اے اخترؔ کل دردِ جگر سے — دل تھا گریاں، آنکھ تھی پُرنم
چھائے ہوئے تھے غم کے بادل — رات اندھیری، ہُو کا عالم
روتے روتے آنکھ لگی جب — دیکھا میں نے ایک "معظّم"[1]
لب پہ تبسم، آنکھ میں مستی — چہرے پر اک نور کا عالم
پوچھا مجھ سے کیوں روتے ہو — وجہ گریہ؟ کیا کہتے ہم!
میرے لئے یہ آنسو کیسے — کیسا غم یہ کیوں ہے ماتم
راس آئی مخمور جوانی — کام آیا عشقِ مستحکم
پائی بقا آمیز جوانی — قیدِ فنا سے چھوٹ گئے ہم
اب کیا جھگڑا سود و زیاں کا — دور ہوئی فکرِ بیش و کم
میں نے پائی اپنی منزل — میں نے پایا حُسن کا عالم
میرے لئے ارزانیٔ جلوہ — میرے لئے اب کوئی نہیں غم
جس دنیا میں تم رہتے ہو — وہ دنیا ہے مکر کا عالم
سازش، نفرت، تہمت، غیبت — جھوٹ زیادہ، سچ بے حد کم
میرے جہاں میں آکر دیکھو — کیف و سرور یہ حسنِ مجسم
ہر شے میں بیدار حقیقت — ہر ذرے میں صدق کا پرچم
اب پائی ہے فکر کی دنیا — اب آیا ہے شعر کا موسم
اس گلشن میں گل کے جلو میں — کانٹے مخمل، خندانِ شبنم
سنبل و ریحاں شاداں فرحاں — نرگس بینا، لالہ خرّم
اس مسرور جہاں میں اخترؔ — شادم شادم شادم شادم

۱۳۸۰ھ

[1] جگر صاحب اس دور کو "عالم بیخودی" کہا کرتے تھے۔

پیانہ فتح پوری

اُردو نثر کا آغاز و ارتقاء

اس وقت ہندوستان کے مختلف صوبوں اور علاقوں میں بہت سی مقامی زبانیں رائج ہیں جن میں سے اکثر ادبیات کا بھی ایک بڑا ذخیرہ رکھتی ہیں۔ اِس لئے ان زبانوں کی پیدائش، اُن کا تدریجی ارتقاء، اُن کے اسالیب بیان اور اُن کا موجودہ موقف، یہ تمام مسائل بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور ان پر غور کرنا یقیناً مفید بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ اِس سلسلے میں اردو زبان کے نثری ادب پر غور کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ اردو زبان کس طرح وجود میں آئی۔ جس وقت آریہ قوم ہندوستان آئی تو یہاں مختلف زبانیں رائج تھیں لیکن خود اُس کی زبان سنسکرت تھی۔ ظاہر ہے کہ اس میل جول سے یہاں کی تمام زبانوں کو متاثر ہونا چاہیئے تھا۔ رہیں لیکن سنسکرت یہاں کی عام زبان نہ بن سکی کیونکہ آریہ قوم کے مذہبی اکابر اپنی زبان کے تقدس کی بڑی حفاظت کرتے تھے اور وہ یہ کبھی پسند نہ کرتے تھے کہ سنسکرت عوام کی زبان ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رفتہ رفتہ یہاں کے مختلف علاقوں کی مختلف زبانیں پھر اُبھریں جن میں اب سنسکرت کے الفاظ بھی بہ کثرت شامل ہو گئے تھے ان پراکرتوں میں متھرا و نواح متھرا کی زبان نے جسے برج بھاشا کہتے ہیں بہت ترقی کی یہاں تک کہ وہ عہدِ مسیح سے قبل ہی علمی زبان بن چکی تھی اور سکندر کے حملۂ ہندوستان کے وقت وہ ترقی کی منزلوں سے گذر رہی تھی۔

اس کے بعد جب ہند و عرب کے تجارتی تعلقات وسیع ہوئے اور عربوں کی آمد و رفت ساحلی مقامات پر شروع ہو گئی تو یہاں کی پراکرتوں میں عربی کے ضروری الفاظ منتقل ہونے لگے اور عربی میں یہاں کی پراکرتوں کے الفاظ۔ یہ باتیں اُس وقت کی ہیں جب ظہورِ اسلام ہوا تھا۔ لیکن ظہورِ اسلام کے بعد ان کے تعلقات میں اور زیادہ وسعت پیدا ہوئی یہاں تک کہ اب سے تقریباً ایک ہزار سال قبل ابن حوقل اور مسعودی سندھ آئے تو انھوں نے دیکھا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں

دونوں کی وضع و معاشرت بالکل ایک سی ہے اور سندھی کے ساتھ عربی اور ملتانی کے ساتھ فارسی زبان بھی رائج ہے۔ ظاہر ہے اس اختلاط سے دونوں زبانیں متاثر ہوئی ہوں گی۔ تاہم یہ تمام کوئی مشترک زبان نہ بنا سکے۔ اس کے بعد جب غزنوی عہد میں لاہور دارالحکومت قرار پایا اور ہندو مسلمانوں کی معاشرتی و تمدنی تعلقات وسیع ہوئے تو ترکی فارسی میں ہندی کے الفاظ اور ہندی میں ترکی فارسی الفاظ شامل ہونے لگے۔ یہاں تک کہ حکیم سنائی کے یہاں قطوۂ پانی کا فقرہ ملتا ہے اور ایران کے شاعر منوچہری کے یہاں لنگھن کا لفظ بلکہ اس سے زیادہ یہ کہ مسعود سعد سلمان اور ابو عبداللہ نے ہندی میں شاعری بھی شروع کر دی اور پورا دیوان مرتب کر دیا۔ اس کے بعد غوریوں کے زمانے میں یہ اثرات اور زیادہ وسیع ہوئے۔ چنانچہ چند کوی کے یہاں جو پرتھوی راج کا درباری شاعر تھا ہم کو بہت سے الفاظ عربی فارسی کے ملتے ہیں۔

اس کے بعد غیاث الدین بلبن کے زمانے میں یہ رجحان اور زیادہ بڑھا۔ مسلم صوفیوں نے اپنے نصائح اخلاقی میں جو زبان استعمال کی ہے ملی جلی فارسی ہندی تھی۔ اسی طرح امیر خسرو نے اپنے فارسی اشعار میں بہت سے الفاظ ہندی کے استعمال کئے اور بہت سی ہندی کہہ مکرنیاں اور پہیلیاں تو اب بھی لوگوں میں مشہور ہیں۔

جب قطب الدین ایبک نے ۱۲۰۶ء میں دہلی کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی اور بہت سے پنجابی مسلمان بھی اس کے ساتھ آئے جو برج بھاشا قسم کی زبان استعمال کرتے تھے تو یہاں بھی مخلوط زبان رائج ہوئی جس کو ہندوی بھی کہا جاتا تھا اور یہ نام عہد شاہجہان تک بدستور قائم رہا جیسا کہ خود اورنگ زیب کی ایک تحریر سے ثابت ہوتا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ اس زبان کی شاعری کو اس وقت ریختہ کی شاعری بھی کہتے تھے اور یہ اصطلاح غالب کے وقت تک جاری رہی۔

دہلی کے بعد یہ نئی زبان علاءالدین خلجی کے ساتھ گجرات اور دکن میں پہنچی اور اتنی مقبول ہوئی کہ گجرات کے تمام مسلم بزرگانِ دین نے اسی زبان میں تعلیم اخلاق شروع کی اور دکن میں شاعری کی زبان یہی قرار پائی۔

مغلیہ خاندان میں سب سے پہلے بابر نے ہندی زبان کے الفاظ اپنی توزک میں استعمال کئے اور پھر ہمایوں، اکبر، جہانگیر و شاہجہاں کے زمانہ میں تو اس کا رواج اتنا عام ہو گیا کہ مسلمان اور ہندو دونوں ہندی فارسی کے ملے جلے الفاظ آزادی سے استعمال کرنے لگے۔ مسلمان ہندی شاعری

کہنے لگے اور ہندوؤں نے فارسی عربی الفاظ کو اس حد تک قبول کر لیا کہ تلسی داس کی رامائن بھی اس سے نہ محفوظ رہ سکی جس میں عربی فارسی کے الفاظ بکثرت ملتے ہیں۔ رہا یہ سوال کہ اس کا نام اردو کب اور کیوں قرار پایا اس کا کوئی یقینی جواب نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم اس کے متعلق یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب دلی میں بہ عہد شاہ جہاں قلعۂ معلے کی بنیاد پڑی تو اسی کے ساتھ ہندوی زبان کو لشکری زبان ہونے کی حیثیت سے اردو کہنے لگے۔ پھر اس زبان کو خواہ ہندوی کہیں یا ریختہ یا اردو، اس میں شاعری تو بہت ابتدا ہی سے ہونے لگی تھی لیکن نثر نگاری بعد کو شروع ہوئی۔

اردو نثر کی سب سے پہلی کتاب بہ قول محمد حسین آزاد دہ مجلس ہے اور بعض کے نزدیک سید محمد گیسو دراز کی معراج العاشقین ہے لیکن یہ دونوں باتیں درست نہیں ہیں کیونکہ دہ مجلس سنہ ۱۱۴۲ھ کی تصنیف ہے اور معراج العاشقین سنہ ۱۳۹۸ء کی حالانکہ اس سے بہت پہلے سنہ ۱۳۰۸ء میں سید اشرف جہانگیر سمنانی اپنے پیر و مرشد مولانا وجیہ الدین کے ملفوظات نہایت صاف ہندی زبان میں لکھ چکے تھے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دکن کی سب سے پہلی تصنیف معراج العاشقین ہے اور شمالی ہند میں جہانگیر سمنانی کی کتاب۔ اس کے بعد ایک صدی تک ہم کو کسی دوسری نثری کتاب کا پتہ نہیں چلتا۔ البتہ دوسری صدی میں شاہ میرانجی کی شمس العشاق سامنے آتی ہے لیکن اس کی زبان اس کا لب و لہجہ بھی تقریباً وہی ہے جو معراج العاشقین کا۔

دو صدیاں اسی حال میں گذر جاتی ہیں اور کوئی کتاب نثر کی نہیں لکھی جاتی۔ اس کے بعد وہ دور آتا ہے جس میں سب سے پہلے شاہ میران جی کے پوتے نے گنج مخفی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کے ۲۰ سال بعد ملا وجہی نے سب رس۔ اُن کی زبان بھی تقریباً وہی ہے جو پچھلی کتابوں کی۔

سولہویں صدی کے آغاز میں پرتگالیوں نے ہندوستانی تجارت پر قبضہ کر لیا اور ان کے میل جول سے ہندوستان کی تمام زبانوں کے ساتھ اردو میں بہت سے پرتگالی الفاظ شامل ہو گئے۔ ڈچ سفیر جان جوشوا کیٹلر نے ایک کتاب قواعد پر لکھی جس کی زبان دکنی مصنفین سے کافی مختلف اور صاف بھی ہے۔ محمد قادری کے طوطی نامہ اور فضلی کی کربل کتھا کی عبارت پچھلے دکنی مصنفین کی عبارت سے مختلف بھی ہے اور صاف بھی۔

اس کے بعد شمالی ہند میں سودا کی نثر کا وہ نمونہ ہمارے سامنے آتا ہے جس میں مرثیہ محتشم کا تعارف کرایا گیا ہے۔ سودا کی یہ نثر تمام پچھلی کتابوں کی نثر سے جدا ہے اور اس میں زیادہ تر

فارسی تراکیب اور فارسی استعارات و تشبیہات سے کام لیا گیا ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ سب سے پہلے سودا نے اس رنگین طرز تحریر کو رواج دیا جس کی تکمیل رجب علی بیگ سرور کے بیان اور طلسم ہوش ربا وغیرہ میں نظر آتی ہے تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا۔

اس کے بعد اٹھارہویں صدی کے اخیر سے انیسویں صدی کے اخیر تک کا زمانہ نثری تصانیف کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس زمانہ کی تصانیف میں ہم کو بڑا تنوع نظر آتا ہے۔ تشریح، قانون، لغت، قصص و تاریخ، سوانح و تذکرہ، طبیعات و آثار، تنقید وغیرہ پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں جن کی تصنیف میں مسلمانوں کے علاوہ ہندوؤں نے بھی حصہ لیا۔ اس عہد میں اردو زبان کو فورٹ ولیم کالج اور ڈاکٹر گلکرسٹ کی کوششوں سے بھی بہت مدد ملی اور بہت سی مفید کتابیں شائع ہوئیں۔ اس عہد کے مصنفین اور تصنیفات اردو کی فہرست بہت طویل ہے

اُسی زمانہ میں چھاپے خانے بھی قائم ہوئے۔ اخبار بھی شائع ہونے میں اولیت کا فخر اردو اخبار کو ہے جو ۱۸۱۰ء میں مولوی اکرام علی کی ایڈیٹری میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ اس عہد کے ابتدائی مصنفینِ اردو میں سب سے پہلا نام بہ لحاظ تاریخ شاہ رفیع الدین کا نظر آتا ہے اور آخر دور میں سر سید، مولانا فضل حق، محسن الملک، وقار الملک، ڈپٹی نذیر احمد وغیرہ کا۔

اِس دور میں کتابوں کے ترجموں کا رواج بھی شروع ہوا اور انگریزی کے اسلوب تحریر کی سی سادگی و بے تکلفی اختیار کی گئی۔ اسی زمانہ میں مولانا شبلی، مولانا حالی اور مولوی محمد حسین آزاد ابھرے اور تصنیف و تالیف کا رنگ زیادہ افادی اور علمی ہو گیا۔

چونکہ اس زمانہ میں ہندوستان میں ایک عام سیاسی شعور بھی پیدا ہو گیا تھا اس لئے اردو میں سیاسی تصانیف بھی شائع ہونے لگیں اور صحافت کا رنگ بھی بہت کچھ بدل گیا۔ اب زبان آہستہ آہستہ صاف ہو گئی تھی اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں کا ایک بڑا مفید ذخیرہ فراہم ہو گیا تھا۔ فن تنقید پر اردو میں سب سے پہلی قابلِ ذکر تصنیف مولانا حالی کی ہے جس کا اثر بعد کے تمام ادبا و ادیبوں پر پڑا۔

اردو میں نثری تصنیف و تالیف کی تاریخ دکھنی زبان میں چودھویں صدی سے شروع ہوتی ہے۔ اُس زمانہ کی صرف ایک کتاب معراج العاشقین ہم تک پہنچ سکی ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسری کتاب کا پتہ نہیں چلا۔ اس کے بعد سولہویں صدی میں بھی ہم کو صرف دو کتابیں شاہ میراں جی اور شاہ برہان الدین کی ملتی ہیں۔ یہ کتابیں بھی تصوف سے تعلق رکھتی ہیں اور اُن کی زبان

کچھ بدلی ہوئی ہے۔ سترھویں صدی کی تصانیف میں بھی بہت کم کتابیں ہم تک پہنچ سکی ہیں جن میں سب رس سب سے زیادہ مشہور ہے۔ لیکن ان تین صدیوں کی کتابوں میں زبان کا فرق زیادہ نظر نہیں آتا، اسلوب البتہ کچھ بدلا ہوا ہے۔ اس کے بعد اٹھارھویں صدی کے اختتام تک شمالی ہند میں بہت کتابیں لکھی گئیں۔ ان میں سے بہت کم باقی رہ گئیں۔ صرف چند مصنفین کی کتابوں کا علم ہم کو ہو سکا ہے۔ انھیں میں طوطی نامہ محمد قادری کا، کربل کتھا، فضلی کی اور دیباچہ دیوان مرثیہ کا جو سوزا نے لکھا تھا۔ اسی زمانہ میں جان جوشوا کیٹیلر نے قواعد پر ایک کتاب لکھی۔

اس کے بعد اٹھارھویں صدی کے آخر سے انیسویں صدی کے اختتام تک اردو میں بہت کتابیں لکھی گئیں اور ہر موضوع پر جن کا ذکر ہم اس سے قبل کر چکے ہیں۔ یہی وہ زمانہ تھا جب جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں میر امن دہلوی، میر بہادر علی حسینی، شیر علی افسوس، حیدری اور تحسین نمایاں ادیب پیدا ہوئے۔

مذہبی تصانیف کے سلسلہ میں علاوہ تراجم و تفسیر کے سب سے بڑا کام سرسید نے کیا اور خطبات احمدیہ شایع کر کے مذہب کو عقلی حدود میں لانے کی کوشش کی۔ زبان کے لحاظ سے بھی سرسید کی خدمات بہت اہم ہیں، کیونکہ اس سے قبل اردو نثر بہت دقیق ہوتی تھی فارسی عربی کی ترکیبیں اس میں بہت زیادہ پائی جاتی تھیں لیکن انھوں نے تحریر کا نہایت سادہ اسلوب اختیار کیا اور اس کا رواج عام ہو گیا۔

۱۸۵۷ء کے انقلاب تک اردو نثر کی تصنیفات زیادہ تر تاریخ و مذہب و تاریخ و تذکرہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کے بعد متعدد تصنیفی ادارے قائم ہوئے اور متعدد علوم و فنون کی کتابیں لکھی جانے لگیں۔ تاریخ و سیر، تذکرہ و انتقاد کے ساتھ ساتھ سیاست کی طرف بھی کافی توجہ کی گئی، اخبارات و رسائل بھی بکثرت نکلنے لگے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ دور اردو تصانیف کا بہت اہم دور تھا جس میں انگریزی زبان کے اثرات سے رجحانات کا رخ بہت کچھ بدل گیا اور زیادہ علمی، فنی اور مفید کتابیں شائع ہونے لگیں، جن کے مصنف ہندو مسلمان دونوں تھے۔

یہ دور تقسیم ہند تک برابر ترقی کرتا رہا اور ہزاروں کتابیں ہر موضوع پر شائع ہوئیں یہاں تک کہ اردو نے ایک علمی زبان کی حیثیت اختیار کر لی۔

تقسیم ہند کے بعد جب پاکستان میں ایک جداگانہ حکومت قائم ہو گئی تو یہاں کے بعض مصنفین وہاں چلے گئے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس سے اردو کو اور فائدہ پہنچا کیونکہ ہندوستان کے علاوہ ایک اور مرکز اردو تصنیف و تالیف کا پیدا ہو گیا اور ہندوستان میں جو ادیب و انشا پرداز رہ گئے ہیں وہ اور زیادہ ولولے سے کام کرنے لگے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باوصف اس کے کہ یہاں کی ملکی زبان کا نام ہندی ہو گیا ہے ۱۹۴۷ء سے اس وقت تک مختلف علوم و فنون پر اتنی کتابیں اردو کی شائع ہوئی ہیں کہ ان کا صحیح شمار آسان نہیں اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔

(بشکریہ نیا دور، لکھنؤ)

پنڈت جواہرلال نہرو کی مشہور کتاب

A BUNCH OF OLD LETTERS

کا

اردو ترجمہ دو حصوں میں

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی شائع کر رہا ہے۔
- ترجمہ مولانا عبدالمجید الحریری صاحب ایم اے ایل ایل بی نے کیا ہے۔
- پہلے حصے کی ضخامت تقریباً ۵۰۰ صفحات اور قیمت نو روپے ہوگی۔
- پہلا حصہ اکتوبر ۱۹۶۰ء تک منظرِ عام پر آجائے گا۔

جو صاحب

پانچ روپے پیشگی بھیج کر اپنا آرڈر بک کرالیں گے اُن سے ڈاک و پیکنگ خرچ جو تقریباً دو روپے ہوگا نہیں لیا جائے گا۔

پیشگی رقم:۔

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ

جامعہ نگر ——— نئی دہلی

کو بھیجئے

بقیہ پاکستانی مطبوعات اگلے شمارے میں ملاحظہ فرمائیے

شعری ادب

متقدمین کے مجموعۂ کلام جو اب کمیاب ہیں

دیوان یقین (نواب انعام اللہ خاں یقین ۱۷۵۰ء — ۱۷۲۱ء) مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ
قیمت: ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

دیوان جوشش (شیخ محمد روشن جوشش۔ تقریباً ۱۱۵۰ھ - ۱۲۲۱ھ) مرتبہ قاضی عبدالودود
قیمت: ایک روپیہ ۱۲ نئے پیسے

دیوان بہرام (بہرام جی جاماسپ جی دستور ۱۸۲۸ء-۱۸۹۵ء) مرتبہ مسلم ضیائی ایم۔اے
قیمت: ایک روپیہ ۲۵ نئے پیسے

دیوان نظیر اکبرآبادی (۱۷۳۵ء - ۱۸۳۰ء) مرتبہ مرزا فرحت اللہ بیگ
قیمت: دو روپے ۵۰ نئے پیسے۔

دیوان تاباں (میر عبدالحی تاباں دہلوی ۶۵-۱۱۶۱ھ کے درمیان انتقال) مرتبہ مولوی عبدالحق
قیمت: دو روپے

دیوان اثر (سید محمد اثر، خواجہ میر درد کے چھوٹے بھائی) مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق
قیمت: ایک روپیہ ۷۵ نئے پیسے

انتخاب داغ (نواب مرزا خاں داغ دہلوی ۱۸۳۱ء - ۱۹۰۵ء) مرتبہ ڈاکٹر عبدالحق۔
قیمت: ایک روپیہ ۷۵ نئے پیسے

انتخاب ذوق و ظفر انتخاب ذوق مع مقدمہ از علامہ پنڈت برجموہن کیفی دتاتریہ
" ظفر " " " سید شان الحق حقی قیمت: دو روپے

۲۲×۱۸/۸ پر چھپی ہوئی یہ سب کمیاب کتابیں غیر مجلد ہیں۔

یہ کتابیں بھی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی سے مل سکتی ہیں۔

آتش گل – شعلۂ طور – جگر مرادآبادی مرحوم کی غزلیات کے مجموعے۔

روش صدیقی

غزل

چُپ لگی عشق کو آدابِ کلام آتے ہی
زندگی مہر بہ لب ہے ترا نام آتے ہی

یہ بھی اے محوِ تماشائے لبِ بام! بتا
کتنے خورشید ڈھلے ہیں لبِ بام آتے ہی

عقل کو کشمکشِ ترک و طلب نے کھویا
عشق ہنستا ہوا گذرا یہ مقام آتے ہی

یاد آیا دلِ خوں گشتہ، بھر آئیں آنکھیں
ہم بہت دُور گئے! نزدِ میں جام آتے ہی

لاکھ شمعیں ہوں رُخ افروز، جلیں لاکھ چراغ
دل تو بجھتے ہیں یہاں ساعتِ شام آتے ہی

یک بہ یک رازِ جنوں فاش ہوا دنیا پر
آ گئے ہوش میں ہم آپ کا نام آتے ہی

چھٹ گیا ہم سے نسیمِ سحری کا دامن
یاد وہ شوخیٔ اندازِ خرام آتے ہی

سایۂ زلفِ پریشاں میں گذرتی ہے روش
اور آزاد ہوئے ہم تہِ دام آتے ہی

(بشکریہ آندھرا پردیش)

دیا جلے ساری رات — خواجہ احمد عبّاس

خواجہ احمد عباس کا شمار ملک کے ان نامور ادیبوں میں ہوتا ہے جنھوں نے افسانوی ادب کو ایک نئی راہ پر ڈالا، اس میں ایک نئی روح پھونکی اور اسے اس قابل بنادیا کہ سماج دشمن عناصر اس میں اپنے چہرہ کو بے نقاب دیکھ سکیں مختصر افسانوں کا یہ تازہ ترین مجموعہ یقیناً اردو ادب میں ایک قابل قدر اضافہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ قیمت :- دو روپے ۵۰ نئے پیسے

کیمیاگر :- پروفیسر محمد مجیب

ان افسانوں میں رسمی حسن وعشق سے پرہیز کر کے صحیح واقعاتی زندگی کی جھلک دکھائی گئی ہے یہ افسانوں کا دلکش مجموعہ جو اعلیٰ اور ستھرے مذاق کے طبقے میں بے حد پسند کیا گیا ہے قیمت :- دو روپے

کالے صاحب :- اوپندر ناتھ اشک

اوپندر ناتھ اشک اُردو ہندی کے مشہور اور ممتاز افسانہ نگار ہیں۔ انکے مجموعے میں جس کی زبان سیدھی سادی صاف اور رواں ہے آٹھ مختلف افسانے شامل ہیں جن میں مختلف سماجی اور سیاسی الجھنوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

افسانے

پرند اور دوسرے افسانے :- آصفہ مجیب

پرند، بیگم آصفہ مجیب کے آٹھ افسانوں کا دلکش مجموعہ ہے۔ یہ افسانے درمیانی طبقے کی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں اور ان مسائل کا حل پیش کرتے ہیں جو اس طبقے کی زندگی سے وابستہ ہیں۔

قیمت: ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے۔

نئی بہاری :- ہندر ناتھ

متوسط طبقہ کے لوگ عام طور پر اپنی ہی پیدا کردہ الجھنوں میں اس قدر گھر جاتے ہیں جن سے نکلنا ان کے لئے بے حد دشوار اور ان کی زندگی ایک حل نہ ہونے والا معمہ بن جاتی ہے۔ یہ افسانے ان مسائل کو حل کرنے کی ایک کامیاب کوشش ہیں۔

قیمت دو روپے ۵۰ نئے پیسے

جب کشمیر جل رہا تھا — کشمیری لال ذاکر

ذاکر صاحب کے یہ نو افسانے تخیلی نہیں حقیقی ہیں۔ ان افسانوں میں ۱۹۴۷ء کے فسادات کا ذکر ہے جس میں نہ مسلمان مظلوم تھے نہ ہندو اور نہ سکھ۔ اگر کوئی مظلوم تھا تو وہ تھی انسانیت۔ قیمت : دو روپے۔

فکر تونسوی

مردم شماری کمشنر کے نام

عالی جناب مردم شماری کمشنر صاحب

کل ڈاک میں آپ کا ارسال کردہ مردم شماری فارم موصول ہوا اور کورنگ لیٹر بھی۔ لیٹر کے نیچے آپ کے دستخط بھی ہیں (معلوم ہوتا ہے آپ نے اپنے دستخط پر کافی دیر مشق کی ہے) لیٹر پڑھ کر شبہ ہوا کہ اس بار آپ کا رویہ زیادہ سخت ہے۔ یعنی آپ صرف رسمی مردم شماری کر کے ٹالنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے ذریعے معاشرے کی کوئی خدمت کرنا چاہتے ہیں کیونکہ آپ نے ہدایت کی ہے کہ فارم کا ہر خانہ تفصیل کے ساتھ پُر کیا جائے اور ہر تفصیل کا پس منظر بتایا جائے تاکہ معاشرے کی پوری تصویر اُبھر کر آجائے یعنی آپ بندوں کو صرف گننا نہیں چاہتے تولنا چاہتے ہیں۔

چونکہ آپ کا مقصد نیک ہے اس لئے میں بھی نیک نیتی سے اپنے کوائف حاضر کر رہا ہوں۔

تاریخ پیدائش

سب سے پہلے آپ نے تاریخ پیدائش پوچھی ہے۔ گذارش یہ ہے کہ میری تاریخ پیدائش کا کچھ ٹھیک نہیں۔ والد صاحب کچھ کہتے ہیں والدہ کچھ کہتی ہیں، سکول کے سرٹیفکیٹ میں کچھ درج ہے۔ ہیلتھ سروسز کی جس نرس نے دایہ گیری کی تھی، وہ اپنے عاشق کے ساتھ بھاگ گئی اور رجسٹر پیدائش بچگان ۱۹۱۸ء چرا کر ساتھ لے گئی۔ پنڈت دھردھریندر نے زائچہ تیار کیا تھا جو بعد میں انتہائی غلط نکلا اس لئے مجھے اس کی تاریخ پیدائش پر اعتبار ہی نہیں مثلاً زائچہ میں میرے دھن کے خانے شکر تارہ بٹھا دیا تھا جس کا مطلب تھا بچہ دھناڈ ہے لیکن زندگی بھر مجھے ایک صوفہ سیٹ تک نصیب نہ ہوا یعنی عمر بھر سنیچر ستارہ سوار رہا۔ لیکن پنڈت جی کا بیان ہے کہ آپ کے والد صاحب نے میرے ساتھ دھوکا کیا تھا اور پانچ روپے کے بجائے پانچ آنے فیس دی تھی اس لئے صرف پانچ میں شکر ستارہ زیادہ دیر تک خانہ میں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔

جس دن پیدا ہوا تھا اسی دن والدِ محترم جوا کھیلنے کے جرم میں گرفتار ہوئے تھے چنانچہ پولیس کے ضمنی رجسٹر میں سے وہ تاریخ دیکھی جا سکتی ہے ولیکن ایسا کرنا ایک بے ہودہ حرکت ہوگی۔

نام

آپ نے میرا نام پوچھا ہے۔ خاندانی پنڈت نے دھن راشی نکال کر "فقیرا" نام رکھا مگر نانی نے منت مانی تھی کہ اب کے نواسا ہوا تو اسی اس کا نام "گلاب" رکھوں گی۔ چنانچہ فقیرا اور گلاب دونوں شانہ بشانہ چلتے رہے لیکن اچانک گلاب کا لفظ "گل" میں بدلنے لگا اور فقیرا معدوم ہونے لگا — مجبوراً اسکول میں گل پرشاد رکھدیا گیا۔ بڑا ہو کر لوگ تنطیماً "گل" بابو کہنے لگے۔ کالج لائف میں مس چاند سے قدرے عشق ہوگیا اور چاند تخلص اختیار کیا اور ہجر و وصال دونوں پر شاعری کی۔ ان دنوں لوگ حضرت چاند کہہ کر نوازا کرتے تھے۔ مس چاند کے بیاہ کے بعد شاعری اور تخلص دونوں چھوٹ گئے — میری بیوی مجھے پیار سے "سنئے جی" کہہ کر پکارتی ہے اور یہ نام بھی مجھے کچھ غلط معلوم نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں خدا کے کئی نام ہیں اور میں سمجھتا ہوں میری حالت خدا سے زیادہ بدتر ہے۔

ولدیت

تیسرے خانہ میں آپ نے والد صاحب کے متعلق پوچھا ہے۔ والد صاحب بڑے غصیلے اور سخت گیر انسان تھے اس لئے لوگ انھیں ڈر کے مارے "لالہ جی" کہہ کر بلاتے تھے۔ ایک بار ایک پٹواری نے انھیں اصلی نام سے پکارا تھا تو پٹواری پر انھیں اتنا طیش آیا کہ اس کی مرغی چرا کر کھا گئے۔ آخری عمر میں بہرے ہو گئے تھے اس لئے نہ اصلی نام سن سکتے تھے نہ نقلی۔

قوتِ سماعت کے بعد جب قوتِ بینائی بھی کھو بیٹھے تو انھوں نے انتقال مناسب سمجھا انتقال کے بعد ان کے قرض خواہوں نے ان کے اصلی نام کا انکشاف کیا۔ دلیکن اب ایسے معروف نام بتلاتے ہوئے بھی شرم آتی ہے ہم

آج کل سرکاری کاغذات میں ہم اپنے والد صاحب کا جو نام لکھواتے ہیں وہ ہے "شری سکھ بہاری لال"، لیکن یہ نام ہماری سرکار نے سرکاری ضروریات کی خاطر خود ایجاد کیا ہے اس میں والد صاحب کا نہ کوئی قصور ہے نہ تعلق۔ ۴

ذات

آپ نے ذات پوچھی ہے، ذات بھاٹیہ ہے ــــ سنا ہے آبا و اجداد راجپوت تھے اور پانچ ہزار سال پہلے راجستھان سے بھاگ کر یہاں آن بسے تھے۔ بھاگنے کی وجہ کوئی نہیں بتاتا، سبھی شرماتے ہیں۔ ایک روایت اور بھی ہے کہ سلسلۂ نسب بھگوان کرشن سے ملتا ہے۔ بھگوان کرشن لکھن کہلاتے تھے، ہم بناسپتی کہلاتے ہیں اس لئے یہ روایت بھی کچھ رواتی معلوم ہوتی ہے۔ سرکاری کاغذات میں بھاٹیہ کے ساتھ بریکٹ میں لفظ "راجپوت" لکھ دیتا ہوں۔ آج کل کے زمانہ میں شجاعت بریکٹ میں ہی دکھائی جا سکتی ہے ــــ اگلے زمانے کے راجپوتوں کی بات اور تھی (رواتی اور تھی)

ایک بزرگ کا خیال ہے کہ ہماری اصل کشمیری ہے اور ہم بھاٹیہ نہیں بلکہ "کشمیری بٹ" ہیں۔ کئی بزرگ ہیں بھاٹیہ کے بجائے بھاٹ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم موسیقی اور شاعری میں یکتا تھے اور راجاؤں کے درباروں میں ہماری بڑی قدر و منزلت تھی مگر اس قدر و منزلت کے باوجود مجھے درباری بھاٹ کے مقابلہ پر راجپوت لفظ زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ بھاٹ اور بھاٹیہ میں جو صوتی ہم آہنگی ہے وہ گمراہ کن ہے صرف صوتی مناسبت کی خاطر کون اپنا مرتبہ گرا دیتا ہے۔

عمر

عمر کے سلسلہ میں کیا بتاؤں۔ تاریخ پیدائش میں کنفیوژن کے باعث صحیح عمر بتانا شائستگی نہیں۔ گزشتہ ہفتے ڈاکٹر نے بینائی ٹسٹ کرتے ہوئے کہا: "عینک کا نمبر بدلوانا پڑے گا۔ معلوم ہوتا ہے عمر چالیس کے پیٹے میں جا پہنچی ہے۔"

پامسٹری کے ایک ماہر نے کہا تھا کہ چالیسویں برس میں پہنچتے ہی تم اچانک مشہور ہو جاؤ گے چنانچہ پرسوں ایک غنڈے نے شراب کے نشے میں دھت ہو کر مجھے اتنا پیٹا کہ میری ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی اور اخباروں میں جلی سرخیوں کے ساتھ یہ خبر چھپ گئی اور میں ملک بھر میں مشہور ہو گیا۔

لہٰذا عمر چالیس ہی سمجھی جائے لیکن ذہنی طور پر پچھتر برس کا ہو چکا ہوں۔ چرکے بہت کھائے ہیں۔

شادی شدہ یا کنوارا

میری شادی کی کیفیت یہ ہے کہ مجھے شادی شدہ ہی سمجھئے کیونکہ بیوی کی صریحاً موجودگی میں

مجال انکار ممکن نہیں۔ "شادی شدگی" کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ میرا ذہنی ارتقاء رک چکا ہے مثلاً گزشتہ سال میں نے جیل جانا چاہا کیونکہ اس کے بعد مجھے ایک سیاسی پارٹی کی لیڈرشپ کی واضح پیش کش ہو رہی تھی۔ لیکن میرے ایک بچے نے کہا کہ میرے سالانہ امتحانات نزدیک ہیں اس لئے آپ فی الحال جیل مت جائیے امتحانات کے بعد چلے جائیے گا۔ چنانچہ بچے کے مستقبل کی خاطر میں نے اپنا مستقبل خراب کر لیا۔ (حالانکہ اس کے باوجود بچہ فیل ہو گیا۔)

شادی کے بعد میرا خانہ آباد ہو گیا۔ نہ صرف بیوی سے بلکہ متعدد اور چیزوں سے بھی ــــ مثلاً بچوں سے، چوہوں سے، کیلنڈروں سے، چارپائیوں سے، پیالوں سے، انگیٹھیوں سے، ساڑھیوں اور جمپروں سے اور ان سب کی خاطر نت نئے بلوں سے۔ سوچتا ہوں اگر میری شادی نہ ہوتی تو یہ سب چیزیں کہاں جاتیں؟ کہاں ٹھکانا کرتیں؟ شادی نے مجھے ہر چیز سے ہمدردی کرنا سکھا دیا ہے۔

لیکن کبھی کبھی جب رات گہری ہو جاتی ہے۔ سارا کنبہ خوابِ استراحت میں محو ہوتا ہے تو میں نیند، پیاری نیند کو آوازیں لگا رہا ہوتا ہوں مگر وہ حسبِ معمول نہیں آتی چنانچہ مجھ پر ایک بار پھر کنوارا بننے کی دھن سوار ہو جاتی ہے اور میں گوتم بدھ کی طرح سارے کنبہ پر ایک نظر ڈالتا ہوں، ہیلپر پہنتا ہوں اور راہِ فرار پر ابھی دو ہی قدم چلتا ہوں کہ بیوی کی آواز آتی ہے "نیند نہیں آ رہی ناڈارلنگ! یہ سب مچھروں کی کارستانی ہے اس بار آپ کے لئے ایک مچھر دانی ضرور لے آؤں گی!"

میں اسے یہ نہیں بتاتا کہ مجھے تو گرہست کے مچھر کاٹ رہے ہیں بلکہ پھر چپ چاپ چارپائی پر لیٹ جاتا ہوں اور سوچنے لگتا ہوں کہ جو بیوی مجھ سے اتنی محبت کرتی ہے اسے چھوڑ دینے سے زیادہ بہتر ہے کہ ایک مچھر دانی خرید لائی جائے۔

آمدنی

میری آمدنی کیا ہے؟ ــــ اس سلسلے میں پامسٹری کے ایک عالم کا قول دہرانا مناسب سمجھتا ہوں جس نے کہا تھا، تمہاری ماہانہ آمدنی ایک ہزار روپیہ ہے لیکن معلوم ہوتا ہے جیوتشی مذکور نے ہاتھ میرا دیکھا، آمدنی کسی اور کی بتادی ــــ جس دن اس نے ایک ہزار ماہانہ آمدنی کی پیش گوئی تھی اس دن میں نے فرطِ مسرت سے سیونگز بینک میں سے ایک سو روپیہ نکلوا کر غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلا دیا تھا۔ بس اس کے بعد نہ تو وہ جیوتشی ہاتھ آیا نہ ایک ہزار روپیہ۔ سیونگز بینک میں وہ ایک سو روپیہ دوبارہ کبھی جمع نہیں ہو سکا، البتہ گذشتہ سال ایک مہینہ ایسا آیا تھا جب مجھے ایک ہزار روپے کی آمدنی ہوئی تھی۔

لیکن بعد میں سرکار نے وہ روپیہ مع سود واپس وصول کر لیا کیونکہ میں نے وہ روپیہ بطور قرض لیا تھا۔

الغرض میری آمدنی اتنی ہی ہے جتنی ہونی چاہیئے۔ بچپن میں ایک کہانی پڑھی تھی کہ ایک لالچی آدمی جس چیز کو بھی ہاتھ لگاتا سونے کی ڈلی بن جاتی، حتیٰ کہ پانی بھی سونے کی سل بن گیا — اس کہانی کا مجھ پر اتنا گہرا اثر ہوا کہ اب اگر میں پانی کو ہاتھ لگاؤں تو وہ پانی ہی رہتا ہے — مئے دوشینہ نہیں بن جاتا۔ اس کہانی نے میرا اخلاق بلند کر دیا اور میرے اخلاق کی اتنی زیادہ تعریف ہونے لگی کہ میں نے خود بھی اخلاق کی بلندی پر کہانیاں لکھنا شروع کر دیں۔ ان کہانیوں کو جس پبلشر نے بھی ہاتھ لگایا سونے کی ڈلیاں بن گئیں لیکن اس کے مقابلہ پر میں نے جس چیز کو بھی ہاتھ لگایا کہانی بن گئی۔

روپے کو ہاتھ کی میل سمجھتا ہوں مگر ہاتھ پر بہت کم میل رہتی ہے کیونکہ حفظانِ صحت کا قائل ہوں اور مہینہ کے آخر میں تو ہاتھ اتنا صاف ہو جاتا ہے کہ چوم لینے کو جی چاہتا ہے — میرے ایک پڑوسی کی آمدنی لاکھوں روپے ہے مگر اس کے ہاتھ پر چنبل لگی ہوئی ہے جس سے ہر وقت پیپ رستی رہتی ہے — لیکن اس نے اسی ہاتھ سے کئی مذہبی اداروں کا سنگِ بنیاد رکھا ہے۔

مکانیت

مکان کی پوزیشن یہ ہے کہ آبا و اجداد کے پاس ایک مکان تھا (والدہ محترمہ نے جب انتقال فرمایا تو یہ قسم کھانے کے بعد ہی انتقال فرمایا کہ ہمارے پاس واقعی ایک مکان تھا) مگر میں نے اُسے کبھی اپنا نہیں سمجھا کیونکہ والد صاحب اور چچا جان میں اکثر یہ گفتگو رہی میں 'تو تو' رہتی تھی کہ مکان کس کا ہے۔ والد صاحب کا یا چچا جان کا — اور جب والد اور چچا تیرہ سال تک کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے تو میں وہ مکان چھوڑ کر گھر سے بھاگ گیا اور دوبارہ کبھی قدم نہیں رکھا۔

چونکہ خیالات باغیانہ تھے اس لئے تیرہ برس سے سولہ برس کی عمر تک فٹ پاتھوں پر ٹھکانہ رہا۔ بعد میں قدرے خود قدری پیدا ہوئی تو ایک دوست کے موٹر گیراج میں رہنے لگا۔ ایک بار پبلک ویلفیئر کمیٹی نے بے گھر بھکاریوں کے لئے "رین بسیرا" نام سے آشرم تعمیر کروایا تو میں ایک بھکاری کو دوست بنا کر وہاں اٹھ آیا جہاں ایک کمرہ چھپن بھکاریوں کی آماجگاہ تھا۔ انسانیت کی یہ تذلیل دیکھ کر سخت غصہ آتا تھا (کیونکہ خیالات بدستور باغیانہ تھے) لہٰذا ایک دن کمیٹی کے چیرمین سے جھڑپ ہوگئی اور مجھے امن عامہ میں خلل ڈالنے کے جرم میں آشرم سے نکال دیا گیا۔ اس وقت سے کرائے کے مکانوں میں رہنا شروع کر دیا۔ چالیس برس کی عمر تک یہ جذبہ خودی کام کرتا رہا اور کرائے کے بیسیوں مکانات مجھے اپنی پناہ

میں لیتے رہے۔ اس دوران میں ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا جس میں پہلے بندر رہتے تھے۔ میرے آنے کے بعد مجھ میں اور بندروں میں چھینا جھپٹ "سول وار" رہی لیکن بالآخر فریقین میں پُرامن سمجھوتہ ہو گیا یعنی یوں کہ بندر صبح شام کھانا ہمارے ہاں تناول فرمائیں گے اور باقی وقت گھر سے باہر گزاریں گے ـــ مگر ان میں سے ایک بندر انتہائی سرکش اور کینہ توز تھا۔ آخر وقت تک اس نے "سول جہاد" جاری رکھی۔ یعنی موقع پاتے ہی ہمارے اکلوتے کمرہ میں گھس آتا اور ہمارے کھانے پینے کی چیزیں اٹھا کر بھاگ جاتا۔ رات کو ہمارے برآمدہ میں ہی سویا کرتا تھا ـــ آخر ایک بار جب اُس نے میرے ننھے بیٹے کو کاٹ کھایا تو میں نے وہ مکان چھوڑ دیا۔

آج کل میں جس مکان میں رہتا ہوں وہ میرا اپنا ہے (کیونکہ باغیانہ خیالات بالآخر تنگ آ کر مجھ سے بغاوت کر کے چلے گئے) ایک کمرہ ہے، ایک باورچی خانہ ہے، ایک ننھا سا باتھ روم اور مختصر سی بالکونی۔ اس سے زیادہ کی نہ ہوس ہے نہ گنجائش۔ بڑی بڑی کوٹھیاں اور بنگلے دیکھ کر اب نفرت بھی نہیں ہوتی کیونکہ اب عقل مند ہو گیا ہوں۔ ایک بار ایک دوست کے وسیع لان میں بیٹھ کر ایک غزل لکھی تھی۔ احباب نے کہا "غزل گھٹیا ہے، پچھلی بار تم نے جو غزل سنائی تھی وہ نہایت اعلیٰ تھی۔"

میں نے کہا "وہ میں نے اپنے ہی مکان پر بیٹھ کر لکھی تھی"

مجھے خطرہ ہے کہ اگر اتھارٹیز کو علم ہو جائے کہ میرے مکان پر جو بھی غزل لکھی جاتی ہے وہ زیادہ بہتر ہوتی ہے تو شاید وہ میرا ہاؤس ٹیکس بڑھا دیں۔

تعلیم

علم و فضل میں یکتا ہوں۔ مثلاً مجھے یہ علم ہے کہ کتا کائیں کائیں کیوں کرتا ہے اور زیادہ حسین لڑکیاں زیادہ جاہل کیوں ہوتی ہیں۔ یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر ایک روپے کا ایک سیر گڑ آئے تو ایک آنہ میں کچھ بھی نہیں آئے گا (کیونکہ ایک آنہ کا گڑ خریدنے کے لیے بھی ایک آنہ کا جیب میں ہونا لازمی ہے) اس کے علاوہ اور بھی سیکڑوں چیزوں کا علم رکھتا ہوں مثلاً یہ کہ دو آدمیوں میں لڑائی کروانے کا سب سے آسان طریقہ کون سا ہے۔ جھوٹ بولنے میں حُسنِ ادا کی کتنی اہمیت ہے اور یہ کہ بنیادی طور پر ہر انسان میں بے وقوفی کے جراثیم موجود ہیں۔ ماننے یا نہ ماننے اس کی مرضی۔

بہت دیر بعد یہ علم بھی ہوا کہ علم کا تبھی فائدہ ہے، اگر اُس پر عمل کیا جائے لیکن جب مجھے اس بات کا علم ہوا اس وقت تک میں کافی کاہل ہو چکا تھا لہٰذا میں اس تھیوری پر عمل نہ کر سکا۔ ارادہ

ہے کہ اگلے جنم میں احتیاط برتوں گا اور علم کا فائدہ ضرور اٹھاؤں گا (مثلاً کسی مندر کا مہنت بن جاؤں گا)

اولاد

اولاد میں میرے تین بچے ہیں اور ایک بلی۔ بلی کو بیٹی کا درجہ دیتا ہوں اور جلد ہی کوئی اچھا سا خاندانی بلا تلاش کر کے اس کے ہاتھ پیلے کردوں گا۔

باقی تین بچوں میں دو لڑکیاں ہیں ایک لڑکا۔ جب سے یہ تینوں بچے پیدا ہوئے ہیں، میرے گھر میں ہی رہ رہے ہیں۔ اگر گھر سے باہر کبھی جائیں بھی تو شام کو پھر گھر لوٹ آتے ہیں ان کے بوٹ پھٹ جائیں تو مجھی سے نئے بوٹ کا تقاضا کرتے ہیں اور اگر میں خرید کر نہ دوں تو بسور کر کہتے ہیں "جاؤ، ہم تم سے نہیں بولیں گے۔"

اگر بچے اپنے باپ سے نہ بولیں تو محلہ برادری والے اعتراض کرتے ہیں اس لئے میں انھیں بوٹ خرید کر لا دیتا ہوں اور پھر وہ بوٹ پہن کر محلہ بھر کو دکھاتے ہیں اور باپ کی ساکھ جاتے ہیں۔

میں اور میری بیوی دونوں ان کی تربیت میں جی جان سے جٹے رہتے اور وہ ان دو تربیت گاہوں میں دو الگ الگ راستوں پر بیک وقت تربیت حاصل کر رہے ہیں مثلاً اگر میں ایک بچے سے کہوں کہ محلے کے بچوں سے مت لڑا کرو تو بیوی اس سے کہتی ہے کہ ضرور لڑا کرو۔ ورنہ محلہ کے لڑکے تمھیں سمجھیں گے بزدل ہے۔ ایک بار میں نے اپنی بیٹی سے کہا، باسی روٹی مت کھایا کرو لیکن شام کو جب لوٹا تو وہ باسی روٹی کھا رہی تھی، میں نے احتجاج کیا تو بیوی کہنے لگی کھانے دو، بچی ہے آہستہ آہستہ سمجھ جائے گی۔ میں نے ہی اسے کھانے کے لئے کہا ہے۔

اور ہمارے بچے اتنے زیرک ہیں کہ اس دہری تربیت پر ذرا نہیں گھبراتے جب چاپ اپنا کام کئے جاتے ہیں۔ اور ہم دونوں کی محبت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں (یعنی وہ صحیح معنوں میں ہمارے قومی کلچر کے نمائندے ہیں)

مذہب

جناب کمشنر صاحب آپ نے میرے مذہب کے بارے میں استفسار کیا ہے۔ میں پیدائش کے وقت ہندو تھا۔ جوانی میں اسلام کی طرف رجوع کیا۔ سکھ دوستوں سے مراسم ہوئے تو سکھ دھرم نہایت ہی پرکشش محسوس ہوا۔ کسی نے یہ بتایا کہ یہ تو ہندو دھرم کی ہی ایک شاخ ہے چنانچہ اسے بھی ترک کیا۔ کچھ عیسائی مذہب

انسانیت کو بھی اپنایا لیکن ایک بار اِس مذہب کے کا ایک مرشد ایک ہوٹل میں سے چمچے چراتے ہوئے پکڑا گیا تو میں نے چمچے کی اُجرت ادا کر کے اس مذہب سے بھی پیچھا چھڑا لیا۔

آج کل لامذہب ہوں، میری طرح میری ایک مرغی بھی لامذہب ہے کیونکہ وہ ہندو، سکھ، مسلم عیسائی جس کے ہاں بھی گئی اُسی کے گھر میں انڈے دیتی رہی۔ میں نے ان میں سے ہر ایک گھر کا انڈا کھا کر دیکھا ہے ہر جگہ اس کا ذائقہ انڈے کا سا ہی تھا نمبر یا گرمی کا سا نہیں۔

میرے بچے مجھ سے اکثر پوچھتے ہیں "والد صاحب! ہمیں بتایئے، ہم کون سے مذہب والے ہیں؟" اور میں اُنہیں کہا کرتا ہوں "مذہب عشق والے!" ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں لیکن جب ذرا ہوش سنبھالیں گے تو کسی نہ کسی چڑیا، طوطے، بسکٹ، بائیسکل، چارپائی، نکٹائی، بچا نمبر یا نیا وغیرہ سے عشق کرنے لگیں گے اور وہی ان کا مذہب بن جائے گا۔ (میرا خیال ہے اسے ہی مذہبی آزادی کہتے ہیں۔)

سیاسی خیالات

آپ کے فارم کے آخری خانہ میں درج ہے کہ میرے سیاسی خیالات کیا ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میرے اندر سیاسی خیالات پیدا ہو گئے جب لوگوں کو یہ معلوم ہوا کہ میرے اندر سیاسی خیالات آگئے ہیں تو وہ ہر روز میرے گھر آنے لگے۔ ایک بار میں اپنے گھر میں بیٹھا گلاب کا پھول سونگھ رہا تھا تو ایک صاحب آگئے اور بولے "آپ کے سیاسی خیالات تو کچھ اور ہیں مگر آپ یہ گلاب کا پھول سونگھ رہے ہیں۔ لوگ اعتراض کریں گے۔"

"کیوں؟"

"کیونکہ آپ کے سیاسی خیالات کا تقاضا ہے کہ جب تک ہر انسان میں پھول سونگھنے کی عادت پیدا نہ ہو جائے اُس وقت تک آپ بھی اس خوشبو سے پرہیز کریں اور قربانی کا ثبوت دیں۔"

"قربانی سے کیا ہوگا؟"

"آپ سیاسی رہنما بن جائیں گے۔"

—— آج کل میرے گھر کوئی نہیں آتا اور میں بلا جھجک گلاب کی خوشبو سونگھتا ہوں۔ اسی خوشبو کم بخت نے مجھے سیاسی لیڈر نہیں بننے دیا لہذا میرے اندر سے سیاسی خیالات نکل گئے اور صرف گلاب کی خوشبو باقی رہ گئی۔

اب سوائے خفیہ پولیس کے میرے سیاسی خیالات سے کوئی آگاہ نہیں، خود میں بھی نہیں۔"

(بشکریہ نقوش لاہور)

بکھرے موتی

کنجِ تنہائی میں دیتے ہیں دلاسے کیا کیا — دلِ بیتاب کو ہم اور دلِ بیتاب مجھے (ذوقؔ)

جنھیں اُس نے لکھا ہے حرفِ تسلّی — وہ کمبخت برسوں تڑپتے رہے ہیں (داغؔ)

نہ جانے محبت کا انجام کیا ہے — میں اب ہر تسلّی سے گھبرا رہا ہوں (احسانؔ دانش)

قلق اور دل میں سوا ہو گیا — دلاسا تمھارا بلا ہو گیا (فانیؔ)

یہ تو نہیں کہتا ہوں کہ سچ مچ کرو انصاف
جھوٹی بھی تسلّی ہو تو جیتا ہی رہوں میں (سوداؔ)

بھولے بن کر حال نہ پوچھو بہتے ہیں اشک تو بہنے دو
جس سے بڑھے بے چینیٔ دل کی ایسی تسلّی رہنے دو (آرزوؔ لکھنوی)

اس نامراد دل کی تسلّی کو کیا کروں
مانا کہ تیرے رُخ سے نگہ کامیاب ہے (غالبؔ)

مجھے دے رہے ہیں تسلّیاں وہ ہر ایک تازہ پیام سے
کبھی آ کے منظرِ عام پر کبھی چھپ کے منظرِ عام سے (جگرؔ مرادآبادی)

جائزے

والڈن

معنف : ہنری ڈیوڈ تھورو

مترجم : علی عباس حسینی

ناشر : مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی
برائے ساہتیہ اکیڈمی۔ نئی دہلی

صفحات : ۴۹۶ $\frac{۲۰ \times ۳۰}{۱۶}$

قیمت : چھ روپے پچاس نئے پیسے

انیسویں صدی کے مشہور امریکی مصنف ہنری ڈیوڈ تھورو ایک باکمال انشاپردازہی نہیں ایک باعمل عالم اور مفکر بھی تھا، اس کی خود اعتمادی نے زندگی کے اس منفی اور حقائق کے اس علم کو ماننے سے انکار کردیا جو اسے اپنے ماحول سے اور اجداد سے ورثہ میں ملا تھا۔ اس نے صرف اپنی کوشش سے انسانی زندگی اور قدرت کے ازلی رشتہ کو سمجھنے کی کوشش کی بلکہ شہر کی مصنوعی آسائشوں اور ہماہمی سے دور 'والڈن' نامی ایک صحرائی تالاب کے کنارے فطرت کے آغوش میں، اسے سکونِ قلب حاصل ہوا۔ یہاں اسے وہ راحت اور مسرت ملی جو اس کے نزدیک، انسانی وجود کا اصل منشا ہے ہر قسم کے تردد سے بے نیاز ہوکر یہاں اس نے برفانی ہواؤں کے لمس سے زندگی کی حرارت محسوس کی۔ تالاب کی موجوں کے مست و سرشار راگ، صحرائی جانوروں کا بے پروا خرام، درختوں اور پودوں کی معصوم ادائیں۔ خزاں کی خاموش بردباری۔ آبی پرندوں کے قہقہے، بہار کی شوخی نمو اور ایسے ہی نہ جانے کتنے مناظر میں اس نے فطرت کی معنویت اور اپنے وجود کی حقیقت کو دریافت کیا۔

'والڈن' قدرت کی نیرنگیوں کا گہرا مطالعہ ہی نہیں انسانی فطرت اور اس کی باطنی قوت کی ایک بازیافت بھی ہے۔ اس میں زندگی کی تفسیر فلسفیانہ ہوتے ہوئے بھی عملی ہے۔ تھورو نے غوروتامل کے بعد جو نتائج اخذ کئے ہیں ان کا ماخذ اس کے نوبہ نو تجربات ہیں۔ لیکن چونکہ اس کا مشاہدہ اور اس کے تجربات انسانی معاشرہ سے الگ اور تاریخی قوتوں کے احساس سے تقریباً بے گانہ ہیں اس نے زندگی بسر کرنے کا جو تصور وہ ہمیں دیتا ہے وہ ایک طرف فرد کی آزادی اور خود اعتمادی کا اعلان ہے اور دوسری طرف انسان کی قوت اور اس کے امکانات کے محدود ہونے کا اعتراف۔ وہ فطرت

کی تسخیر کا نہیں اس سے دائمی مفاہمت کا راستہ ہے۔

یہ کتاب دراصل فطرت کی اجنبی اور اچھوتی وادیوں میں تھورو کی روح کا مقدس سفر ہے۔ اس کی روح کے لطیف اور نازک تجربات ناول کی طرح دلچسپ ہیں۔ انداز بیان شگفتہ، شائستہ اور شاعرانہ ہے۔ مترجم نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ ترجمہ میں مصنف کے اسلوب کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ اردو زبان اور اس کے محاورات کی دلکشی بھی برقرار رہے۔ اور اس مقصد میں وہ کامیاب ہے۔ ترجمہ اتنا سادہ، رواں، سلیس اور سلجھا ہوا ہے کہ کتاب ایک بار شروع کر کے ختم کئے بغیر چارہ نہیں ہوتا۔

تھورو کے یہ چند دانشورانہ اقوال ملاحظہ فرمائیے

۱۔ "بڑھاپا نہ جوانی سے زیادہ نہ اس کے برابر اس کا اہل ہے کہ وہ ہدایت دے اور نصیحت کرے۔ اس لئے کہ بڑھے نے جتنا حاصل کیا ہے اس سے زیادہ ضائع کیا ہے۔"

۲۔ "ہماری فطرت کی لطیف ترین صفات، پھلوں کی آب و تاب کی طرح بہت نازک لمس ہی سے باقی رکھے جا سکتے ہیں۔ اس پر بھی ہم خود اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ اس طرح کا سلوک نہیں کرتے جس سے یہ لطافت مجروح نہ ہو۔"

۳۔ "انسانوں کی اکثریت خاموش یاسیت کی زندگی بسر کرتی ہے۔۔۔۔ ہم جسے کھیل اور تفریح کہتے ہیں اس میں بھی ایک طرح کی غیر شعوری یاسیت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ حقیقی تفریح نہیں ہے اس لئے کہ حقیقی تفریح کا کام ہی کے بعد ہو سکتی ہے۔ ناامیدانہ حرکات سے احتراز دلیل ہوشمندی ہے۔"

(ڈاکٹر قمر رئیس)

سمندر کے نیچے

مصنفہ :- سلطانہ آصف فیضی

ناشر :- رائٹرس امپوریم (پی) لمیٹڈ، بمبئی ۱

صفحات :- ۱۱۶ ~~۲۰×۳۰/۱۶~~

قیمت : دو روپے ۲۵ نئے پیسے

محترمہ سلطانہ آصف فیضی سے ہمارے بڑوں اور بچوں دونوں کی دنیا واقف ہے۔ آج چند سال پہلے انھوں نے "سمندر کے کنارے" کے نام سے بچوں کے لئے ایک مفید اور دلچسپ کتاب آسان و دلکش زبان میں لکھی تھی۔ اب وہ بچوں کو ساحل سے سمندر کی تہ تک لے جاتی ہیں۔ اس کتاب

میں انھوں نے سمندر کی تہ میں خدا کی قدرت کے جو مظاہر موجود ہیں ان کی بڑی دلچسپ نقاشی کی ہے۔ رنگین تصاویر نے دل کشی کے ساتھ ساتھ معلومات میں کافی اضافہ کر دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ یہ کتاب بھی اتنی ہی مقبول ہوگی جتنی ان کی پہلی دو کتابیں "عروس نیل" اور "سمندر کے کنارے" ہوئی ہیں۔

اردو میں بچوں کے لئے ایسی معلوماتی کتابیں تقریباً نہیں ہیں اس لئے یہ کتاب اس خزانہ میں ایک قیمتی اضافہ ہے۔

نجیب اشرف ندوی
ڈائرکٹر انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، بمبئی

★

"بے ساختہ و بے ضابطہ"

مصنف : وجاہت علی سندیلوی
ناشر : ادبی دنیا، پارک گونگے نواب۔ لکھنؤ
صفحات : ۲۵۶ $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت : دو روپے ۵ ۷ نئے پیسے۔

چودھری وجاہت علی سندیلوی کے چوبیس مزاحیہ افسانوں اور خاکوں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے جو دو سو چھپن صفحات تک چلا گیا ہے۔ باوجود دبیز سفید کاغذ اور دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے اس کی قیمت صرف دو روپے بارہ آنے رکھ کر حسن صاحب نے بھی یہ کتاب چھاپی ہے خواہ وہ خود مصنف کی ذاتِ گرامی ہو یا لکھنؤ کی ادبی دنیا والوں کا کارنامہ اچھی خاصی حاتم کی قبر پر لات ماری ہے اور سچ پوچھئے تو ایک بھاری بھر کم مجموعہ کی قیمت ہی نحیف و لاغر قیمت بردار مجموعے شائع کرنے والوں پر ایک بھرپور طنز ہے۔

جہاں تک مجھے ذاتی طور پر علم ہے وجاہت صاحب چار بچوں کے حقیقی باپ ہیں۔ اب اگر ان کی ان چار معنوی اولادوں یعنی نئی زندگی، طشت از بام، بے ساختہ اور بے ضابطہ اور غالب کے قلم زدہ اشعار کو شامل کر لیا جائے تو مصنف ایک بھرپور باپ کہلائے جانے کے مستحق ہیں۔ وہ ایک کہنہ مشق افسانہ نگار ہی نہیں بلکہ سی جوش کئے ہوئے صحافی محقق اور وکیل بھی ہیں۔ لکھنؤ کے مشہور "روزنامہ قومی آواز" میں گلوریوں کے مزاحیہ کالم کے تحت وہ اپنی شوخ نگار میں اتنی شہرت حاصل کر چکے ہیں اور ادبی اور اخباری دنیا میں اتنے زیادہ متعارف ہو چکے ہیں

کہ اب اُن کا مزید تعارف اُن کی شہرت کو سفینہ میں مبتلا کرنے کے مترادف ہوگا۔ اگر یہ شروع میں دو سنجیدہ افسانوں کے مجموعے نہ ترتیب دے چکے ہوتے تو اُن کے مزاحیہ انداز پر اتنی سنجیدگی نہ غالب نہ ہوتی۔ اسی طرح اگر وہ زیر نظر مجموعہ پہلے لکھتے اور سنجیدہ افسانے بعد میں لکھنے بیٹھتے تو غالباً اُن کی سنجیدگی پر مزاح کا غلبہ ہوتا اُن کے تمام مزاحیہ خاکوں اور افسانوں کو پڑھنے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ زیر لب مسکراہٹ کے قائل ہیں اور قہقہوں کو مزاح نہیں سمجھتے۔ اب اگر بعض جگہ دانستہ یا نا دانستہ طور پر اُن کے قلم سے قہقہہ آور فقرے نکل گئے ہوں تو اُس کی تمام تر ذمہ داری پڑھنے والے کے مزاج پر عائد ہوتی ہے۔ ماحول سے مزاح پیدا کرنا مراد آباد میں مردے زندہ کرنے سے کم مشکل کام نہیں وہ ماحول سے ایسا مزاح پیدا کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کے لبوں پر خود بخود مسکراہٹ کھیلنے لگتی ہے۔ وہ نہ تو تابڑ توڑ فقروں کے تیر چلاتے ہیں اور نہ مضحک الفاظ اور فقروں کو مزاح پیدا کرنے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اُن کو زبان اور محاورات پر خاصی قدرت ہے اور چونکہ مشاہدہ بے حد قوی ہے اس لئے وہ جزئیات پر اس انداز میں روشنی ڈالتے چلتے ہیں کہ اگر حالات میں کوئی مضحک بات ہوتی ہے تو وہ سطح پر آجاتی ہے۔

زیر نظر مجموعے میں استغفراللہ، شیریں فرہاد، پنڈت جی اور مرنجھو اور افواہوں کے نام جو خاکے اور افسانے ہیں وہ سنجیدہ مزاح کا ایک دلکش نمونہ ہیں۔ خاصدان کے عنوان سے انھوں نے قومی آواز کی گلوریوں سے نکال کر جو قلم برداشتہ لکھے ہوئے بڑے ٹکڑے درج کئے ہیں اُن سے گلے ... وہ بہت سنجیدگی بن کر سامنے آجاتے ہیں۔

غلام احمد فرقت کاکوروی

کتاب نما میں دی ہوئی ہر کتاب براہ راست
مکتبہ جامعہ لیمٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی سے منگائی جا سکتی ہے۔
اس کے علاوہ
مکتبہ جامعہ لیمٹڈ، اردو بازار، دہلی ۶
اور
مکتبہ جامعہ لیمٹڈ، پرنسس بلڈنگ، متصل جے جے اسپتال، بمبئی ۳
سے بھی حاصل کی جا سکتی ہیں جہاں ان کے علاوہ بھی آپ کو ہر قسم کی علمی، ادبی کتابیں ملیں گی۔

ادبی خبریں

مرتبہ: ظلِ عبّاس عبّاسی

(ان صفحات پر علمی ادبی، ثقافتی اور اشاعتی خبریں دی جاتی ہیں، جو حضرات اس قسم کی خبریں مرحمت فرمائیں گے انھیں شکریہ کے ساتھ شریک اشاعت کر لیا جائے گا۔ خبریں مختصر ہونا ضروری ہیں)

اہلِ علم کو اعزاز

یوم آزادی کے موقع پر صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے چار سنسکرت کے عالموں اور ایک عربی کے فاضل کو اعزاز کی اسناد دی ہیں، ڈاکٹر شری پد کرشنا بیل والکر، مسٹر این ایس اننتا کرشنا شاستری، مسٹر کالی پد ترکچاریہ اور مسٹر کاسی کرشنا چاریہ، ڈاکٹر مصطفےٰ حسن علوی (عربی)، سند اعزاز کے ساتھ تاحیات ۱۵۰۰ روپے سالانہ بھی ملا کریں گے۔

کشمیر میں مفت تعلیم

وزارتِ تعلیم نے اسمبلی میں اعلان کیا ہے کہ اسٹیٹ میں تیسرے پانچ سالہ پلان کے خاتمہ تک مفت اور لازمی تعلیم کردی جائے گی اور تعلیم میں اصلاحات کے لئے ایک اعلیٰ اختیار کمیٹی بھی مقرر کی جائے گی۔

میڈیکل طلبہ کے لئے قومی کتب خانہ

ہندستان کے وزیر صحت نے ۲۵ ر اگست کو راجیہ سبھا میں یہ اعلان کیا ہے کہ میڈیکل طلبہ کے لئے ایک نیشنل لائبریری قائم کرنے کی تجویز زیر تکمیل ہے، اس لائبریری میں ادویات سے متعلق زیادہ سے زیادہ کتب کا ذخیرہ جمع کیا جائے گا۔

سبھاش بوس کے مضامین

وزیر اطلاعات و نشریات نے لوک سبھا میں اعلان کیا کہ نیتاجی سبھاش چندر بوس کی تقریروں اور مضامین کی ترتیب کا کام قریب قریب مکمل ہوگیا ہے مگر کچھ مواد اور ملنے کی توقع ہے امید ہے کہ مشرقی ایشیا کے ممالک جلد ہی وہ مواد اشاعت کے لئے فراہم کردیں گے۔

ٹیگور پر فلم کی تیاری

ڈاکٹر کیسکر نے لوک سبھا میں ۱۲ ر اگست کو یہ اعلان کہ گرودیو رابندر ناتھ ٹیگور پر جو فلم تیار ہونے والی ہے اس کا مسودہ تیار ہو چکا ہے اور اب اس کے پروڈیوسر فلم بنانے کے سلسلہ میں مزید اقدامات کر رہے ہیں۔

انگریزی باقی رہے گی

ہندی نہ جاننے والے علاقوں میں عام طور پر وزیر اعظم نہرو کے اس اعلان کا خیر مقدم کیا گیا ہے کہ سرکاری امور پر انگریزی کا استعمال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک ہندی نہ جاننے والے انگریزی کی تبدیل کرنا نہ چاہیں۔

جلیانوالہ باغ کے شہیدوں کی یادگار

جلیانوالہ باغ، امرتسر میں ۱۹۱۹ء کے شہیدانِ وطن کے لئے بنگلور کے عمدہ قسم کے پتھر کی ۵۴ فٹ اونچی محراب نما قسم کی ایک منقش یادگار ۵۰ × ۱۲۵ فٹ کے حوض میں جو اندرونی بجلی کی روشنی سے سجایا گیا ہے قائم کی گئی ہے اور جس پر ہندی اُردو، گورمکھی اور انگریزی چار زبانوں میں "۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کے شہیدوں کی یادگار" کندہ ہے ــــ ۱۳ اپریل ۱۹۶۱ء کو اس کا باقاعدہ افتتاح ہوگا۔

پریم چند میموریل

بنارس سے آٹھ میل کے قریب لاہی نامی ایک گاؤں میں کاشی ناگری پرچارنی سبھا کی طرف سے سوا لاکھ روپے کی لاگت سے جو یہ پریم چند میموریل قائم کی جانے والی ہے، اس کے لئے پندرہ ہزار روپے کا چندہ اب تک وصول ہوچکا ہے۔

اخبار اور کتابوں کے رجسٹریشن کا قانون

۱۶ اگست ۱۹۶۰ء کو لوک سبھا میں پریس اینڈ رجسٹریشن آف بکس (ترمیمی) بل پیش ہوا جس کے مطابق کسی اخبار کی ملکیت تبدیل ہونے، زبان بدلنے یا وقفہ کی تبدیلی کے لئے نیا ڈیکلریشن ضروری ہوگیا ہے اور "بے قاعدگی" برتنے پر رجسٹریشن منسوخ کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ ترمیمی بل پر بعض ممبران نے سخت تنقید کی۔

دہلی سے نیا انگریزی کا اخبار

ستمبر میں دہلی سے ایک نیا انگریزی ماہنامہ "صراط" نکل رہا ہے۔ اس اخبار کے ایڈیٹر غالب ہلالی ہیں، جو اس سے پہلے جمعیۃ علماء ہند کے ہفت روزہ انگریزی اخبار "مسیج" میں کام کرچکے ہیں اور جنوبی ہند کے متعدد اخبارات کی دہلی میں نمایندگی کرتے ہیں۔

یونیورسٹیوں میں محکمۂ روزگار

۱۹۶۲ء تک ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں تقریباً چالیس "تبادلۂ روزگار" مرکز قائم کئے جانے کی تجویز ہے۔ یہ مرکز

منتخب ٹیچرز کی سربراہی میں کام کریں گے۔ یہ نہ صرف اپنی یونیورسٹی کے طلبہ کو رجسٹر کریں گے بلکہ دوسری یونیورسٹیوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ طلبہ کو بھی رجسٹر کرنے کے مجاز ہوں گے۔

بے روزگاری اور آبادی میں اضافہ

ہندوستان کی آبادی میں اضافہ کی رفتار ہونے دو یا ڈھائی فیصدی سالانہ ہے اسی طرح بے روزگاری میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ پہلے پانچ سالہ پلان میں تقریباً پچاس ساٹھ لاکھ آدمی بے روزگار رہ گئے تھے اور تیسرے پلان کے خاتمہ پر اندازہ ہے کہ ایک کروڑ یا سوا کروڑ لوگ بے روزگار رہ جائیں گے۔

نہرو کالج

روہتک کی اطلاع کے مطابق وقف پیر علی شاہ نے نہرو کالج جھجر کو پچاس ہزار روپے کی مالیت کی آراضی دی ہے، اس امر کا اعلان امسال عرس کے موقع پر کیا گیا ہے کالج کے منتظمین نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اس رقم سے پیر فیض علی شاہ میموریل قائم کریں گے۔

پنجاب سے اُردو کا خاتمہ

پنجاب میں ہندی اور پنجابی کی جو لڑائی جاری ہے اس کا ایک تازہ پھل یہ ملا ہے کہ پنجاب سے ۱۹۶۲ء کے بعد سے اُردو کے خاتمہ کا اعلان کر دیا گیا ہے، یہ وہی صوبہ ہے جہاں پنجابی اور ہندی کی لڑائی آج تک اُردو میں لڑی جا رہی ہے۔

گجرات میں ہندی اور گجراتی

گجرات ودھان سبھا نے متفقہ طور پر ۲۴ اگست کو یہ فیصلہ کیا ہے کہ صوبہ (اسٹیٹ) میں گجراتی اور ہندی، دیوناگری رسم خط میں، سرکاری زبان کی حیثیت سے استعمال کی جائے، اور جن کا سرکاری رسالوں میں اعلان ہوتا ہے اس کے علاوہ تمام مقاصد کے لئے صرف یہ دونوں زبانیں ہی استعمال کی جائیں۔

ہندستان میں ٹیلی پرنٹر فیکٹری

ہندستان میں اٹلی کی مشہور فرم اولی ویٹی (Olivetti) سے ہندستان میں ٹیلی پرنٹر فیکٹری قائم کرنے کے انتظامات کی بات چیت مکمل ہو گئی ہے معاہدہ کے مطابق ستمبر ۱۹۶۱ء کے خاتمہ تک ۰۰، ایٹلی پرنٹر اور ۱۹۶۳ء سے تک میں ایک ہزار ٹیلی پرنٹر تیار ہو سکیں گے۔ فیکٹری کے لئے جگہ کا انتخاب بھی ایک ماہ کے اندر اندر کر لیا جائے گا۔

پارلیمنٹ میں ترجمہ

لوک سبھا میں یہ انتظام کیا جارہا ہے کہ جو لوگ انگریزی میں تقریر کریں ان کی تقریروں کا ہندی ترجمہ بھی اسی کے ساتھ ساتھ کیا جائے اور جو ممبران ہندی میں تقریر کریں اُن کی تقریروں کا ایک ساتھ انگریزی میں ترجمہ ہوا کرے تاکہ ممبران جس زبان میں سننا چاہیں اسی زبان کے بٹن کو دبا دیں۔ جس طرح اقوام متحدہ میں ہوتا ہے۔

دہلی کارپوریشن میں اُردو

دہلی کارپوریشن نے ۲۵ اگست کی میٹنگ میں کثرت رائے سے اُردو کو قانونی زبان کی حیثیت سے تسلیم کرلیا ہے اس کے مطابق وزارتِ داخلہ کے مجوزہ مقاصد کے لئے اُردو کو استعمال کیا جاسکے گا۔ میئر کو یہ اختیار دے دیا گیا ہے کہ وہ ایک کمیٹی مقرر کردیں جو میونسپل انتظام میں اُردو کو اُس کا جائز مقام دلانے کے لئے مناسب اقدامات کی سفارش کرے۔

جامعہ کے ٹیلی ویژن پر روسی پروگرام

جامعہ ملیہ میں جو ٹیلی ویژن سیٹ لگایا گیا ہے اس میں حیرت انگیز طور پر روس کا ٹیلی ویژن پروگرام بھی آتا ہے ریڈیو حکام کو بھی سخت تعجب ہے کہ اس قدر دور دراز مقام کا پروگرام صرف جامعہ کے ٹیلی ویژن پر کیوں آرہا ہے جب کہ دہلی کے کسی اور ٹیلی ویژن پر نہیں آتا۔

بقیہ کوائف جامعہ ———— صد ۲

حاصل رہا ہے اور قوی امید ہے کہ اس مرتبہ بھی حاصل ہوگا۔

جامعہ کی پچھلی چالیس سالہ زندگی میں بہت ہی نازک اور سخت دور آئے ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ جامعہ کے ذمہ دار حضرات ان آزمائشوں میں ہمیشہ پورے اترے ہیں۔ ان کی یہ کامیابی صرف اُن کے حوصلوں کا ہی نتیجہ نہیں ہے، بلکہ اس میں قوم کی اعانت اور شغف کو بھی دخل ہے۔ آج جامعہ کو اس کی روزمرہ کی ضروریات کے لئے حکومت کی امداد حاصل ہے، مگر بہت سے ایسے کام ہیں، جن کی ذمہ داری حکومت نہیں لے سکتی اس پر ڈالنی بھی نہیں چاہیئے، مثلاً مذہبی تعلیم کی بعض ذمہ داریاں ہیں، اُردو کی ترویج و اشاعت کا کام ہے، نادار طلبہ کے لئے وظائف وغیرہ۔ یہ قوم کی ذمہ داریاں ہیں اور ان کی طرف قوم ہی کو توجہ کرنی چاہیئے۔ شیخ الجامعہ کی طرف سے چندہ کی ایک اپیل شائع کی جارہی ہے، جس طرح ۱۹۴۶ء میں قوم نے جامعہ کو اس کے مطالبہ سے کہیں زیادہ دیا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ اس مرتبہ بھی فیاضی کا ثبوت دے گی۔

نئی مطبوعات

ناول کیا ہے (ادبی) ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی

" محمد احسن فاروقی قیمت ۵۰-۳ نسیم بکڈپو، لکھنؤ

انتخاب عشقہ (انتخاب) ناظم سیتاپوری " ۵۰-۳ " "

دردِ محبت (ناول) مجاہد لکھنوی " ۰۰-۶ " "

ڈراکیولا (") مظہرالحق علوی " ۰۰-۸ " "

ادب کا تنقیدی مطالعہ (ادبی) ڈاکٹر سلام سندیلوی " ۵۰-۳ " "

شامِ شفق (رباعیات) " " " ۵۰-۲ " "

مزیدار قاعدہ (قاعدہ) ڈاکٹر نورالحق ہاشمی " ۲۵- " "

ساحرہ کا انجام (ناول) مجاہد لکھنوی " ۰۰-۳ " "

رشتہ (") مرتضیٰ زیدی " ۵۰-۳

نئی تحریر (افسانے) ہری چند چڈھا " ۵۰-۲ نئی تحریر، نئی دہلی

دلی (تاریخی) ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی قیمت ۵۰-۱ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

تین اناڑی (بچوں کا ناول) عصمت چغتائی " ۴۰-۱ " "

ہماری پارلیمنٹ (تعبیریت) مصنف کیلاش چندر، مترجم نذیرالدین مینائی ۵۰-۱ " "

کلیاتِ غواصی۔ مرتبہ پروفیسر محمد بن عمر مرحوم۔ مقدمہ ڈاکٹر زور قیمت ۰۰-۲۰ ادارۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد

دیوانِ عشق " پروفیسر محمد اکبرالدین صدیقی " ۵۰-۱ " "

اردو املا غلام رسول " ۵۰-۰ " "

تصاویرِ سلاطین قطب شاہی (پوسٹ کارڈ سائز)، تصویروں کا سٹ " ۵۰-۱ " "

تاریخ ادب اردو (تاریخ) مرتبہ ادارہ " ۰۰-۲ " "

تماشائے اہلِ ہند (ڈرامہ) رشیدالحسن " ۵۰-۱ " "

ان کے علاوہ ادارہ اشاعت دینیات، نئی دہلی ۱۳ سے اطلاع ملی ہے کہ ان کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نئے اڈیشن تیار ہو گئے ہیں۔

فضائل نماز، فضائل تبلیغ، فضائل ذکر، فضائلِ قرآن مجید، فضائل رمضان اور حکایات صحابہ۔

زیر طبع کتابیں

کچھ پرانے خطوط	(خطوط)	پنڈت جواہر لال نہرو		مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
کاروانِ وطن	(وطنی نظمیں)	تلوک چند محروم	۴/۸	" " "
فضائل اہلِ بیت	(مذہبی)	محمد عسکری		نسیم بکڈپو لکھنؤ
کالج کی چار دیواری میں	(ناول)	ملک زادہ منظور احمد		" " "
نئے گوشے	(مضامین)	سید ممتاز حسین	قیمت ۲/۸	آزاد کتاب گھر، دہلی
دیوانِ غالب	(بعد نظرِ ثانی و اضافہ)	مالک رام	-/۶	" " " "
دشمن	(ڈرامے)	ریوتی سرن شرما	-/۵	ایشیا پبلشرز دہلی
برات	(افسانے)	مہندر ناتھ	-/۴	" " "
لال تاج	(ناول)	کرشن چندر	-/۲/۱۲	" " "
نخر کی بات	(افسانے)	گجندر سنگھ	-/۲/۱۲	" " "

مولوی عبدالحق نمبر" اور "مومن نمبر" ۔ "مجلس" سہ ماہی، اردو ہال، حمایت نگر، حیدرآباد

مسودے برائے اشاعت

ناشرین مندرجہ ذیل حضرات سے رجوع کر سکتے ہیں

شہزادہ نعیم آرزو، ۳۲۶ گیر مٹھو اسٹریٹ، بریلی (یوپی) "بھٹکے راہی" ناول

ابو محمد سحرؔ، ۲ پروفیسر کوارٹرس، مقابل چار بنگلہ بھوپال۔ تنقیدی مضامین کا ایک مجموعہ۔

سالانہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی	فی پرچہ ۱۰ نئے پیسے

Regd. No. Sept 1960.

KITAB NUMA
NEW DELHI.

ماہنامہ

کتاب نما

نئی دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

حسن لالہ الجزائری

بہکا ہوا سا [illegible] نفس [illegible] ہیں

کا [illegible] حسن [illegible] ہیں

سب اُن پہ تصدق ہو سمانے تو آئیں

انجموں کی آرزوئیں آنکھوں کی التجائیں

ارمان کا [illegible] آئینہ [illegible] ہیں

[illegible] ہیں

[illegible]

نگراں	ماہنامہ	مدیر
غلام ربانی تاباں	کتاب نما نئی دہلی	ریحان احمد عباسی
جلد نمبر ۱	اکتوبر و نومبر سنہ ۱۹۶۰ء	شمارہ نمبر ۵

فہرست مضامین

سالانہ چندہ ایک روپیہ	ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	فی پرچہ دس نئے پیسے

اس شمارہ کی قیمت ۲۵ نئے پیسے

پرنٹر پبلشر سید احمد دہلوی نے ... پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر کتاب نما جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

پنڈت جواہر لال نہرو

کی

مشہور کتاب

A BUNCH OF OLD LETTERS

کا

اردو ترجمہ

کچھ پرانے خط

شایع ہوگیا

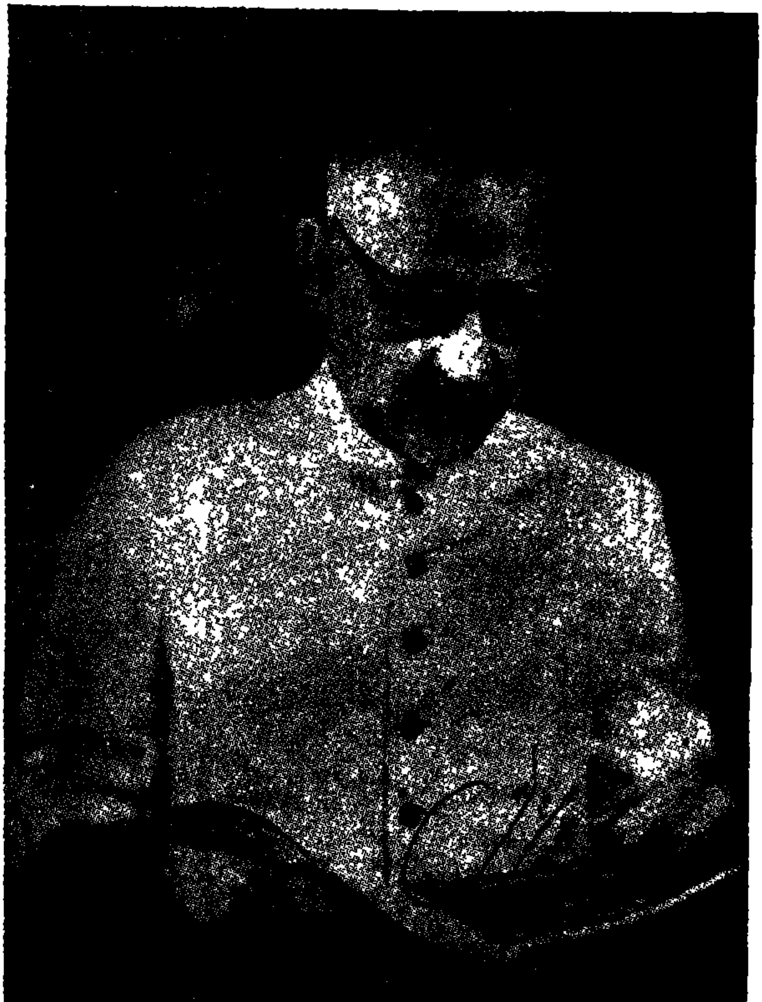
● —— "کچھ پرانے خط" کا یہ پہلا حصہ جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۴۸ء تک کے ۳۶۶ خطوط کا ایک بیش بہا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کی صحیح اور سچی تاریخ کی بھی حیثیت رکھتا ہے۔

● ● — ان میں زیادہ خطوط ایسے ہیں جو ملک و قوم کے سرکردہ لوگوں نے پنڈت جی کو لکھے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پنڈت جی نے جواباً بھجوائے۔

● ● ● — جن سرکردہ لوگوں نے خطوط لکھے ان میں مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں۔ مہاتما گاندھی لالہ موتی لال۔ لالہ لاجپت رائے۔ مسز سروجنی نائیڈو۔ مولانا محمد علی۔ سبھاش چندر بوس۔ جے ایم سین گپتا ڈاکٹر محمد اقبال۔ رابندر ناتھ ٹیگور۔ رفیع احمد قدوائی۔ بابو راجندر پرشاد۔ جے۔ بی کرپلانی۔ محمد علی جناح ولبھ بھائی پٹیل۔ ڈاکٹر انصاری۔ نریندر دیو۔ لارڈ لوتھین۔ رومان رولان وغیرہ۔

صفحات ۴۰۰۔ سائز ۱۸×۲۲/۸۔ بہترین کتابت و طباعت۔ عمدہ جلد۔ قیمت صرف آٹھ روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی



ڈاکٹر ذاکر حسین

سابق چیرمین بورڈ آف ڈائرکٹر



پروفیسر محمد مجیب
موجودہ چیرمین بورڈ آف ڈائرکٹر



حامد علی خاں
سابق منیجنگ ڈائرکٹر



غلام ربّانی تاباں

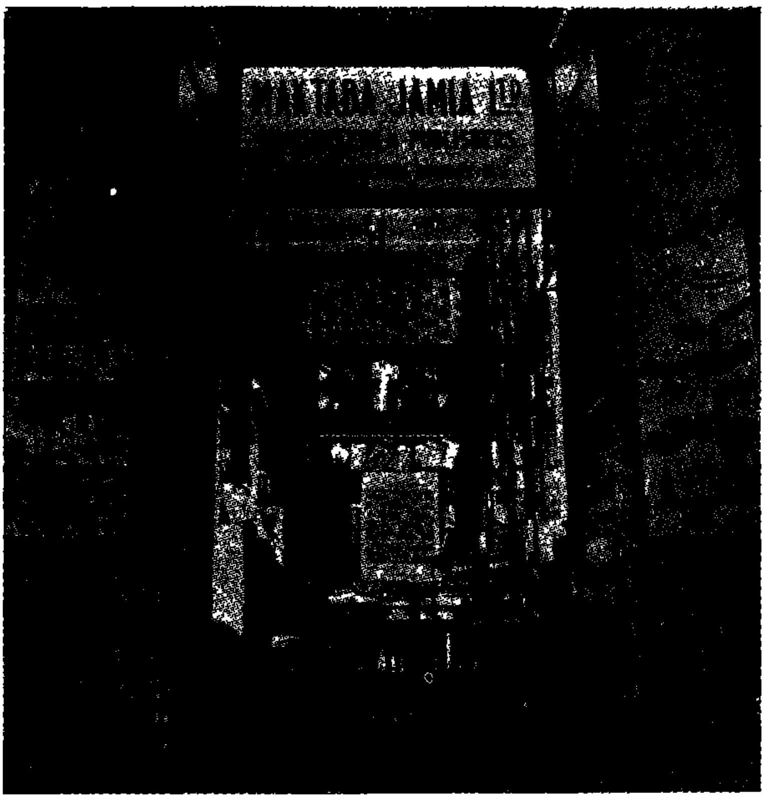
موجودہ جنرل منیجر



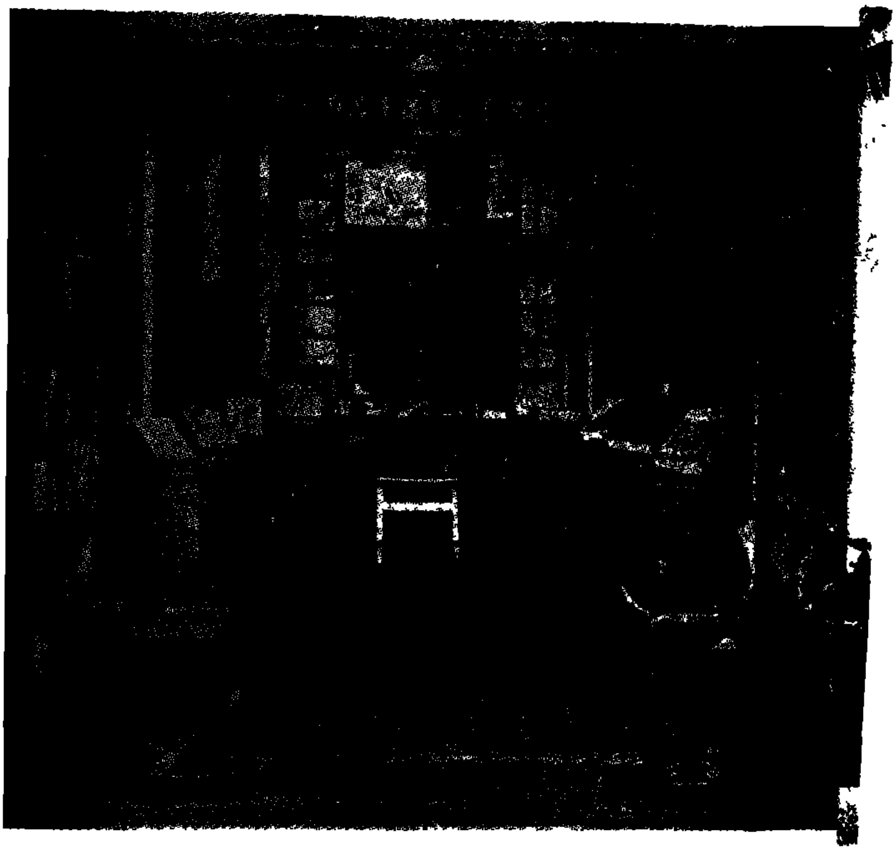
اراکین اسٹاف



صدر دفتر



شاخ بمبئی



شاخ دہلی

اشاریہ

اکتوبر ۱۹۶۰ء میں جامعہ ملیہ اسلامیہ نے اپنی معیاری شان دار اور حوصلوں سے بھرپور زندگی کے چالیس سال پورے کئے ہیں۔ ۲۹ اکتوبر کو یوم تاسیس کے موقع پر پروفیسر محمد مجیب صاحب وائس چانسلر جامعہ ملیہ نے اپنے خطبہ میں جو ارشاد فرمایا، ان سے جامعہ ملیہ کے بلند مقاصد کی نشان دہی ہوتی ہے۔ کوائف جامعہ میں آپ اقتباس ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

یوم تاسیس کے موقع پر ہر سال بچوں کا میلا ہوتا ہے جس میں تین دن تک نہایت دلچسپ رنگارنگ تعلیمی اور تفریحی سرگرمیاں رہتی ہیں۔ امسال جشن چہل سالہ منایا جا رہا ہے اس لئے یہ تقریبات چھ دن تک جاری رہیں گی۔ اس موقع پر جامعہ کے تمام شعبے اپنے اپنے کام کی نئے اور معیاری انداز میں نمائش کر رہے ہیں ہمیں یقین ہے یہ جشن مہمانوں کے ذہن میں ایک خوشگوار اور ناقابل فراموش یاد بن کر رہے۔ اس تقریب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ میلے کا افتتاح وزیر اعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو فرمائیں گے اور ۳ نومبر کو صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد اس کامیاب تقریب کی آخری نشست میں شرکت فرمائیں گے۔

ہر سال کی طرح میلہ میں مکتبہ جامعہ کی جانب سے مطبوعات کی نمائش کی جائے گی۔ ۱۰ نومبر کو میلے کا افتتاح فرمانے کے بعد ہمارے خصوصی معزز مہمان اور محبوب رہنما مکتبہ کی بک اسٹال پر بھی تشریف لائیں گے۔ اس موقع پر ان کی خدمت میں "کچھ پرانے خط" کی ایک جلد پیش کی جائے گی جو خاص اہتمام اور توجہ کے ساتھ اس موقع کے لئے تیار کی گئی ہے۔

یہ بات بے تامل کہی جا سکتی ہے کہ اکتوبر اور نومبر کا یہ یکجا شمارہ اہم معلومات اور معیاری مضامین کا عکاس ہے۔ اس سلسلے میں ہم جناب حسین حسان صاحب ندوی جامعی کے خاص طور سے ممنون ہیں کہ انھوں نے کتاب نما کے لئے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے عمدہ مضامین لکھے۔ — مضامین کے مطالعہ سے معلوم ہو سکے گا کہ مکتبہ جامعہ کے سامنے تجارتی نقطۂ نگاہ کبھی نہیں رہا ہے بلکہ وہ ایک ادبی تحریک کا علمبردار ہے اور اپنی مطبوعات کے ذریعے عوام میں اردو زبان کو مقبول کیا ہے اور ملک میں بہترین اردو ادب پیش کرنے میں کوشاں رہا ہے اور اسے آج بھی اپنی اس کامیاب خدمت پر اعتماد حاصل ہے۔

فن اور فنکار اس سال بھی مکتبہ جامعہ نے کچھ پڑھنے والوں اور کچھ لکھنے والوں کے ایک سمپوزیم کا انتظام کیا ہے۔ یہ پروگرام ۱۱ر نومبر کو ½ ۲ بجے دن کو ہوگا۔ اس سمپوزیم میں پروفیسر محمد مجیب، ڈاکٹر عبدالعلیم، فراق گورکھپوری، آل احمد سرور، احتشام حسین اور بیگم صالحہ عابد حسین صاحبہ کی شرکت کی توقع ہے۔

(بقیہ خبریں صفحہ ۹)

انجمن ترقی پسند مصنفین جامعہ نگر۔ نئی دہلی موسم کی خوشگواریوں کے ساتھ ساتھ جامعہ نگر میں ادبی سرگرمیاں بھی بڑھنے لگی ہیں۔ انجمن ترقی پسند مصنفین کے نئے چناؤ کے بعد پہلا جلسہ ۲۷ر ستمبر ۱۹۶۰ء کو ہوا۔ جس میں جناب برکت علی فراق صاحب نے دیہی تعمیر و ترقی سے متعلق "اُمید کی موت" کے عنوان سے ایک دلچسپ اور موثر کہانی پڑھی۔ شری رادھے شیام پاٹھک نے اپنی ہندی نظم "فارملیٹی" (Formality) سنائی جو آج کے تعلیم یافتہ سماج پر عمدہ طنز تھی۔

انجمن کا دوسرا جلسہ ۲۶ر اکتوبر ۱۹۶۰ء کو شام کے ۶ بجے آرٹ انسٹی ٹیوٹ میں ہوا۔ محمد ادریس صاحب کی صدارت میں اس نشست میں جناب سریندر بالوپوریا صاحب نے "مستقل روزگار" کے عنوان سے ایک فیچر سنایا جس کی عام فہم ہندی زبان خاص طور سے پسند کی گئی۔ اس کے بعد محمد یوسف صاحب نے ایک غزل اور بھوجپوری گیت سنایا۔ سیفی پریمی صاحب نے اس غزل سے متعلق چند فنی نکات کی طرف توجہ دلائی۔

انجمن کے آیندہ جلسے میں جناب سریندر بالوپوری صاحب "پیچ و خم" پر مقالہ پڑھیں گے اور سیفی پریمی صاحب ایک غزل سنائیں گے۔

حسین حسان ندوی جامعی
(سابق ایڈیٹر پیام تعلیم)

اُردُو کی نشر و اشاعت میں جامعہ کا حصّہ

جامعہ جن بزرگوں نے قائم کی اُن کی حیثیت قومی جدوجہد کے محض ایک رہنما کی نہیں تھی، علمی اعتبار سے بھی اُن کا درجہ بہت بلند تھا۔ جامعہ کے یہ بانی کون تھے؟ مولانا محمد علی جوہر، حضرت شیخ الہند، ڈاکٹر انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مہاتما گاندھی۔ یہ سب اونچے درجے کے مفکر تھے۔ بہت بلند پایہ عالم تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جامعہ میں شروع ہی سے ایک علمی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ کیا استاد کیا طالب علم سب اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ سب میں علمی کام کرنے کا ایک عجیب ولولہ ایک عجیب امنگ تھی۔ ۲۲-۱۹۲۱ء ہی میں تصنیف تالیف کا باقاعدہ شعبہ قائم ہو گیا تھا۔ جناب نورالرحمٰن صاحب اس شعبے کے ناظم تھے۔ ان کے علاوہ مولانا محمد حسین محوی لکھنوی اور مولانا مسلم عظیم آبادی، اس شعبے کے دو ارکان تھے۔ مولانا محمد حسین محوی لکھنوی نے تاریخ فیروز شاہی کا ترجمہ کیا تھا۔ (اس کا مسودہ ۱۹۴۷ء میں ضائع ہو گیا) مولانا محمد مسلم صاحب مشہور عربی لغت المنجد کا ترجمہ کر رہے تھے۔ ان کے علاوہ علامہ سورتی مرحوم نے ازھار العرب کے نام سے عربی اشعار کا انتخاب مرتب کیا تھا۔ مولانا اسلم جیراجپوری نے عام فہم زبان میں تاریخ الامت کے نام سے تاریخ اسلام کے سلسلے کی دو کتابیں مرتب کی تھیں۔ ذاکر صاحب نے مبادی معاشیات کے نام سے معاشیات پر ایک کتاب لکھی تھی۔ نورالرحمٰن صاحب نے میر کے کلام کا انتخاب کیا تھا۔ مولانا نیاز فتح پوری سے تاریخ الدولتین کے نام سے ایک کتاب لکھوائی گئی تھی۔

شعبۂ تصنیف و تالیف کا یہ شعبہ ۱۹۲۷ء تک قائم رہا۔ اس سال جامعہ نے اردو اکاڈمی کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا۔ شعبۂ تصنیف و تالیف کو اسی میں مدغم کر دیا گیا۔ جناب سعید انصاری صاحب بی۔ اے جامعہ اور جناب عبدالعلیم احراری صاحب بی۔ اے جامعہ اس کے فیلو مقرر کئے گئے۔ رسالہ جامعہ کو اکاڈمی کا آرگن بنایا گیا۔ سعید انصاری صاحب نے جان اسٹورٹ مِل کی مشہور کتاب

لبرٹی کا آزادی کے نام سے ترجمہ کیا۔ عبدالعلیم احراری صاحب نے ڈیہاوزن کی کتاب محمدؐ اور اسلام سیرۃ نبویؐ اور مستشرقین کے نام سے ترجمہ کیا۔ ڈاکٹر عابد حسین صاحب نے نوجوانوں کی مجموعی نفسی سیرت پر مشہور جرمن پروفیسر اشپرنگر کی کتاب نفسیات شباب کے نام سے ترجمہ کیا غرض تصنیف و تالیف کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اکاڈمی کی یہ کوششیں اردو داں طبقے میں ذہنی بیداری اور وسعت نظر پیدا کرنے میں بڑی حد تک معاون ثابت ہوئیں۔

ان تصنیفی مشاغل کے علاوہ اکاڈمی ہر سال علمی جلسے بھی کرتی رہی ان جلسوں میں وہ ملک کے مشہور اہل قلم سے علمی، ادبی، تمدنی تاریخی عنوانات پر مقالے پڑھواتی تھی۔ اکادمی کے ان جلسوں نے کافی شہرت حاصل کی۔ دلی اور آس پاس کے علمی ذوق رکھنے والے حضرات بڑے شوق سے ان جلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ مقالہ پڑھنے والوں میں حبیب الرحمٰن خاں شروانی مرحوم، سید سلیمان ندوی مرحوم، قاضی عبدالغفار مرحوم، خواجہ غلام السیدین صاحب، ڈاکٹر عبدالعلیم اور پروفیسر سید وہاج الدین کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اردو اکاڈمی کا یہ بھی ایک کارنامہ نہیں ہے۔ اس نے بیرون ملک کی مشہور تاریخی شخصیتوں کو بھی اپنے ہاں مدعو کیا اور ان سے تقریریں کرائیں۔ اس سلسلے میں محترمہ خالدہ خانم ادیب کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کی تقریروں کا مجموعہ انگریزی اور اردو دونوں زبانوں میں شائع ہو چکا ہے اردو میں اس کا نام ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش ہے۔

اس کے علاوہ جامعہ نے عام تعلیم یافتہ طبقے کے لئے جو متنوع اور صحت مند لٹریچر پیش کیا ہے اس میں بھی ذہنی تعمیر کی وہی روح کار فرما ہے۔ اس کی زبان سادہ اس کا طرز بیان دلچسپ ہے۔ اسلامی تاریخ کے سلسلے میں مولانا اسلم مرحوم کی کتاب تاریخ الامت کا سلسلہ اپنی نوعیت کی پہلی چیز ہے اس کی تالیف کو ۳۰۔ ۵۳ سال گذر چکے ہیں لیکن اس کی مقبولیت میں ب کمی ویسی ہی ہے مولانا عبدالحی فاروقی رشتا گرد رشید حضرت مولانا عبیداللہ سندھی مرحوم کی قرآنی تفسیر اچھوتی اور عام تفسیروں کی ڈگر سے ہٹ کر لکھی گئی ہے۔ اسے بھی قبول عام کی سند مل چکی ہے۔ اردو میں اب تک شعرا کے تذکرے لکھے جاتے تھے جامعہ نے پہلی بار مولوی محمد یحیٰی تنہا سے سیرالمصنفین کے نام سے نثر نگاروں کا تذکرہ لکھوایا۔ اس کے علاوہ تعلیم پر، اصول تعلیم پر، ماہرین فن تعلیم پر، سیاسیات پر، مختلف ملکوں کے سیاسی حالات پر، تہذیب و تمدن پر، کتابیں لکھوائیں یا مشہور مصنفین کی کتابوں کے ترجمے کروائے۔ ادبی میدان میں اس کی کوششیں کچھ کم قابل توجہ نہیں ہیں منشی

منشی پریم چند کے ناول، عابد صاحب مجیب صاحب کے ڈراموں اور افسانوں کے مجموعے شعر و شاعری میں حضرت جگر مراد آبادی کا شعلۂ طور حضرت جوش ملیح آبادی کے مجموعے شعلہ و شبنم وغیرہ اور دوسرے شاعروں کے دیوان اور انتخابات ادب میں اپنا ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

ہندوستانی رہنماؤں اور جدوجہد آزادی کے جانبازوں کی تخلیقات اردو زبان میں شجرِ ممنوعہ کی حیثیت رکھتی تھیں یا تو اردو ناشروں کو اس طرف توجہ نہیں تھی یا سرکار کا ڈر غالب تھا جامعہ نے جرأت مندانہ قدم اٹھایا اور مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو اور دوسرے بزرگوں کی تصنیفات کو اردو زبان میں منتقل کیا۔

جامعہ کے ماہرین تعلیم یعنی قبلہ ذاکر صاحب اور ان کے محترم رفقائے کار نے جامعہ کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیتے ہی ایک اور صنف کی طرف خاص توجہ فرمائی۔ یہ صنف بچّوں کا ادب ہے۔ جامعہ شاید پہلا تعلیمی ادارہ ہے جس نے اردو میں بچّوں کے لئے اس قدر متنوع اور رنگارنگ مصالحہ اتنی فراوانی کے ساتھ پیش کیا۔ بچّوں کا یہ ادب خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھا گیا بہت سادہ زبان اور اچھوتے انداز میں لکھا گیا اس ادب میں قصّے کہانیاں بھی ہیں اور قصّے کہانیوں میں رقیہ ریحانہ کی کہانیاں بھی ہیں جو اردو ادب میں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں ذاکر صاحب عابد صاحب مجیب صاحب کے ڈرامے بھی ہیں جو بچّوں کے لئے لکھے گئے ہیں۔ سائنس جغرافیہ، تاریخ، سیرۃ اور سوانح پہ کتابیں ہیں۔ غرض بچّوں کے ادب کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جس پر جامعہ نے توجہ نہ کی ہو۔ ان کتابوں کے علاوہ جامعہ نے درسی یا نصابی کتابوں کا سلسلہ شروع کیا۔ یہ درسی کتابیں تمام ہندوستان میں مقبول ہوں۔ پھر پیام تعلیم جو پہلے جامعہ کے کاموں سے قوم کو باخبر رکھنے کے لئے جاری کیا گیا تھا جس کو بعد میں بچوں کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ اس پیام تعلیم کی جلدیں مضامین کا ایک مخزن ہیں۔ مکتبہ جامعہ نے اس کی مدد سے بہت سی کتابیں مرتب کی ہیں مگر اس کے خزانے میں کمی نہیں آئی ہے۔ یہ رسالہ بند ہو گیا ہے مگر اس کی ضرورت اب بھی محسوس کی جاتی ہے۔

جامعہ نے ان پڑھ اور کم پڑھ بالغوں کی ضرورتوں کو بھی نظرانداز نہیں کیا ۱۹۳۸ء میں شفیق صاحب مرحوم نے تعلیم بالغان کے سلسلے میں ایک جامع اسکیم جامعہ کے سامنے پیش کی۔ جامعہ نے یہ اسکیم منظور کی اور تعلیم و ترقی کے نام سے ایک شعبہ کھل گیا اور کام چل پڑا۔ یہ اسکیم بالغوں کی تعلیم کے جدید ترین اصولوں پر مبنی تھی اور بہت جلد شمالی ہند میں اس نے ایک پائنیر اور رہنما تحریک کی حیثیت حاصل کر لی۔ بالغوں کے ادب کی تخلیق بھی اس اسکیم کا ایک حصّہ تھی اور اسکیم کے دوسرے

پروگراموں کے ساتھ اسے بھی غیر معمولی کامیابی نصیب ہوئی۔ کتابچوں اور کتبوں کے علاوہ اب تک لگ بھگ ساڑھے چار سو کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ ان میں سے بہت سی چھپ چکی ہیں اور بہت سی اشاعت کی منتظر ہیں نیز تعلیم بالغان کے کارکنوں کی رہنمائی کے لئے "تعلیم و ترقی" کے نام سے اردو ہندی میں ایک معیاری رسالہ بھی نکل رہا ہے۔

ان سب کتابوں کا اشاعت گھر مکتبہ جامعہ تھا۔ جامعہ نے مکتبے سے مالی منفعت کی کبھی توقع نہیں کی کتابوں کی فروخت سے جو بچت ہوتی تھی وہ نئے نئے کاموں پر صرف کی جاتی تھی۔ اسی لئے اس کے کاموں کو اس قدر وسعت نصیب ہوئی۔ مکتبہ جامعہ نے دوسرے اداروں کی امداد میں بھی کبھی دریغ نہیں کیا۔ ایک عرصے تک انجمن ترقی اردو کی کتابیں اس کے اہتمام میں چھپتی رہیں۔ آج کل ساہتیہ اکاڈمی کی اردو کتابوں کی اشاعت اس کے سپرد ہے۔

بکھرے موتی

پیدا کہاں ہیں ایسے پراگندہ طبع لوگ
افسوس تم کو میرؔ سے صحبت نہیں رہی
(میرؔ)

ہے ریاضؔ اِک جوانِ مست خرام
نہ پئے اور جھومتا جائے
(ریاضؔ خیرآبادی)

ہم نہ نکہت ہیں نہ گل ہیں کہ مہکتے جاویں
آگ کی طرح جدھر جاویں دہکتے جاویں
(میر حسن)

بڑا غضب ہے کہ حاتمؔ کو تم نہ پہچانا
وہی قدیم تمھارا غلام بھول گئے
(شاہ حاتمؔ)

داغؔ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ
(داغؔ)

ہم سے ملتی ہے برقِ طور کو داد
وہ تبسم نواز ہیں ہم لوگ
(فانیؔ)

ڈھونڈھوگے ہمیں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم
تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم
(شاد عظیم آبادی)

حسین حسان ندوی جامعی
(سابق ایڈیٹر پیام تعلیم)

مکتبہ کی درسی کتابیں

بچوں کے ادب میں درسی کتابوں کی بڑی اہمیت ہے اور ان کا متوازن ہونا بہت ضروری ہے۔ یہ نہ تو معلومات سے اتنی بوجھل ہوں کہ بچہ جی چھوڑ بیٹھے نہ اتنی غیر دلچسپ اور روکھی پھیکی ہوں کہ بچہ اُن سے دور بھاگے۔ نہ اُن کی لکھائی چھپائی اور ظاہری صورت ایسی خراب ہو کہ انھیں دیکھتے ہی بچے کی طبیعت میں انقباض پیدا ہو۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ کتابیں کسی مقصد کسی منصوبے کے ماتحت لکھی گئی ہوں۔

اُردو کی سب سے پہلی ریڈریں جو ہماری نظر سے گذری ہیں وہ مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی لکھی ہوئی ہیں۔ بہت ممکن ہے اس سے پہلے بھی اس طرح کی کوششیں کی گئی ہوں مگر ہمیں ان کا پتہ نہیں چل سکا۔ مولانا محمد اسمٰعیل میرٹھی کی یہ ریڈریں لگ بھگ ساٹھ پینسٹھ برس پہلے لکھی گئی تھیں۔ مولانا یوں بھی عالم و فاضل اور بہت اچھے شاعر تھے۔ عرصہ دراز تک یو پی کے سررشتۂ تعلیم سے بھی اُن کا تعلق رہا ہے۔ اس لئے انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اپنے تعلیمی تجربوں کی بنیاد پر لکھا ہے۔ خالص تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھا ہے اور بچوں کی نفسیات میں ڈوب کر لکھا ہے۔ ان ریڈروں کی نظمیں بھی خود مولانا کی لکھی ہوئی ہیں۔ بچوں کے ادب میں یہ نظمیں شاہکار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان ہی خوبیوں کی وجہ سے مولانا کی ریڈریں اب بھی کہیں کہیں بازار میں نظر آجاتی ہیں۔

اس کے بعد انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے درسی سلسلے کا نمبر آتا ہے۔ مگر ان میں مذہب کی طرف جھکاؤ زیادہ تھا۔ اور خالصتہً مسلمانوں کے لئے لکھی گئی تھیں۔ اور پھر اس کے بعد تو ریڈروں کا ایک سلسلہ چل پڑا۔ جب سے اب تک ریڈروں کے نہ جانے کتنے سلسلے شائع ہو چکے ہیں۔

لیکن اس سلسلے میں ایک غلط بات یہ ہوئی کہ یہ کام تجارتی اداروں کے ہاتھ میں چلا گیا جو قدرۃً تعلیمی نقطۂ نظر کے مقابلے میں تجارتی مفاد کو زیادہ اہمیت دیتے تھے دارالاشاعت

لاہور اور انجمن ترقی اُردو کے نصابی سلسلوں کو چھوڑ کر قریب قریب سبھی کا یہ حال تھا۔

جامعہ کے کام کرنے والوں کو ریڈروں کی ان خامیوں کا شدت سے احساس تھا۔ وہ ایسی درسی کتابیں چاہتے تھے جو ایک طرف تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھی گئی ہوں تو دوسری طرف زبان و بیان کے اعتبار سے اتنی دلچسپ ہوں کہ بچّے انھیں شوق سے مزہ لے لے کر پڑھے اور ان میں جو معلومات ہوں انھیں آسانی سے ہضم کرلے۔

یہ کام مکتبے کا تھا مگر ریڈروں کی تیاری و اشاعت کا کام بہت بڑا کام تھا اور مکتبے کے وسائل اِس وقت بہت محدود تھے۔ آخر ۳۵-۱۹۳۶ء میں مکتبہ نے اس اہم خدمت کا بیڑا اٹھایا۔ اس وقت اس کی مالی حالت بھی کچھ بہتر ہو گئی تھی۔ ذاکر صاحب قبلہ کو اس کام سے غیر معمولی دلچسپی تھی۔ وہ بذاتِ خود اس کام کی نگرانی فرماتے تھے۔ مکتبہ ریڈروں کے لئے جو مضمون لکھواتا تھا ان میں سے اکثر ذاکر صاحب کی نظر سے گذرتے تھے اور ذاکر صاحب ان کے بارے میں مفید مشورے دیتے تھے۔ ضرورت ہوتی تھی تو خود بھی مضمون لکھتے تھے۔ ان کے کئی مضمون مکتبہ کی تیار کی ہوئی ریڈروں میں شامل ہیں۔

اسی طرح پروفیسر محمد مجیب صاحب کی قلمی معاونت مکتبے کو پورے طور پر حاصل تھی ان کے بہت سے مضامین ریڈروں میں شامل ہیں۔ ریڈروں کی تیاری یعنی مضامین اور سوالات وغیرہ لکھوانے کا کام اُس وقت محمود علی خاں صاحب جامعی کے سپرد تھا۔ محمود صاحب اور ان کے ساتھی مضمون نگاروں نے جس محنت، تن دہی اور لگن سے کام کیا وہ مل جُل کر کام کرنے کا ایک خوشگوار تجربہ تھا۔

ملک میں اس وقت بنیادی تعلیم کے منصوبے کا بہت چرچا تھا۔ پروجیکٹ میتھڈ تو خود جامعہ کے مدرسۂ ابتدائی میں آزمایا جارہا تھا۔ یہ سب میتھڈ اور منصوبے ریڈروں کے مرتبین کے سامنے تھے اور ریڈروں کی ترتیب کے وقت ان کا لحاظ رکھا گیا ہے۔

یہ ریڈریں جموں اور کشمیر میں سرکاری طور پر منظور ہو گئیں اور جب یہ چھپ کر شائع ہو گئیں تو عام طور پر پسند کی گئیں۔ ماہرین تعلیم نے خاص طور پر مکتبے کی خدمات کو سراہا۔

اس کامیابی سے مکتبے کی ہمت بڑھی اس نے حفیظ الدین صاحب ندوی (موجودہ نائب معتمد انجمن ترقی اردو ہند) کے اہتمام میں سابق صوبہ سرحد کے لئے ریڈریں تیار کیں۔ یہ بھی منظور ہو گئیں۔ پھر اس نے لڑکیوں کے ابتدائی درجوں کے لئے چار ریڈروں کا سلسلہ تیار کیا۔ ان

ریڈروں کی زبان خاص طور پر نکھری ستھری تھی بالکل وہی زبان جو لڑکیاں اپنے گھروں میں بولتی ہیں۔ یہ ریڈریں بھی محمود علی خاں کے اہتمام میں تیار ہوئیں اور توقع سے کہیں زیادہ انھیں مقبولیت حاصل ہوئی۔ افسوس ہے کہ ان ریڈروں اور سرحد کی ریڈروں کی ایک کاپی بھی اس وقت دستیاب نہیں ہے۔

کچھ عرصے کے بعد مکتبہ نے ریڈروں کا ایک اور سلسلہ مرتب کرایا یہ بھی سرحد کے لئے تھا۔ ریڈریں مکمل ہو گئی تھیں انھیں بس محکمۂ تعلیم سے منظور کرانا تھا۔ اتنے میں ۱۹۴۷ء کا طوفان آگیا۔ یہ طوفان مکتبے کے لئے ایک ہیبت ناک زلزلہ تھا جس سے اس ادارے کی پوری عمارت دھڑام سے گر پڑی۔ یوں سمجھئے کہ جامعہ کے پاس جو کچھ تھا وہ اس زلزلے کی نذر ہو گیا۔

لیکن مکتبے کے کارکن اس سانحے سے بددل نہیں ہوئے۔ قرول باغ میں لوٹ مار اور آتش زدگی سے جو تھوڑا بہت سامان بچ گیا تھا۔ اسی کو لے کر پھر انھوں نے اسی ہمت اور حوصلے سے اپنا کام شروع کر دیا۔ اس مرتبہ جامعہ کے ارباب حل وعقد نے اسے لمیٹڈ کمپنی کی شکل دینی مناسب سمجھا۔ لمیٹڈ کمپنی کے حصّوں سے جو سرمایہ فراہم ہوا اس سے مکتبے کے کاموں کو آگے بڑھانے میں بہت مدد ملی۔

اس طرح جوں جوں حالات معمول پر آتے گئے مکتبے نے اپنے کاموں کو وسعت دینی شروع کر دی۔ عام کتابوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ اس نے نصابی کتابوں کی طرف بھی توجہ کی۔ اب کے اس کام کو زیادہ سائنٹفک، زیادہ مرتب طور پر انجام دینے کے لئے ایک باقاعدہ بورڈ بنا دیا گیا اس بورڈ نے مکتبے کی پرانی ریڈروں کو کھنگالا وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ان میں اصلاح و ترمیم کی۔ مختلف ریاستوں کے لئے ریڈروں کے نئے سلسلے مرتب کرائے۔ اور ترتیب کے وقت ان ریاستوں کے مخصوص حالات کو پیش نظر رکھا۔ ریاستوں کے ماہرین تعلیم نے ان ریڈروں کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور انھیں اپنے ہاں سرکاری طور پر منظور کر لیا۔

ریڈروں کے یہ سلسلے اس وقت مدراس، آندھرا، بمبئی، جموّں و کشمیر، میسور، دہلی، ہماچل پردیش، پنجاب، راجستھان اور جزائر انڈمان میں سرکاری طور پر منظور ہیں۔ ان کے علاوہ کیرل، ماریشس اور مشرقی افریقہ کے ملکوں میں یہ ریڈریں بہت مقبول ہیں نیز ہندوستان کے اکثر و بیشتر اسلامی مکاتب میں مکتبہ جامعہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۵۲ پر)

آپ کے بچوں کے لئے
کچھ مفید اور دلچسپ کتابیں

پاک کہانیاں
مقبول احمد سیوہاروی

کہانیاں بچے اور بڑے سب ہی دلچسپی سے پڑھتے اور سنتے ہیں۔ قصّے کے پیرائے میں ادب وتہذیب اور اخلاق وحکمت کی تعلیم بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ دی جاسکتی ہے۔ اس کتاب میں رسول اکرمؐ، خلفاء راشدینؓ، صحابۂ کرامؓ اور بزرگانِ دین کی وہ سچی کہانیاں درج ہیں جن کے پڑھنے سے ایمان میں قوت آتی ہے اور اخلاق سنورتے ہیں۔ یہ کتاب دو حصّوں میں ہے۔

قیمت :- حصّہ اوّل　　۹۵ نئے پیسے
„　„　دوم　　ایک روپیہ ۱۵ نئے پیسے

★

تین اناڑی
عصمت چغتائی

اس ناول کے تین ہیرو گگو، ٹیٹو اور پیلو کوئی ایسے ویسے بے وقوف قسم کے انسان نہیں ہیں بلکہ کافی سمجھدار ہیں اور نئی نئی باتوں کو سیکھنے کا شوق رکھتے ہیں۔ مگر اب اس کا کیا علاج کہ گرمیوں کی تین ماہ کی چھٹیوں میں ان سے خواہ مخواہ کچھ ایسی باتیں سرزد ہوگئیں کہ ایک پورا ناول تیار ہوگیا۔ ناول بھی ایسا دلچسپ کہ بار بار پڑھنے کو دل چاہے اور ہر بار ہنسی کے مارے بے حال ہوجائیں۔

قیمت :- ایک روپیہ ۴ نئے پیسے

دہلی

ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی

بادشاہوں اور راجاؤں کا دور تو گذر گیا لیکن ان کی بنوائی ہوئی یادگاریں آج بھی جگہ جگہ موجود ہیں۔ آپ کی راجدھانی دہلی میں بھی کچھ ایسی عمارتیں ہیں جن کا حال سننے کا آپ کو شوق ہوگا۔ ڈاکٹر مجاہد صاحب کی یہ کتاب جو نہایت دلکش انداز میں لکھی گئی ہے جس میں تاریخی عمارتوں کے فوٹو اور دہلی کہاں کہاں اور کب بسی اس کا نقشہ آپ کو یقیناً پسند آئے گا اور آپ گھر بیٹھے دہلی کی تاریخی سیر سے لطف اندوز ہو جائیں گے۔

طباعت و کتابت دیدہ زیب

قیمت :۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

★

ہماری پارلیمنٹ

کیلاش چندر

مترجمہ :۔ نذیر الدین مینائی

۱۹۵۰ء میں اعلان جمہوریت کے ساتھ ساتھ ہمارے ملک میں پارلیمانی حکومت کی بنیاد رکھی گئی۔ لیکن ابھی تک عوام کو عموماً اور طلبا کو خصوصاً اس ایوان کے متعلق پوری معلومات نہیں ہیں کہ پارلیمانی طرز حکومت کیا ہے؟ پارلیمنٹ کیوں کر منتخب ہوتی ہے اور کس طرح چلتی ہے؟ یا ممبروں کے حقوق و فرائض کیا ہیں؟ غرض کہ سب کچھ اس کتاب میں بہت آسان زبان میں سمجھایا گیا ہے۔ طلبا کے لئے خصوصیات کے ساتھ یہ کتاب بہت مفید ہے۔ (ان کتابوں کا پورا سیٹ ایک ساتھ منگانے پر محصول ڈاک معاف) قیمت :۔ ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

حسین حسّان ندوی جامعی
(سابق ایڈیٹر پیام تعلیم)

بچوں کا ادب اور مکتبہ جامعہ

اردو زبان میں اب تک بچوں کے ادب پر اتنی توجہ نہیں دی جا سکی ہے جتنی یورپ امریکہ اور سوویت دیس میں دی جاتی ہے۔ اس صورتِ حال کو دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ ہم شاید پچاس سال کے بعد اس منزل تک پہنچ پائیں۔ اسی لئے ۲۰ ۱۹ء میں جب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب اور ان کے ساتھی ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب اور پروفیسر محمد مجیب صاحب نے جامعہ ملیہ کی تعلیمی نقطۂ نظر سے از سرِ نو تنظیم کی اور مکتبہ جامعہ میں نئی روح پھونکی تو ان کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ مکتبہ جامعہ ایک طرف عام پڑھنے والوں کے لئے سیاسی اور سماجی مواد بہم پہنچائے تو دوسری طرف بچوں میں بھی تعمیری ذہنیت پیدا کرنے کے وسائل فراہم کرے اسی لئے بڑوں کی کتابوں کے ساتھ بچوں کی کتابوں کی تالیف واشاعت کا کام بھی شروع کر دیا گیا۔ مکتبہ کی اور دوسری اشاعت گاہوں کی کتابوں میں ایک نمایاں فرق یہ تھا کہ مکتبہ کی کتابیں تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں، انھیں لکھتے وقت بچوں کی نفسیات کو پورے طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ان کی زبان بھی بہت سادہ اور صاف گویا بالکل بچوں کی زبان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملک میں انھیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ مکتبہ کی بعض مذہبی کتابیں بیس پچیس ہزار سے لے کر ایک لاکھ (مثلاً ہمارے نبیؐ) تک بک چکی ہیں، بعض معلوماتی کتابوں کے بھی پندرہ پندرہ سولہ سولہ ایڈیشن نکل چکے ہیں (مثلاً دنیا کے بچے اور دوسری کتابیں)

خود ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب قبلہ نے رقیہ۔ ریحانہ کے نام سے کہانیوں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ ان کہانیوں میں جس خوبی سے اخلاقی قدروں کو اُبھارا گیا ہے اور ان کی زبان ایسی

نکھری ستھری اور اندازِ بیان اتنا ولولہ انگیز اور شان دار ہے کہ کہانی لکھنے والوں کے لئے مثالی نمونہ بن گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سی کتابیں کتابی صورت میں چھپ گئی ہیں اور بہت سی رسالہ پیامِ تعلیم کی جلدوں میں محفوظ اور اشاعت کی منتظر ہیں۔ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے تو دوسرے ملکوں کی بہت سی اچھی کتابوں کا ترجمہ کیا ہے۔ ان کہانیوں کا بھی زیادہ تر حصہ کتابی صورت میں چھپ گیا ہے۔

محترم مجیب صاحب کا ایک اور کارنامہ ان کی کتاب "آؤ ڈراما کریں" ہے بچوں کے لئے ڈرامے کی تکنیک پر اردو میں یہ اپنے قسم کی پہلی اور اچھوتی کتاب ہے۔

بچوں کے لئے نصابی کتابوں کی تیاری بھی مکتبہ جامعہ کا بہت اہم کارنامہ ہے۔ پہلے یہ کتابیں صرف ایک صوبے یا ریاست کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ رفتہ رفتہ اُن کی مقبولیت اتنی بڑھی کہ بہت سے صوبوں میں رائج ہو گئیں یوں تو مولانا اسمٰعیل میرٹھی کی نصاب کی کتابوں کے بعد ہندوستان کے بہت سے تجارتی اداروں: انڈین پریس میسرز گلاب سنگھ، فیروز سنز دارالاشاعت وغیرہ نے نصابی کتابیں شائع کیں اور ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا لیکن زبان و بیان اور مواد کی فراہمی کے علاوہ ان کی اہمیت اس لئے مسلم ہے کہ انھیں ماہرینِ تعلیم کی نگرانی میں مرتب کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اب بھی اتنی ہی مقبول۔ وقت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق ان کتابوں میں ترمیم و اصلاح اور اضافے کا سلسلہ برابر جاری ہے

بچوں میں تعمیری ذہنیت پیدا کرنے میں رسالہ پیامِ تعلیم کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔ یہ رسالہ مکتبہ جامعہ کے اہتمام میں ۱۹۲۶ء میں نکلا تھا شروع شروع میں اس کا مقصد ملک کو جامعہ کی سرگرمیوں سے باخبر رکھنا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ تعلیمی مضامین بھی شائع کئے جاتے تھے۔ پڑھائی کے جو نئے نئے تجربے دوسرے ملکوں میں اور خود جامعہ میں کئے جاتے تھے ان کا حال بیان کیا جاتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس اعتبار سے اردو میں اس سے اچھا کوئی رسالہ نہیں نکلتا تھا۔

لیکن آہستہ آہستہ اس میں تبدیلی شروع ہوئی، تعلیمی مضامین کم اور بچوں کا مسالا زیادہ ہونے لگا۔ اور پھر ہوتے ہوتے پورے پرچہ پر بچوں کا قبضہ ہو گیا۔ اور اب یہ پندرہ روزہ کی جگہ ماہوار کر دیا گیا۔ سائز بھی چھوٹا ہو گیا۔ بچوں کی مناسبت سے لیتھو اور بلاک کی تصویروں کا بھی انتظام کیا گیا۔

ذاکر صاحب، مجیب صاحب، عابد صاحب، اور جامعہ کے قریب قریب سبھی استادوں نے اپنی

رہنمائی، مفید مشوروں، اور علمی امداد سے رسالے کو چار چاند لگا دیئے۔ پیام تعلیم نے سچ مچ ایک پرجیکٹ کی شکل اختیار کر لی تھی جس کی کامیابی کی فکر ہر ایک کو دامنگیر تھی۔

ذاکر صاحب قبلہ کی سرپرستی تو پیام تعلیم کے لئے قابل فخر یادگار رہے۔ رسالے میں ان کے مضمون مختلف ناموں سے چھپتے تھے۔ بعض بعض سالناموں کے لئے تو آپ نے تین تین چار چار مضمون مرحمت فرمائے ہیں۔ اسی طرح محترم مجیب صاحب اور عابد صاحب پیام تعلیم کی مدد کو ہر وقت آمادہ رہتے تھے ایسا موقع کبھی نہیں آیا کہ ایڈیٹر کی درخواست کو انھوں نے کبھی رد کیا ہو۔

جامعہ کے اثر کی وجہ سے بہت سے اونچے اونچے لوگوں تک پیام تعلیم کی رسائی ہو سکی۔ مثلاً رشید احمد صدیقی صاحب، خواجہ غلام السیدین صاحب، صاحبزادہ سید الظفر صاحب مرحوم، منشی پریم چند آنجہانی، محترمہ صالحہ عابد حسین، چودھری عبدالغفور، حضرت حفیظ جالندھری، ڈاکٹر امیر حسن، پروفیسر آل احمد صاحب سرور، پروفیسر سید عطاء اللہ صاحب۔ مولانا محوی لکھنوی وغیرہ ان سب بزرگوں کے مضامین پیام تعلیم کی پرانی جلدوں میں بکھرے ہوئے ہیں۔

ان کے علاوہ پیام تعلیم کو چند اور مخلص اور ہمدرد مضمون نگار اور شاعر بھی مل گئے۔ یہ اپنے مضامین اور نظموں سے پیام تعلیم کو نوازتے رہے۔ مثلاً محمد شفیع الدین صاحب نیر، سید ابو طاہر صاحب بی۔ ایس، سی، مولانا سید شرف الدین صاحب مرحوم۔ محمود علی خاں صاحب جامعی۔ مرزا شفیق دہلوی مرحوم، مرزا فضل الدین اثر مرحوم، ڈاکٹر سعید مرحوم، محترمہ ہاجرہ بیگم۔ محمد احمد سبزواری، سید ابو تمیم صاحب فرید آبادی۔ حضرت احسن عثمانی مرحوم، خواجہ محمد شفیع دہلوی۔ چمن لال جرنلسٹ۔ الطاف علی صاحب، علی احمد صاحب بی۔ ایس، سی جامعہ محترمہ مریم خلیل، محترمہ درۃ البیضا خاتون، محترمہ شمسی عباد الرحمن، مولانا سعد الدین انصاری مرحوم، محترمہ بیگم سید بشیر الدین صاحب سید آفتاب حسن صاحب بی اے ، ڈاکٹر سید نور الحسن ہاشمی، محمد عبدالواسع چک منگلوری، حضرت شجاعت سندیلوی، حضرت درد کاکوروی، محمد یحییٰ صاحب تنہا، جناب غلام عباس صاحب سابق ایڈیٹر "پھول" محترمہ سید بشیر الدین صاحب، جناب اختر مشتاق صاحب، حمدی صاحب سیالکوٹی، جناب سعید انصاری صاحب، الیاس احمد مجیبی مرحوم۔

بہت سے مضمون نگاروں کو خود پیام تعلیم نے روشناس کیا۔ ان میں بدر الدین صاحب بی۔ اے جامعہ، احمد حسن لکھنوی، برکت علی فراق بی۔ اے جامعہ، ڈاکٹر محمد انس، سید جمیل احمد، نقوی، احمد صدیقی

صدیقی مرحوم، سید محمد رویا مرحوم، خلیل الرحمٰن اعظمی، سید صباح الدین عبدالرحمٰن، حافظ نبی احمد بی اے جامعہ، ڈاکٹر ریاض الحسن۔ ڈاکٹر غوث انصاری فرنگی محلی۔ ڈاکٹر سید شمیم بہاری خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ پیام تعلیم نکالنے والوں کے پیش نظر بچوں میں ذہنی بیداری اور تعمیری ذہنیت پیدا کرنا تھا۔ ان کی برابر یہ کوشش رہی کہ رسالہ مضمونوں اور کہانیوں کا ایک جامد مجموعہ بن کر نہ رہ جائے اسی لئے مضامین کے ذریعے فرصت کے اوقات میں بچوں کو مفید مشغلے اختیار کرنے کی ترغیب دی گئی۔ فوٹوگرافی، مصوری، چیزیں بنانے، سلائی، کڑھائی۔ کھانا پکانے وغیرہ عنوانات پر صرف مضمون ہی نہیں لکھوائے گئے ان کے مقابلے بھی رکھے گئے شہریت اور جمہوریت کا احساس پیدا کرنے اور مل جل کر کام کرنے کا جذبہ ابھارنے کے لئے پیام برادری کی داغ بیل ڈالی گئی۔ دوسرے ملکوں کے بچوں سے تعارف کے سلسلے میں دوسرے ملکوں خصوصاً جرمنی اور انگلستان کے بچوں سے ان کی خط و کتابت کرائی گئی۔ قصے کہانیوں کے ساتھ ساتھ بچوں کی معلومات میں وسعت پیدا کرنے کے لئے سائنس، تاریخ، جغرافیہ، سیر و سیاحت وغیرہ پر مضامین لکھوائے گئے۔ بچوں کی ادبی صلاحیتیں ابھارنے کے لئے انھیں مضمون لکھنے اور شعر کہنے کی ترغیب دی گئی۔

مکتبہ نے پیام تعلیم سے اس طرح فائدہ اٹھایا کہ اس کے مضامین سے لگ بھگ پچاس ساٹھ کتابیں شائع کیں۔ ان میں رقیہ ریحانہ کی کہانیاں۔ دھوئیں کی پھانسی۔ شیخ نیازی، آؤ ڈراما کریں، کائنات رہی، دنیا کے بچے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے باوجود اب بھی اس سے کہیں زیادہ کتابیں پیام تعلیم کی مدد سے مرتب کی جا سکتی ہیں۔

افسوس ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں جہاں مکتبہ تباہ ہوا وہاں پیام تعلیم کی پرانی جلدیں اور اس کی چھوٹی سی لائبریری بھی ختم ہو گئی۔ سب سے بڑا نقصان یہ ہوا کہ اس کے لکھنے والوں کا اور پڑھنے والوں کا حلقہ تتر بتر ہو گیا۔

۱۹۴۷ء کے بعد جامعہ نگر میں مکتبے نے اپنا کاروبار پھر سے شروع کیا اور بحمداللہ وہ روز افزوں ترقی پر ہے کچھ عرصے تک مکتبے نے پیام تعلیم کو بھی چلایا مگر غالباً مالی مجبوریوں کی وجہ سے اسے بند کر دینا پڑا۔ مگر اس کی ضرورت اب بھی باقی ہے۔

بچوں کی کتابیں

کہانیاں

ایک مزیدار کتاب	۵۰ نئے پیسے
اُس نے کیا کرنہ جانا	۳۷ " "
ایک کچوری تیل میں	۴۰ " "
بچوں کی کہانیاں	۷۰ " "
پوری جو کڑھائی سے نکل بھاگی	۵۰ " "
پرندوں کا اکھا	۲۰ " "
تابیل خاں	۳۰ " "
ترکوں کی کہانیاں	۵۵ " "
جگنو کی بلی	۳۱ " "
چھوٹی لالٹین	۳۱ " "
چوہوں کی کانفرنس	۴۵ " "
چنبیلی	۵۰ " "
خرگوش کا ہونٹ	۲۵ " "
خربوزہ شہزادہ کا سر بن گیا	۳۰ " "
نیلم	۳۷ " "
جادو کا گلاب	۳۱ " "

شہزادی گلنار	۴۰ نئے پیسے
شہزادہ اورنگ	۴۴ " "
شہزادی گلفام	۵۰ " "
شیدلا	۵۰ " "
لال مرغی	۵۰ " "
مزہ چکھائیں گے	۳۱ " "
ننھا ٹٹو	۳۰ " "
ہمت کے پھل	۴۰ " "
پڑھو اور بڑھو	۷۵ " "
جنگل کے رہنے والے	۳۱ " "
چوہی کی ڈالی	۷۵ " "
چاند بی بی	۳۷ " "
شدر چیار	۴۴ " "
سفید ہاتھی	۲۵ " "
شیخ چلی کا مشاعرہ	۳۱ " "
گلنار بیگم	۳۱ " "

مذہب

ارکان اسلام	۳۷ نئے پیسے
پاک کہانیاں اوّل	۹۵ " "
پاک کہانیاں دوم	ایک روپیہ ۱۵ نئے پیسے
رسول پاک صلعم	ایک " ۵۰ " "

مسلمان بیبیاں	۷۵ نئے پیسے
ہمارے رسولؐ	۸۷ " "
آنحضرتؐ	۵۰ " "
چار یار	ایک روپیہ ۳۰ " "
خلفاء اربعہ	ایک روپیہ ۳۷ نئے پیسے
عقائد اسلام	۵۰ " "
نبیوں کے قصے	۸۷ " "
ہمارے نبیؐ	۴۰ " "

ڈرامے

آؤ ڈرامہ کریں	۶۰ " "
پریم کی جیت	۲۵ " "
دیانت	۵۶ " "
غیر ذمے دار لڑکا	۵۶ " "
کیمپ فائر کی نقلیں اول	۷۵ " "
" " " دوم	۷۵ " "
شاہی موچی	۲۵ " "
شاہی لباس	۲۵ " "

نظمیں

بچوں کا کھلونا	۷۵ " "
بچوں کے افسر	۷۵ " "
گھی شکر	۵۰ " "
بچوں کا تحفہ اول	۷۵ " "
" " دوم	۷۵ " "
اسلامی نظمیں	۶۲ " "

معلومات

آدمی کی کہانی	ایک روپیہ ۲۵ " "
ان تھک جان	۵۰ " "
بھن بھن بانو	۵۰ " "
جاں باز سپاہی	۵۰ " "
بجلی کی کہانی	۵۰ " "
مقناطیس کی کہانی	۴۴ " "
دنیا کے بسنے والے	۷۵ " "
سمندر کے کنارے	ایک روپیہ ۱۲ " "
تاریخ ہند کی کہانیاں اول	۷۵ " "
" " " " دوم	۷۵ " "
" " " " سوم	۷۵ " "
" " " " چہارم	۸۷ " "
انوکھا عجائب خانہ اول	۵۰ " "
" " " دوم	۴۰ " "
" " " سوم	۴۰ " "
" " " چہارم	۵۰ " "
بجلی اور مقناطیس کے کھیل	۷۵ " "
بڑ دادا کی کہانی	۵۶ " "
دنیا کے بچے	۶۲ " "
قدرت کے کرشمے	۶۲ " "
سونے کی چڑیا	ایک روپیہ
ہمارا راج	۶۲ " "
ہماری پارلیمنٹ	ایک روپیہ ۵۰ " "
مہاتما گاندھی	۷۵ " "

حسین حسان ندوی جامعی
(سابق ایڈیٹر پیام تعلیم)

تعلیم بالغان اور ادارہ تعلیم و ترقی

۱۹۲۶ء میں تعلیمی نقطۂ نظر سے جامعہ کی از سرِ نو تنظیم کے وقت تعلیمی ڈھانچہ بدلنے والوں کے ذہن میں یہ خیال تھا کہ ترقی نیچے سے اوپر کی طرف ہونا چاہیئے۔ عمارت کے استحکام کے لئے بنیادوں کی مضبوطی پہلی شرط ہے۔ اسی خیال کے پیش نظر ابتدائی تعلیم کی طرف زیادہ توجہ کی گئی اور اسی خیال کے پیش نظر بالغوں کی تعلیم کو اپنے تعلیمی پروگرام میں شامل کیا گیا۔

چنانچہ اسی سال ۲۶ ۱۹ء میں تعلیم بالغان کا کام شروع کر دیا گیا۔ اگرچہ یہ کام اس وقت محض شبینہ مدارس کے قیام تک محدود تھا تاہم اس کو عام طور پر بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ جامعہ کے نمونے پر جگہ جگہ شبینہ مدرسے کھل گئے۔

۱۹۳۸ء میں شفیق الرحمن صاحب قدوائی مرحوم نے نئے سرے سے اس کام کو شروع کیا۔ انھوں نے جامعہ کے ماہرین تعلیم کے سامنے ایک منظم اور جامع اسکیم پیش کی۔ جامعہ کے ارباب حل و عقد نے اس تجویز کو بہت پسند کیا۔ اور ادارہ تعلیم و ترقی کے نام سے ایک شعبہ قائم کر دیا گیا۔

شفیق صاحب غالباً پہلے شخص ہیں جنھوں نے تعلیم بالغان کے مسئلے کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا اور اس زمانہ کے ماہرین تعلیم سے مشورہ کر کے اس کا ایک خاکہ اپنے ذہن میں مرتب کیا۔ ان کے خیال میں تعلیم بالغان کا مقصد محض حرف شناسی یا پڑھانا ہی نہیں۔ بلکہ اس سے وسیع تر تھا۔ ان کا مقصد بالغوں کی ذہنی تربیت تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ بالغوں میں آپسی سماجی صلاحیتوں کو ابھارا جائے کہ وہ مل جل کر سماجی بھلائیوں کے کام کر سکیں۔ ان میں اپنی ترقی کی راہیں تلاش کرنے اور اپنے اوپر اعتماد اور بھروسہ کرنے کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ ان میں بہتر سماجی قدروں کو سمجھنے اور قبول کرنے کی صلاحیت ہے اس صلاحیت کو بیدار کیا جائے۔

ادارہ تعلیم و ترقی نے سب سے پہلے ایک دستور العمل مرتب کیا۔ اس دستور العمل کی رو سے

نصاب تعلیم نیز تعلیم کا طریقہ تجویز کرنا تھا، نمونے کے طور پر ضروری تعلیمی سامان تیار کرنا تھا، کارکنوں کی تربیت یا ٹریننگ کا انتظام کرنا تھا۔ ان کی رہنمائی کے لئے مناسب لٹریچر تیار کرنا تھا۔

ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک کتب خانہ، ایک میوزیم، ان پڑھ، کم پڑھے لکھے اور پڑھے لکھوں کے لئے تجربے کے طور پر نمونے کے تعلیمی مرکز قائم کرنا تھے، تعلیم یافتہ طبقے کی تعلیم تفریح ورزش وغیرہ کے وسائل فراہم کرنے کے لئے نمونے کے تعلیمی مرکز بال قائم کرنا تھے۔ اور بالغ بتدیوں کے لئے کتبوں، کتابوں، رسالوں وغیرہ۔ کی تیاری کا کام تھا۔

شفیق صاحب مرحوم کو یکہ و تنہا اس وسیع پروگرام کے ماتحت عملی سرگرمیوں کی طرف پوری توجہ مرکوز کرنا تھی اور ان کاموں کے لئے مالی وسائل بھی فراہم کرنا تھے۔ خوش قسمتی سے اس وقت شفیق صاحب کو ساتھی بھی بہت اچھے مل گئے تھے خصوصاً عبدالملک صاحب بی۔اے جامعہ مختار صاحب مرحوم، وفا الرحمن صاحب رامپوری، برکت علی صاحب فراق یہ حضرات پورے خلوص اور بڑی لگن سے شفیق صاحب کا ہاتھ بٹاتے تھے

تعلیمی تجربوں کے لئے شفیق صاحب نے قرول باغ میں ایک تعلیمی مرکز قائم کیا۔ شفیق صاحب خود اس کی نگرانی کرتے تھے وفا الرحمن صاحب وغیرہ نے اسے کامیاب بنانے کے لئے دن رات ایک کر دیا تھا۔ جبھی تو یہ اس مرکز کی صرف تین سال کی کارگذاریوں کا خلاصہ سن کر آپ حیرت زدہ رہ جائیں گے۔

(۱) اسلامی تاریخ و تمدن پر پچاس تقریریں (۲) قرآن پاک کی پانچ سو آیتوں کا ترجمہ سنایا گیا (۳) تعلیمی مرکز اور مسجد کے لئے سو قلمی پوسٹروں کی تیاری (۴) تازہ اور نت نئے واقعات پر ایک ہزار تقریریں (۵) ریڈیو سننے کے لئے لگ بھگ ڈھائی سو بیٹھکیں (۶) گشتی کتب خانے سے پندرہ ہزار کتابوں کا اجراء (۷) دیواری اخبار کے پچیس باتصویر ہفتہ واری نمبر اور بیس خاص نمبر نکالے گئے۔ روزانہ دیواری اخبار کے لئے آٹھ سو تصویریں فراہم کی گئیں۔ (۹) تیوہاروں کے موقعوں پر ایک ہزار معلوماتی کتابچے تقسیم کئے گئے (۱۰) سماجی اور تہذیبی سرگرمیوں کے لئے تین انجمنوں کا قیام (۱۱) مقامی آبادی کے بچوں کی طرف سے پندرہ بلیٹن اور تین رسالے نکالے گئے (۱۲) اخلاقی نصیحتوں پر سو پوسٹر اور حفظان صحت اور بین الاقوامی حالات کے سلسلے میں سو پوسٹر نکالے گئے (۱۳) اخلاقی قسم کے سات ڈرامے کئے گئے۔ مقامی دست کاریوں کی نمائش کی گئی۔

مرکز میں حصہ لینے والوں کی مجموعی تعداد ساٹھ ہزار اور آنے جانے والوں کی ایک لاکھ تھی

گشتی لائبریری کے ممبروں کی تعداد پانچ سو تھی۔ ان میں بعض نے تو دو سو تک کتابیں پڑھیں۔

اس کے علاوہ قرول باغ کے ابتدائی مدرسہ کی عمارت (تعلیمی مرکز ۲) میں تعلیم یافتہ طبقے کے لئے ایک تعلیمی مرکز ہال قائم کیا گیا۔ اس کا مقصد ایک لائبریری، ایک ریڈنگ روم۔ تصنیف وتالیف سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے حلقۂ علم وادب کا قیام علمی، ادبی، تفریحی اور تیوہاری جلسوں کا انعقاد تھا وغیرہ۔

اس تعلیمی مرکز ہال کے روح رواں برکت علی فراقؔ تھے۔ فراق صاحب نے اسے کامیاب بنانے کے لئے جیسی کچھ محنت کی ہے وہ آنکھوں دیکھی بات ہے۔ اس ہال کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ قرول باغ کے سبھی لوگ بلا امتیاز مذہب وملت مرکز کے کاموں میں حصّہ لیتے تھے اور اس کے پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے دل وجان سے کوشش کرتے تھے۔ اس ہال کی بدولت قرول باغ کے تعلیم یافتہ حلقے میں ایک خاص چہل پہل پیدا ہو گئی تھی۔

کتابوں کی تیاری

اس زمانے میں خالص بالغ مبتدیوں کے لئے شاید ہی دو ایک کتابیں لکھی گئی ہوں۔ بچوں کی کتابیں جلی اور کھلی کھلی لکھائی کی وجہ سے بالغوں کے لئے کارآمد ہو سکتی تھیں لیکن اندازِ بیان اور مضامین کے اعتبار سے ان میں بالغوں کے لئے دلچسپی کا کوئی سامان نہ تھا۔ اسی لئے خود ادارے نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ نمونے کے تعلیمی مرکز قائم کرنے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ انھیں تجربہ گاہ کے طور پر استعمال کیا جائے یعنی اُن کے ذریعے بالغوں سے گھُل مل کر یہ معلوم کیا جائے کہ کیا کیا عنوانات اُن کے لئے موزوں، مفید اور دلچسپ ہو سکتے اور ان میں ذہنی تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ اور ان تعلیمی مرکزوں کے تجربوں سے ادارے کو بہت مدد ملی۔ ادارے نے انھی تجربوں کی روشنی میں کتابوں کی تیاری کی اسکیم بنائی۔ اس اسکیم کے مطابق بالغوں کے لئے پانچ سو کتابیں تیار کرنا تھیں۔ اس سلسلے میں خود ادارے نے بہل کی شفیق صاحب، عبدالملک صاحب بی، اے جامعہ برکت علی فراقؔ۔ مختار صاحب نے خود کتابیں لکھیں اور اس زمانے کے منجھے ہوئے ادیبوں سے لکھوائیں۔

یہ کتابیں مذہب، تاریخ، تذکرہ، سوانح، جغرافیہ، حفظانِ صحت، عام معلومات، کاروبار کا ادب، والدین کا ادب غرض سبھی ضروری عنوانات پر مشتمل تھیں۔ اس طرح ۱۹۴۲ء سے پہلے

دو سو کتابیں تیار ہو گئیں اور ۲۰ کتابیں شائع ہو گئی تھیں۔

غرض یہ ادارہ بڑے جوش اور سرگرمی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا کہ ۴۷ء کے ہنگامے کی لپیٹ میں آ گیا۔ مجموعی حیثیت سے اسی کو سب سے زیادہ نقصان ہوا۔ اس کا تعلیمی مرکز بالکل تباہ ہو گیا۔ اس کی لائبریری تباہ ہو گئی۔ اس کے اچھے اچھے کارکن تتر بتر ہو گئے ایک مخلص کارکن مختار صاحب ہنگامے کی نذر ہو گئے۔

مگر مرحوم شیخ شفیق صاحب اور ان کے بچے کھچے ساتھیوں نے ان ناساز گار حالات کا بڑے استقلال اور پامردی سے مقابلہ کیا۔ وہ تازہ عزم اور نئے جوش کے ساتھ پھر اپنے کام میں لگ گئے۔ انھوں نے انھیں ناساز گار حالات میں شہر میں نمونے کے پانچ سنٹر قائم کئے۔ ان مرکزوں کو توقع سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی اور دلی میونسپلٹی نے ان کے نمونے پر شہر میں جگہ جگہ سنٹر قائم کر دیئے۔

ادارے نے اسی سلسلے میں کئی اہم کام اور کئے۔ اسکول کی عمر کے بچوں کے لئے نئے بچوں کی برادری کے نام سے ایک الگ شعبہ قائم کیا۔ اسکول کی عمر کے پہلے کے بچوں اور ان کی ماؤں کے لئے بالک ماتا سنٹر کے نام سے ایک الگ شعبہ قائم کیا۔ تعلیم بالغان یا سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی رہنمائی کے لئے تعلیم و ترقی کے نام سے ایک ماہوار رسالہ نکالا گیا۔ برکت علی صاحب فراق اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ تینوں کام بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی سے چل رہے ہیں۔ رسالہ تعلیم و ترقی نے اپنے میدان میں بڑی اہمیت حاصل کر لی ہے۔

ادارہ تعلیم و ترقی کی سرگرمیاں ابھی تک شہری آبادی تک محدود تھیں لیکن وقت کے تقاضوں کے پیش نظر شفیق صاحب مرحوم اور ان کے ساتھیوں نے فیصلہ کیا کہ اپنی سرگرمیوں کو وسعت دی جائے اور دیہات کو بھی اپنے پروگرام میں شامل کیا جائے۔ اس فیصلے کے بعد جامعہ نگر اوکھلا کے آس پاس کے گاؤں کو سرگرمیوں کا مرکز بنایا گیا۔

تصنیف و تالیف کا کام ابھی ادھورا تھا منصوبے کے مطابق پانچ سو کتابیں تیار کرنا تھیں اور ابھی کل دو سو کتابیں تیار ہو سکیں تھیں۔ ادارے نے اس کام کے لئے شعبہ تصنیف و تالیف کے نام سے ایک الگ شعبہ قائم کیا اس شعبہ نے پرانی کتابوں پر نظر ثانی کی اور بہت سی نئی کتابیں اردو ہندی میں لکھوائیں۔ مگر اُن کی اشاعت کے لئے سرمائے کی ضرورت تھی۔ اس موقع پر ہندوستان کی مرکزی حکومت نے ہماری مدد کی۔ اس امداد کی بدولت لگ بھگ ۸۰ کتابیں دس دس ہزار کی تعداد میں چھپ سکیں۔ ان کتابوں نے نہ صرف ریاستوں کے ماہرین تعلیم سے بلکہ مشہور کانگریسی

نینا اور ہندی لیکھک شری پرشوتم داس ٹنڈن سے خراجِ تحسین حاصل کیا۔

غرض، ۴۷ء کے مقابلے میں ادارہ تعلیم و ترقی کے یہ سب شعبے زیادہ وسعت اور زیادہ پھیلاؤ کے ساتھ کام کر رہے ہیں شعبۂ تصنیف و تالیف کے ساتھ آڈیو وژول کا ایک نیا شعبہ دھیرے دھیرے ابھر رہا ہے۔ جب سے عبید الحق صاحب بی۔ ایس، سی جامعہ (ایم ایس، سی انڈیانا) امریکہ اور کناڈا سے اس فن میں مہارت حاصل کر کے آئے ہیں۔ اس شعبے کی سرگرمیاں بہت تیزی سے بڑھ رہی ہیں عبید صاحب کے ساتھی اور شعبۂ تصنیف و تالیف کے پرانے آرٹسٹ مرتضیٰ صاحب بھی دن رات اس کام میں لگے رہتے ہیں۔

مکتبہ جامعہ آغازِ کار سے عملی طور پر اس ادارے کا معاون رہا ہے۔ تعلیم و ترقی کے رسالے اور کتابچے شروع سے مکتبہ ہی چھاپتا رہا ہے کچھ دنوں کے لئے جب مکتبہ کا وجود تقریباً ختم ہو گیا تھا ادارے نے کچھ کتابیں بمبئی سے چھپوائی تھیں۔ لیکن مکتبے کے حالات بہتر ہو گئے تو پھر مکتبہ اسی جوش اور سرگرمی سے ادارے کی کتابیں شائع کرنے لگا۔ ۴۷ء کے بعد ہندی زبان میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا تو ہندی مسودوں کی اشاعت کا کام بھی ادارے نے مکتبے کے سپرد کیا۔ ادارہ جو کتابیں اپنے اہتمام میں چھاپتا ہے انھیں بھی اشاعت کے لئے مکتبہ ہی کے سپرد کرتا ہے۔

تبرّکاتِ جگر

غزل

جان کر منجملۂ خاصانِ میخانہ مجھے
مدّتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

ننگِ میخانہ تھا میں ساقی نے یہ کیا کر دیا
پینے والے کہہ اٹھے یا پیرِ میخانہ مجھے

سبزۂ و گل موجِ دریا انجم و خورشید و ماہ
اک تعلق سب سے ہے لیکن رقیبانہ مجھے

زندگی میں آ گیا جب کوئی وقتِ امتحاں
اُس نے دیکھا ہے جگرؔ بے اختیارانہ مجھے

عمر انصاری

نذرِ عقیدت

چھوڑ کر بستی کو راس آیا ہی ویرانہ تجھے
اب کہاں پائیں گے ہم اے پیرِ میخانہ تجھے

اے کہ تیری دردمندی کا نہ تھا کوئی جواب
آ گیا کیونکر گزرنا بے نیازانہ تجھے

سوئی سوئی ہیں جہانِ حُسن کی کلیاں تمام
عشق نے تیرے بنایا کیسا افسانہ تجھے

سو گیا جادو کہاں جا کر تیری آواز کا
کر گئی کس کی نظر اپنوں سے بیگانہ تجھے

بھا گئی کس کی ادائے دلنشیں دل کو ترے
دی صدا کس نے یہ کہہ کر اپنا دیوانہ تجھے

اے جگر اے آبروئے حُسنِ لیلائے غزل
یاد کس کی آ گئی بے اختیارانہ تجھے

اے زہے قسمت کہ حاصل ہو گئی معراجِ عشق
ڈھونڈتی پھرتی ہیں شمعیں بن کے پروانہ تجھے

حُسنِ گُل، جوشِ بہاراں، اشکِ شبنم، موجِ مے
دے رہے ہیں سب تری الفت کا نذرانہ تجھے

سونے والے اوڑھ کر چادر کسی کی یاد کی
دیکھتی ہے زندگی اب تک حریفانہ تجھے

مانتا تھا دل سے تیری عظمتیں شیخِ حرم
جانتا تھا برہمن شمعِ صنم خانہ تجھے

وہ سخن جو تابعِ فرماں تھے تیرے حکم کے
یاد کرتے ہیں لئے آئینہ و شانہ تجھے

قول صادق تھا ترا اے شاعرِ رنگیں نوا
"مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے"

(بشکریہ قومی آواز لکھنؤ)

ہمارے مصنفین

مکتبہ جامعہ نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں اُردو نشر و اشاعت کے میدان میں ایک اہم مقام حاصل کر لیا ہے۔ ہم نے ادب، سیاست، فلسفہ اور دیگر سماجی علوم پر سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں شائع کی ہیں۔ ہمارے مصنفین کی فہرست میں آپ کو بہت سے جانے پہچانے نام مل جائیں گے۔

مہاتما گاندھی	خواجہ غلام السیدین
پنڈت جواہر لال نہرو	پروفیسر محمد مجیب صاحب
حکیم محمد اجمل خاں صاحب	ڈاکٹر عابد حسین صاحب
مولانا محمد علی	بشیر حسین زیدی
خالدہ خانم ادیب	جوش ملیح آبادی
مولانا ابو الکلام آزاد	جگر مراد آبادی
ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب	مالک رام صاحب ایم۔ اے
منشی پریم چند	ڈاکٹر عبد العلیم
رشید احمد صدیقی	ڈاکٹر یوسف حسین
مولانا اسلم جیراجپوری مرحوم	ڈاکٹر محمود حسین صاحب

پروفیسر آل احمد سرور
آصف بن علی اصغر فیضی
عصمت چغتائی
کرشن چندر
پیارے لال
آنند نرائن ملا
خواجہ احمد عباس
روش صدیقی
اوپندر ناتھ اشک
ڈاکٹر بھبانی بھٹاچاریہ
کیلاش چندر
بیگم قدسیہ زیدی
ڈاکٹر سلامت اللہ
جناب سعید انصاری
بیگم رضیہ سجاد ظہیر
سلطانہ جعفری
آصفہ مجیب
اشتیاق حسین قریشی
مہندر ناتھ
کرشنا مہتا
ہنسراج رہبر
عبدالغفار مدھولی
حسین حسان ندوی، جامعی سابق
ایڈیٹر پیام تعلیم
خواجہ عبدالحی فاروقی
نیاز فتح پوری

پروفیسر عبدالغفور
الیاس احمد مجیبی
سید نواب علی رضوی ایم۔ اے
عبدالواحد سندھی
مشتاق احمد اعظمی
علی احمد خاں بی۔ ایس۔ سی جامعہ
مدن موہن گپت
مولانا محمد حفیظ الدین ندوی
محمود علی خاں صاحب جامعی
حامد اللہ افسر
شفیع الدین نیر
فیاض حسین جامعی
مقبول احمد سیوہاروی
محمد خلیق
انور عظیم
زہرہ سیدین
پنڈت تلا رام
عبداللہ ولی بخش قادری
رشید نعمانی صاحب
نذیر الدین مینائی
مولانا عبدالسلام قدوائی
محمد حسین صاحب
رفیق محمد شاستری
ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی
دبیر احمد صاحب

دونیدر جوشی صاحب
محمد اکرام صاحب
جگدیش چندر گوئل
محمد عبدالواسع عصری
حسن عسکری
محمد معین مرحوم
عشرت صدیقی
وہاج الدین صاحب
حفیظ احمد خاں صاحب
انور فریدی مرحوم
سید ابوطاہر بی۔ایس۔سی
پروفیسر عطاء اللہ
احسن عثمانی

مولانا محمد حسین محوی لکھنوی
احمق پھپھوندوی مرحوم
چمن لال جرنلسٹ
سید نذیر نیازی بی۔اے جامعہ
محمد یحییٰ تنہا
مولانا سید محمد سورتی
مولانا سید شرف الدین صاحب یاس
قیصر حسین زیدی ایم۔اے
مس گرڈا فلپس بورن۔
ڈاکٹر پی راج موگا
خدیجہ سلطانہ
سید احسن ایم۔اے
نورالرحمٰن بی۔اے

رشید احمد صدیقی

جگر صاحب

جگر صاحب ان چار سرآمد اُردو شعرا میں تنہا رہ گئے تھے جن کو بیسویں صدی کے ایوان غزل گوئی کے چار ستون کہا جاتا ہے یعنی حسرت، فانی، اصغر، جگر۔ کیسے مستحکم یہ ستون تھے جن پر جدید غزل کی خوبصورت عمارت قائم ہے، باوجود ان تہلکوں اور زلزلوں کے جو اُسے پیش آتے رہے۔

جگر صاحب اپنی سیرت اور شخصیت کے اعتبار سے اپنے کلام سے بھی زیادہ دل آویز اور قابلِ احترام تھے۔

بالکل یاد نہیں آتا جگر صاحب سے پہلے پہل کب، کہاں اور کیسے ملاقات ہوئی۔ ممکن ہے الہ آباد میں ہوئی ہو جہاں اصغر صاحب مرحوم ہندوستانی اکیڈمی (یوپی) میں صیغۂ اُردو کے مشیر ادبی تھے۔ کسی کام سے الہ آباد جانا ہوتا تو میرا قیام اصغر صاحب کے یہاں ہوتا۔ یہ زمانہ اور اس کے بعد کا کافی زمانہ ایسا تھا جب جگر صاحب پر شراب کا بڑا تسلط تھا۔ رفتہ رفتہ مجھ سے اتنی رسم و راہ ہو گئی کہ جگر صاحب جب کبھی علی گڑھ تشریف لاتے تو میرے یہاں ٹھہرتے یہاں تک کہ ہم دونوں ایک دوسرے کے بڑے عزیز اور محترم دوست بن گئے۔

الہ آباد میں اصغر صاحب کے سامنے جگر صاحب اس طرح خاموش، مؤدب اور آنکھیں نیچی کئے ہوئے بیٹھتے کہ اُن سے گفتگو بھی کی جاتی تو صرف، ہاں نہیں، میں مشکل سے جواب دیتے اور پھر سر جھکا لیتے۔ اصغر صاحب مجھ سے بڑی محبت کرتے تھے، ان کے ہاں پہنچ جاتا تو وہ ایسے خوش ہوتے جیسے اُن کا رُواں رُواں مسکرانے لگا ہو۔ ان کے اس طرح خوش ہونے سے مجھ پر آسودگی اور عفو کی ایسی کیفیت طاری ہوتی جیسے میں ان تمام لوگوں کا قصور معاف کرنے لگا ہوں جنھوں نے میرے ساتھ ظلم و زیادتی کی ہو۔

کبھی کبھی وہیں جگر صاحب مل جاتے۔ ان کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا جیسے وہ خود نہ آئے ہوں بلکہ کسی نے پہنچا دیا ہو اور اس کے منتظر ہوں کہ موقع ملے تو پھر اپنی مہم پر چلے جائیں۔

ان کے مواجہ میں اصغر صاحب مجھ سے تفصیل سے گفتگو نہ کرتے یں بھی کوئی ذکر نہ چھیڑتا۔ ہم دونوں بیٹھے ہوتے تو جگر صاحب اٹھ کر چلے جاتے۔

اصغر صاحب جگر صاحب کو زیادہ خاموش یا اکتایا ہوا دیکھتے تو کبھی کبھی مسکرا کر یہ فقرہ اُن کو سنا دیتے۔ "چاہے جہاں پھر و لوٹ کر یہیں آنا پڑے گا" اس کے بعد مجھ سے مخاطب ہو کر ہنسنا بولنا شروع کر دیتے۔ ایک دفعہ میں نے پوچھا: "اصغر صاحب کہاں آنا پڑے گا؟ بیچارے آ تو جاتے ہیں۔" اصغر صاحب میری طرف دیکھ کر مسکرائے۔ اُن کی آنکھیں اُن سے زیادہ مسکراتی تھیں۔ پھر بولے: "ابھی کہاں آتے ہیں۔ ابھی تو لائے جاتے ہیں" ایک دفعہ الٰہ آباد پہنچا تو اصغر صاحب کے ہاں جگر صاحب پھر اسی حال میں ملے۔ کھانے کا وقت آیا تو میں اور اصغر صاحب کھانے کے کمرے کی طرف چلے۔ جگر صاحب نے شرکت سے معذوری کا اظہار کیا۔ اصغر صاحب اس دن کچھ بدحظ سے معلوم ہوتے تھے۔ چلتے چلتے کھڑے ہو گئے اور جگر صاحب کو مخاطب کر کے بولے "یہ سب تمہارے شعر نہیں سنتے تمہارا گوشت کھاتے ہیں۔" اصغر صاحب کی آزردگی پر کسی قدر برہمی کا رنگ چھانے لگا تھا۔

میں نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کھانے کے کمرے میں داخل ہوا۔ اصغر صاحب کھانے کی طرف متوجہ ہوئے تو میں نے کہا: "اصغر صاحب آپ تو لکھنوی شاعری کے تشبیہ استعاروں کے کبھی شیدائی نہ تھے۔ یہ گوشت کا کیا قصہ ہے؟" کھانے سے ہاتھ روک لیا۔ کچھ خشمگیں لیکن زیادہ حزیں لہجہ میں بولے: "رشید صاحب آپ کو کیا معلوم یہاں ایسے بے رحم لوگ بھی ہیں جو ان کو جہاں چاہتے ہیں پکڑ لیتے ہیں اور یہ جو اسپرٹ ہوتی ہے نہ، وہ پلا پلا کر ان سے شعر سنتے ہیں اور جب یہ ادھ موے ہو جاتے ہیں تو تکیے پر لاد پھاند کر یہاں پہنچا دیتے ہیں۔" میں نے دیکھا کہ اصغر صاحب بے کیف ہو گئے ہیں اور کھانے سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے۔

میں نے پوچھا ۔۔۔ "اصغر صاحب آپ نماز تو پڑھتے ہیں؟" بولے "ہاں" میں نے کہا۔ ۔۔۔ صاحب تو آپ کو صاحب کشف و کرامات بھی بتاتے ہیں۔" بولے "جی تو پھر؟" میں نے عرض کیا "۔۔۔ صاحب نے آپ کا ایک شعر سن کر آپ کو مستجاب الدعوات بھی قرار دیا تھا" بولے "آپ بھی تو کچھ کہیے۔" میں نے کہا "آپ اللہ سے دعا کیوں نہیں مانگتے کہ جگر صاحب کا گوشت کھانے والے ویجیٹیرین ہو جائیں۔" اصغر صاحب ہنس پڑے اور ہم دونوں کھانے میں مصروف ہو گئے! کھانا کھلانے پر جو ملازم مامور تھا اس سے پوچھتے جاتے تھے یہ کھانا یا وہ کھانا جگر صاحب کے لئے رکھ دیا ہے یا نہیں۔

اس سے اطمینان نہیں ہوتا تو توڑ ڈونگے اور پلیٹ سے نکال کر علٰحدہ پلیٹوں میں رکھتے جاتے اور کہتے جاتے "یہ سب جگر صاحب کے لئے ہے بغیر کھانا کھلائے ان کو باہر نہ جانے دینا۔

میرے گھر کا ہر چھوٹا بڑا جگر صاحب کو بہت عزیز رکھتا تھا۔ یونیورسٹی اور شہر میں بھی جگر صاحب محبوب اور مقبول تھے۔ اس زمانہ میں بھی شراب کا بڑا زور تھا۔ اکثر غافل اور بدمست شہر سے لائے جاتے۔ یونیورسٹی کے اندر کوئی نہ کوئی طالب علم مل جاتا جو ان کو میرے ہاں لاتا۔ میں گھر پر موجود نہ ہوتا تو وہ کمرہ میں بچھا کر دیکھ بھال میں مصروف ہو جاتا۔

یہ طالب علم جگر صاحب کی نرسنگ اس طور پر کرتے جیسے کوئی اپنے باپ یا بھائی کی خدمت کر رہا ہو یا کوئی نرس سرسام میں مبتلا مریض کی نرسنگ کرتی ہو۔ اور یہ اس زمانہ کی بات ہے جب جگر صاحب اور یہ طالب علم دونوں اپنی اپنی جگہ پر ان بانکوں سے کم نہ تھے جن کے قصے تاریخوں اور داستانوں میں ہم پڑھتے آئے ہیں۔

میں آجاتا تو طالب علم چلے جاتے اور معلوم نہیں کیوں اور کیسے جگر صاحب خاموش اور مودب ہو جاتے لیکن ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا جیسے رہ رہ کر سمندر کی تہہ سے کوئی طاقت در موج ابل کر باہر آنے والی ہو لیکن سطح کے قریب پہنچ کر یک بیک زور ختم کر کے واپس چلی جاتی ہو۔

یہ باتیں میں اس لئے بیان کر رہا ہوں کہ اس میں میری بڑائی نکل رہی ہے، میری یہ نیت ہوتی تو میں اتنا بے وقوف نہیں تھا کہ اس بھونڈے طریقے سے اس کی نمائش کرتا۔ جگر صاحب سے مجھے یہی تو شکایت تھی کہ وہ میرے سامنے مودب کیوں ہو جاتے ہیں۔ مجھے ایسے آدمی سے ملنے میں بڑی الجھن ہوتی ہے جو مجھے ہر وقت گارڈ آف آنر دیتا رہے اور اس سے بھی کچھ کم کوفت اس وقت نہیں ہوتی جب کوئی شخص میرے سامنے مجھ سے زیادہ مسخرہ بننے کی کوشش کرتا ہے۔

جگر صاحب اپنے حلقہ کے لوگوں میں بیٹھے ہوتے تھے تو بہت خوش اور بے تکلف ہوتے تھے۔ ایسے میں جگر صاحب کے پاس جانے سے پرہیز کرتا تھا۔ لیکن اتفاق یا ضرورت سے پہنچ جاؤں تو وہ اس طرح خاموش اور سنجیدہ ہو جاتے جیسے مکتب کے چھوٹے بچے ہنس بول یا اودھم مچا رہے ہوں اور دفعتاً مولوی صاحب نمودار ہو جائیں!

جگر صاحب یقیناً مجھ سے بہتر انسان تھے۔ وہ مجھ سے مساوات برتیں، میری عیادت کریں۔ یہ ساری باتیں سمجھ میں آتی تھیں لیکن وہ مجھے حرمین شریفین قسم کا مولوی یا کسی اردو اخبار کا آمر و جابر ایڈیٹر یا برطانوی عہد کا تھانیدار سمجھیں۔ یہ میرے لئے ڈوب مرنے کی بات تھی ہی خود جگر صاحب

کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں تھی۔

میرا خیال ہے کہ ان کے یہاں جو میرا رکھ رکھاؤ تھا، وہ غالباً اس تعلق سے تھا جو مجھے اصغر صاحب سے یا اصغر صاحب کو مجھ سے تھا۔ اس طرح کی باتوں کا جگر صاحب بڑا لحاظ کرتے تھے۔ وضعداری شریفوں کی پرانی کمزوری ہے۔

ایک دفعہ خبر آئی کہ جگر صاحب شراب سے تائب ہو گئے یقین نہ آیا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ سمجھا تھا کہ آج نہیں کل یہ خبر آئے گی کہ پھر سے شروع کر دی۔ بری عادتیں اس آسانی سے نہیں چھوٹتیں جس آسانی سے اچھی عادتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ سوچا یہ تھا کہ جب میں اپنی معمولی بُری عادتیں چھوڑ دینے پر قادر نہیں ہوں تو جگر صاحب شراب کیسے چھوڑ دیں گے جس میں وہ اس طرح ڈوبے ہوئے تھے جس طرح شاید جوشِ گریہ میں غالب کا دل ڈوبی ہوئی اسامی تھا۔

جگر صاحب شراب سے کیوں اور کیسے تائب ہوئے اس کا مجھے علم نہیں۔ اس بارے میں اُن سے کبھی ذکر نہ آیا۔ اتنا البتہ جانتا ہوں کہ ان پر شراب کا کتنا ہی غلبہ کیوں نہ ہوتا، ان سے کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہوتی جسے مبتذل کہہ سکیں۔ اُن کی زبان سے نحیف کلمات نہیں نکلتے تھے۔ وہ کبھی لوٹتے پوٹتے ڈُندجاتے نہیں پائے گئے۔ مجھے تو اکثر محسوس ہوا جیسے کیف و سرخوشی بخشنے کے بجائے شراب ان کو انتہائی درد و کرب میں مبتلا کر دیتی ہو اُن پر تھوڑی شراب بھی بہت اثر کرتی تھی۔

ممکن ہے اس کا سبب یہ ہو کہ اُن کے اعصاب بڑے ذکی الحس تھے۔ اور تھوڑی ہی تکلیف بھی بہت ہو جاتی ہو، شاعری میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ جیسے خیال یہ جذبہ برقی رو بن کر ان کے جسم و جان کو جھنجھنا دیتا ہو۔ کچھ دنوں سے اُن کے کلام میں یہ بات بظاہر کم ہو گئی تھی لیکن غور کرنے سے یہ محسوس ہوتا تھا کہ جو بات کہی گئی ہے، اس میں تاثرات کی شدت ہے، لیکن ان کو پیش کیا گیا ہے زیادہ مدھم آواز اور انداز میں۔

جگر صاحب کی شاعری میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ اصلاً وہ دوری و مہجوری کے شاعر ہیں۔ ان کی شاعری کی رفتار اور سمت کا مطالعہ کیا جائے تو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ فراق کے شاعر ہیں وصال کے نہیں۔ ان کا محبوب سے رشتہ کا انداز CENTRIFUGAL (مرکز گریز) ہے۔ یہی سبب ہے کہ جگر صاحب کی شاعری میں محبوب کی عفت میں کہیں کوئی خلل نظر نہیں آتا اور ان کا کلام اس آلودگی اور بے راہ روی سے پاک ہے جو ہماری شاعری اور

سوسائٹی میں نظر آتی ہے۔ میرا کچھ ایسا خیال ہے کہ جو شاعر ذہن و فکر کے اعتبار سے محبوب سے قریب سے قریب اور جسم و جان کے اعتبار سے دور سے دور ہو، وہ اس شاعر سے بالعموم بہتر اور برتر ہوگا جس کی پوزیشن اس کے بالکل برعکس ہو۔ جگر کے نقاد کو یہ نکتہ مدّنظر رکھنا چاہیے۔

شراب چھوڑنے کے بعد جگر صاحب طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے، یہ زمانہ ان پر بڑا سخت گذرا، صحت خراب ہو گئی۔ طرح طرح کی ذمہ داریوں نے آ گھیرا، مالی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی۔ جگر صاحب نے جس پامردی سے ان مصیبتوں کو جھیلا، وہ جگر صاحب کا رزمیہ ہے۔ کتنے اور کیسے کیسے "روزِ ابر و شبِ ماہتاب" آئے ہوں گے اور جگر صاحب پر سے گذر گئے ہوں گے۔ اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

جگر صاحب بڑے مذہبی آدمی تھے۔ مذہبی لوگوں کے بارے میں میرا تجربہ کچھ اچھا نہیں ہے۔ میں نے اکثر لوگوں کو ایسے مذہب میں مبتلا پایا جن میں خاصی اخلاقی کمزوریاں ملتی ہیں۔ یہ لوگ خدا کو اس منطق سے قائل کرتے رہتے ہیں: "میں جتنی شادیاں کرتا ہوں اور طلاق دیتا ہوں اتنی ہی زائد رکعتیں نماز کی بھی پڑھ لیتا ہوں۔" وہ سمجھتے ہیں کہ جس طرح امریکہ ہر چیز کی قیمت ڈالر میں وصول کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کا کفارہ نفلوں میں قبول کر لیتا ہے۔

مذہب بڑی سخت اور قابلِ قدر آزمائش ہے۔ بالخصوص مسلمانوں کا مذہب جس طرح کے مذہبی لوگ میرے پیشِ نظر ہیں، وہ اس درجہ بے وقوف ہوتے ہیں کہ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جب وہ اپنے ارد گرد کے معمولی سوجھ بوجھ کے لوگوں کو دھوکا نہیں دے سکتے تو وہ خدا کو کیونکر دھوکا دیں گے جس کی صفات کا ان کو علم ہے یقین ہو یا نہ ہو۔ ان کو یہ بھی نہیں معلوم کہ خدا نے اپنے سارے اختیارات ان بندوں کو ہمیشہ کے لئے منتقل کر دیئے ہیں جن کا وہ حق مارتے رہتے ہیں۔ ایسے معاملات میں وہ خدا کے یہاں جتنی عرضیاں بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو پڑھے بغیر عدالتِ مجاز کو واپس کر دیتا ہے۔

ان میں بعض ایسے معصوم بھی ملیں گے جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خدا کو نہ سہی ان فرشتوں ہی کو دھوکا دے کر کاربراری کر لیں گے جو اُن کا اعمال نامہ ترتیب کرنے کے لئے کاندھوں پر بٹھا دیئے گئے ہیں۔ اُن کا خیال ہے کہ آخرت میں پٹواری کے اندراجات کی بنا پر

لہ اس سے کوئی صاحب یہ نہ سمجھیں کہ میرا مطلب شراب کی فضیلت جتانا ہے یہاں شراب کے چھوڑنے اور مصیبتوں کے آنے میں سبب اور مسبّب کا رشتہ نہیں ہے۔ (رشید صدیقی)

مقدم جیت لیں گے۔

جگر صاحب ان معنوں میں مذہبی آدمی تھے کہ وہ اللہ رسول اور انسان کے حقوق پہچانتے تھے اور اس کا لحاظ رکھتے تھے کہ جس کا جو حق ہو اُسے پہنچ جائے۔ وہ نفع کے ضرر اور ضرر کے نفع کو جانتے تھے۔ اُن میں حیا تھی، وہ پرائی چیز کو اپنانے کے درپے نہیں ہوتے تھے۔ ان میں غیرت اور حمیت تھی۔ ظلم اور زیادتی اپنے پر ہو تو جھیل جاتے تھے، دوسرے پر ہو تو اس کی حمایت میں اپنے کو خطرے میں ڈال دیتے تھے۔ ان کے یہ جوہر تقسیم ملک کی ہلاکتوں میں کھلے۔ تفصیل میں طوالت ہے۔

جگر صاحب عالم فاضل نہیں تھے۔ مذہب ہو، سیاست ہو، شعر و ادب ہو، ان پر ان کی گفتگو منطقیانہ یا فلسفیانہ نہیں ہوتی تھی۔ ان کا احساس جتنا سریع اور شدید تھا، اتنا اُن کا مطالعہ وسیع نہیں تھا۔ وہ خود اپنی شاعری کے بارے میں تفصیل سے گفتگو نہیں کر پاتے تھے۔ وہ اپنی شاعری سے باہر نکل کر کسی اور شاعری پر غور کرنا نہیں چاہتے تھے۔ شاید غور کر بھی نہیں سکتے تھے۔ جس کے جذبات تند و تیز ہوں، وہ غور کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جگر صاحب اقبال کی شاعری کے کچھ ایسے قائل نہیں تھے۔ فانی بھی نہیں تھے۔ دونوں کا یہ کہنا ہے کہ شاعری میں فکر و فلسفہ کیسا؟ حالانکہ دونوں بالخصوص جگر صاحب جب جہت و جہان سے بلند ہوتے ہیں، اقبال کے قریب آ جاتے ہیں۔ لیکن جگر صاحب شعر و شاعری کے بارے میں جو کچھ کہتے تھے وسعت اور وزن سے قطع نظر اس میں خلوص کی پاکیزگی اور یقین کی جھلکی ملتی تھی۔

میں نے جگر صاحب کو تقریباً ہر حال اور ہر صحبت میں دیکھا ہے۔ خوبصورت نوجوان آزاد منش عورتوں میں، ماں بہن بیٹیوں میں، عمائد و اکابر کی موجودگی میں طلبا و اساتذہ اور دوسرے سنجیدہ اور ثقہ حلقوں میں۔ گفتار و کردار کے اعتبار سے میں نے ان کو کہیں قابلِ گرفت نہیں پایا۔ عورتوں کی موجودگی میں جگر صاحب عفیف و شفیق نظر آتے تھے۔ اُن کی زبان سے کوئی ہلکی بات نہ نکلتی تھی۔ اور نگاہ کبھی بے باک اور بے محابا نہ ہوتی تھی۔ عورتوں کی موجودگی سے قطع نظر بے تکلف دوستوں میں میں نے کبھی یہ نہ دیکھا کہ جگر صاحب نے بے خیالی میں یا تعریضاً کوئی ایسا جملہ کہا ہو جس میں عورتوں سے تفریح یا عورتوں کی تضحیک کا پہلو نکلتا ہو۔ کم سے کم میری جان پہچان کا کوئی اُردو شاعر ایسا نہیں ہے سوائے فانی مرحوم کے جو اس بارۂ خاص میں جگر صاحب کا مقابلہ کر سکے۔

رؤسا اور امرا کے سامنے جگر صاحب حتی الوسع اپنا اور ان کا دونوں کا رکھ رکھاؤ

ملحوظ رکھتے تھے، لیکن اس طرح کی صحبتوں میں جگر صاحب کی طرف سے میں ہمیشہ متردد رہا۔ اس لئے کہ معمولی آدمیوں کی بدتمیزی وہ بالعموم نظرانداز کر دیتے تھے، لیکن کسی بڑے آدمی سے ذرا بھی کوئی ناواجب حرکت سرزد ہو جاتی تو جگر صاحب بغیر کچھ کہے یا کئے نہ رہتے تھے۔ چاہے اس کا انجام کچھ ہی ہو۔ بھوپال کے نواب زادہ رشید الظفر صاحب زمانہ طالب علمی سے جگر صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ایک زمانہ میں انھوں نے جگر صاحب کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا اور کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں عائد کی تھی کہ وہ کیا کریں یا کہاں رہیں۔ اس زمانہ میں والیانِ ریاست میں سے اکثر یہ چاہتے تھے کہ جگر صاحب ان سے وابستہ ہو جائیں۔

ان میں سے ایک جو بہت بڑی ریاست کے چشم و چراغ تھے اس کے درپے ہوئے کہ جگر صاحب جس معاوضہ اور شرط پر چاہیں ان کے متوسلین میں شامل ہو جائیں۔ طرح طرح کے ڈورے ڈالے گئے۔ جگر صاحب کی مالی حالت خراب تھی۔ بھوپال کے وظیفے سے بسر اوقات ہو جاتی تھی۔ جگر صاحب اس آفر کو خوش اسلوبی سے ٹالتے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ رئیس نے جگر صاحب سے برملا اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ جگر صاحب نے بات ٹالنی چاہی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اصرار بڑھا اور اصرار میں بھی کچھ رنگ امارت کا بھی جھلکا۔ جگر صاحب بے قابو ہو گئے۔ بولے "جناب آپ مجھے داموں خریدنا چاہتے ہیں۔ میں تو رشید الزماں خاں کے ہاتھوں بک چکا ہوں!" حاضرین سناٹے میں آگئے اور جگر صاحب گھر آگئے۔

جگر صاحب میں مروت اور وضعداری بہت تھی۔ جس سے رسم و راہ ہو جائے اس کے لئے وہ تمام آداب برتتے جو شریفوں میں قدیم سے چلے آتے تھے۔ اس سلسلے میں انھوں نے بڑے دھوکے کھائے ہیں نقصان اٹھائے۔ جگر صاحب کا شمار کھاتے پیتے لوگوں میں نہیں تھا۔ مدتوں بڑی تنگی ترشی سے بسر ہوئی۔ خرچ آمدنی سے بہت زیادہ تھا۔ لیکن انھوں نے اپنی تنگ دستی کا اظہار کبھی کسی سے نہیں کیا۔ مہمان کا خیر مقدم اس طرح کرتے جیسے ان کے گھر خیر و برکت کا نزول ہو رہا ہو۔ تکریم و تواضع میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتے۔ کپڑے اچھے پہنتے۔ سامان قیمتی رکھتے جس کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی مانگ لیتا یا چرا لیتا۔ ورنہ خود کہیں کھو آتے۔

جگر صاحب کبھی میرے ہاں آئے میں نے یہ سوال کیا "جگر صاحب سفر میں کچھ کھو آئے؟" اور تقریباً ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ کچھ نہ کچھ، کہیں نہ کہیں چھوڑ آئے ہیں۔ ایک دفعہ مشاعرے میں کچھ ملا تھا اُسے جیب میں رکھ لیا۔ جن کے ہاں ٹھہرے تھے انھوں نے جگر صاحب کی دیکھ بھال کے لئے

اپنے کسی عزیز کو مقرر کر دیا تھا۔ انھوں نے جگر صاحب کی بڑی خدمت کی، ہر وقت موجود رہتے۔ اور اظہارِ عقیدت کرتے۔ جگر صاحب کو غافل سمجھ کر انھوں نے سارے روپے نکال لئے۔ جگر صاحب کہتے تھے کہ وہ یہ سب دیکھ رہے تھے لیکن چپ رہے۔ میں نے پوچھا "یہ کیوں؟" بولے "یہ واقعہ ایسے وقت ہوا جب میں جائے قیام سے رخصت ہو کر اسٹیشن آ رہا تھا۔ بہت سے لوگ موجود تھے کچھ اچھا نہ معلوم ہوا کہ وہاں اس چوری کا اعلان کروں اور کسی شریف آدمی کو رسوا کروں۔"

جگر صاحب جس کے مہمان ہوتے تھے۔ اُس پر بہت کچھ اپنا ہی صرف کرتے تھے۔ میں نے غصّے میں اُن کو آپے سے باہر ہوتے نہ دیکھا۔ حکم چلاتے نہ پایا۔ اپنی بڑائی کبھی اُن کی زبان پر نہ آئی۔ دوسروں کے عیب انھوں نے کبھی نہیں ڈھونڈھے۔ نہ کبھی ان کی تشہیر کی۔ ایسے لوگ کم ہیں جو اپنی بڑائی جتانے کے لئے ایسا نہ کرتے ہوں۔ جگر صاحب کی ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ عام شعراء کی مانند اس تاک میں نہیں رہتے تھے کہ کوئی غریب اور شریف مل جائے تو اپنے اشعار سنا سنا کر اسے ادھ موا کر دیں۔

جگر صاحب کو معصوم بچّوں سے کھیلتے ہوئے کم لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ بالخصوص ایسے حال میں کہ جگر صاحب کو نہ معلوم ہو کہ انھیں کوئی دیکھ رہا ہے۔ بچّے سے کہیں زیادہ معصوم وہ خود نظر آتے تھے۔ وہ اتنے خوش اور شگفتہ معلوم ہوتے جیسے اُن کے سر پر آسمان نہ ہو۔ جگر صاحب کا چہرہ بشرہ ایسا نہیں تھا کہ کوئی بچّہ اُن کے سامنے بے تکلف ہو سکے۔ اس کمی کو جگر صاحب طرح طرح سے پوری کرتے۔ وہ اپنے آپ کو بچّے کا کھلونا بنا دیتے۔ ایسا کھلونا جس کو بچّہ نہ کھیلے تو کھلونا خود کھیلنے لگے۔ وہ بچّوں سے مصافحہ، معانقہ یا چوما چاٹی نہیں کرتے تھے نہ دعائیں دیتے تھے۔ نہ تلقین کرتے تھے۔ نہ اُسے ملک و ملّت کی خدمت یا خواری کے لئے تیار کرتے تھے۔ وہ اس کے سامنے اپنی شاعری بھول جاتے تھے، اپنی عمر، صحت، حُلیہ، زبوں حالی سب فراموش کر دیتے تھے۔ بس طرح طرح سے خوش ہوتے۔ اور بچّہ کو خوش کرنا چاہتے تھے۔ بچّے خدا کا مصرع طرح ہوتے ہیں۔ جن پر خدا طرح طرح سے طبع آزمائی کرتا ہے۔

میں نے بعض مشہور مستند اور عمر رسیدہ شعراء کو دیکھا ہے جو دوسرے شاعر کی بُرائی بیان کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ مشاعرہ میں شاعر اپنا کلام سنا رہا ہے اور یہ بیٹھے اس پر بازاری فقرے چست کر رہے ہیں اور آس پاس کے نالائقوں سے اپنی اس خفیف الحرکتی کی داد لیتے جا رہے ہیں۔ اس طرح کی بے ہودگی کسی اور میں ہو تو ہو، شاعر میں ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔

اس طرح کی حرکت شاعر ہی نہیں کرتے وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو شعر و ادب کے پارکھ سمجھے جاتے ہیں اور جنھوں نے عمر کا بیشتر حصہ شعر و ادب کی خدمت میں گذارا ہے۔ بس یہ گوارا نہیں کہ ان کے ہوتے دوسرا کیوں؟

بعض شعرا کے بعض اشعار اور بعض مواقع ضرور ایسے ہوتے ہیں جب پھبتی یا فقرے بے اختیار زبان پر آجاتے ہیں۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت بھی نہیں روک سکتی۔ یہ فقرے اور پھبتی کبھی کبھی وہ مزا دے جاتے ہیں جو اچھے اچھے اشعار نہیں دے پاتے۔ لیکن اس طرح کے فقرے اور پھبتی کہنے کا حق مشاعرہ میں سامعین کو حاصل ہے خود شعرا کو نہیں۔

مشاعروں میں اب یہ بات عام ہو گئی ہے بالخصوص دہلی کے پبلک مشاعروں میں۔ آجکل شاید ہی کوئی اور تقریب ایسی ہوتی ہو جہاں بے ہودگی اور آبرو ریزی کے ایسے مناظر دیکھے جاتے ہوں جیسے دلّی کے اس طرح کے مشاعروں میں۔ عام مجمع میں جہاں شریف خواتین، ذمہ دار حکام پیشوایانِ ملک و قوم، غیر ممالک کے اکابر، ناسمجھ لڑکے لڑکیاں موجود ہوں وہاں شعرا کا جو قوم کا ناموس ہوتے ہیں، فخریہ اور علانیہ شراب پی پی کر اس طرح نالائقی دکھانا بڑے رنج و شرم کی بات ہے۔

مجھے تو کبھی کبھی اس کا اندیشہ ہونے لگتا ہے کہ شاید وہ دن بھی دور نہیں جب دلّی کا کوئی منچلا سرمایہ دار شاعروں کی کوئی سرکس کمپنی بنالے اور فری اسٹائل میں ان کے کرتب اور کرتوت شہر شہر دکھاتا پھرے۔

خلوت ہو یا جلوت جگر صاحب کو میں نے ساتھی شعرا کے کلام پر کبھی حاشیہ آرائی کرتے نہیں پایا۔ مشاعرہ میں ان کی طرح سنجیدہ اور خاموش بیٹھنے والا شاعر شاید ہی کوئی اور ہو۔ اُن کی زبان سے کوئی فقرہ کبھی نکلے گا بھی تو تحسین اور ہمت افزائی کا۔ یہاں مجھے ثاقب اور صفی مرحومین بے اختیار یاد آتے ہیں۔ لکھنؤ کے یہ باکمال شعرا مشاعرے میں جس ادب و احترام سے بیٹھتے اور مناسب مواقع پر تحسین کے کلمات جس شریفانہ انداز سے کہتے، وہ اب کہیں نہیں نظر آتا۔

یہ مشاعرے میں شروع سے آخر تک دوزانو نیچی نظر کئے ہوئے بیٹھے رہتے۔ خواہ مشاعرہ کتنی ہی دیر میں کیوں نہ ختم ہوتا۔ کبھی چائے، پان یا پانی کی فرمائش نہ کرتے۔ کوئی پیش کر دیتا تو بڑی فروتنی سے قبول کر لیتے یا عذر کر دیتے۔ ان لوگوں نے ایسے مشاعروں میں بھی شرکت کی جہاں مخالف کیمپ کے شعراء اور اُن کے حمایتی موجود ہوتے اور اس کا اندیشہ رہتا کہ کہیں کوئی نا ملائم فقرہ نہ کہہ دے لیکن آج تک کوئی ناگواری پیش نہ آئی۔ مخالفین کا کلام یہ دونوں بڑے شوق اور شائستگی سے سنتے اور داد دیتے تھے۔

ثاقبؔ صاحب کو علی گڑھ سے بڑی الفت تھی۔ کوئی بڑی ہی مجبوری ہوتی تو خیر۔ ورنہ یہاں کے مشاعروں میں ضرور شرکت کرتے۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ ثاقبؔ صاحب یونین کے ایک کمرے میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ دن بھر کا سفر کرکے آئے تھے طبیعت ناساز تھی۔ رات کو مشاعرہ تھا۔ میں نے عرض کیا، آپ آرام فرمالیں، وقت آنے پر حاضر ہو جاؤں گا اور آپ کو لے چلوں گا۔ فرمایا "میاں نہیں یہ آدابِ مشاعرہ کے خلاف ہے کہ جب جس کا جی چاہے آجائے اور جب جی چاہے چلا جائے۔ میں آپ کے ساتھ ابھی چلتا ہوں"

اس مشاعرے میں ثاقبؔ صاحب کے دو اشعار علی گڑھ میں بہت مقبول ہوئے۔ جیسے آج کل رات کو سنیما ہو اور صبح کو اس کے مقبول فلمی گانے یا دھنیں بچہ بچہ کی زبان پر آ گئیں۔ اُس زمانے میں علی گڑھ کے مشاعروں کا یہی حال تھا۔ اچھے اشعار ہر چھوٹے بڑے کی زبان پہ رواں ہو جاتے تھے۔ ثاقبؔ صاحب کے وہ دو اشعار یہ تھے۔ ؎

باغباں نے آگ دی جب آشیانے کو مرے — جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے
ہے روشنی قفس میں مگر سوجھتا نہیں — ابرِ سیاہ جانبِ کہسار دیکھ کر

جگرؔ صاحب میرے یہاں تشریف لاتے تھے تو چند باتوں کا میں خاص طور پہ خیال رکھتا تھا۔

اول یہ کہ جگرؔ صاحب کی صحت اچھی نہ ہوگی۔ اس لئے اپنے عزیز ترین ڈاکٹروں کو بلوا تا جو ان کا مکمل معائنہ کرتے۔

دوسرے یہ کہ جگرؔ صاحب معلوم نہیں کہاں کہاں کا اور کتنے دنوں کا چکر لگاتے ہوئے آئے ہوں گے ان کے ساتھ میلے کپڑے چادر، غلاف، تولئے کا انبار ہوگا۔ دھوبی بلوا کر یہ کپڑے اس کے حوالے کرتا۔

تیسرے یہ کہ جگرؔ صاحب کا خط بڑھا ہوگا، اس کے لئے نائی بلواتا، تاکہ وہ جگرؔ صاحب کو نوک پلک سے درست کر دے۔

چوتھے یہ کہ اس بات کا انتظام کرتا کہ جگرؔ صاحب کے عشاق ان کو علی گڑھ میں گھسیٹتے نہ پھریں۔ اور میرے یہاں نہ اپنا کلام اُن کو سنائیں نہ ان کا کلام خود سنیں۔

پانچویں یہ کہ جگرؔ صاحب کے پاس جو نقدی ہوگی اسے ضبط کر لوں گا تاکہ وہ علی گڑھ میں روپئے اس طرح نہ خرچ کریں جس طرح بعض حکومتیں دوسری حکومتوں پر خرچ کرتی ہیں۔

چھٹے یہ کہ جگرؔ صاحب رخصت ہونے لگیں تو میں خدا حافظ کہنے کے لئے نہیں موجود نہ ہوں گا۔ اس لئے کہ جگرؔ صاحب مجھ اس گداز قلب کے ساتھ رخصت ہوتے تھے جیسے نہ ان کو میری زندگی کا بھروسہ ہے نہ اپنی زندگی کا اور اس طرح سے رخصت ہونا یا رخصت کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔

(بشکریہ نقوش، لاہور)

رضیہ سجاد ظہیر

اپنی بار

کھرپی چلاتے چلاتے منصور ہانپنے لگا تھا۔ لیکن کھرپی رکھ کے اس نے اطمینان کی ٹھنڈی سانس بھری۔ آدھی سے زیادہ کیاری مکمل ہو چکی تھی۔ جتنی باقی تھی اتنی اور ہو جائے تو پھر اس میں بیلے کی قلم بڑی آسانی سے بٹھائی جا سکے گی۔ سر اٹھا کر اس نے ادھر ادھر دیکھا، چاروں طرف کیاریوں میں بہار کے پھول بھرے ہوئے تھے۔ موسم طرح طرح کے رنگ سورج کی روشنی میں کھلتے جا رہے تھے۔ بڑی بڑی پنیریوں سے لدے ہوئے گملے، رنگ بھری تصویروں کی طرح نظر آتے تھے۔ گلاب کی کیاری میں نیچے پڑی ہوئی سوکھی پنکھڑیاں مرجھا رہی تھیں تو پودوں کی پھنگیوں میں بہت سی کلیاں شرمائی لجائی اپنا سر اٹھا رہی تھیں —— ایک سفید کلی کے کولھوں کا گھوم تو اتنا گداز تھا کہ شاید مٹھی میں نہ آتا اور پتلی سی نوک کمر کی طرح سیدھی اور مہین تھی! کلی کے پاس منڈلاتی ہوئی دھوپ سے چمکتی تتلی کو دیکھ کر منصور کا دل بے قرار ہو اٹھا۔ دور کہیں سے کوئل کی بھی تو آواز آ رہی تھی اور ہوائیں آم کے بور کی سوندھی خوشبو رچی ہوئی تھی —— تو گویا بہار آ ہی گئی تھی!

کھرپے ہو کر ہاتھوں سے مٹی جھاڑی اور تیزی سے گھر میں گھس گیا —— صفیہ کو بلا کر لانا چاہیے بہار کی یہ رسیلی، طرحدار صبح، اپنے ننھے سے گھروندے کا یہ چھوٹا سا دلربا حسن —— بھلا اکیلے دیکھنے میں کیا لطف!

صفیہ اندر آنگن میں منی کے کپڑے دھو کر پھیلا رہی تھی، الگنی پر ٹنگی ہوائیں لہراتی ننھی منی رنگ برنگی فراکیں طرح طرح کے سوئٹر اور نہ جانے اور کیا کیا سب کپڑے جو منصور کی سمجھ میں نہیں آتے تھے! وہ دور ہی سے آواز دیتا ہوا دروازے سے داخل ہوا! "صفیہ —— کہاں ہو بھئی —— ارے دیکھو تو سفید گلاب میں کتنی بڑی کلی آ گئی ہے —— ارے کہاں ہو۔ سنو تو۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور اس کے آگے وہ کوئل کی آواز اور تتلی کے چمکیلے رنگوں کا ذکر کرنے ہی والا تھا کہ الگنی کے پیچھے سے صفیہ کی دبی سی آواز آئی، اے توبہ — تو اس میں اتنا چیخنے کی کیا بات ہے۔ لے کے لڑکی کو اٹھا دیا۔ ابھی نعمت خانہ صاف کرنے کو پڑا ہے۔ اب بھلا کیا کام ہو سکتا ہے!"

اور پھر کھٹولے پہ سے کنمنانے کی آواز کے ساتھ ایک ننھا سا سر اُونچا ہوا۔ منی پلنگ پر اُٹھی ہوئی اور پھر دونوں پیر پٹی پر سے نیچے لٹکا کر جھٹ زمین پر کھڑی ہو گئی۔ منصور اُس کی اِس پھرتی پہ ہنستا ہوا آگے بڑھا اور اُسے گود میں اٹھائے باغ کی طرف بڑھا صفیہ بڑبڑاتی ہوئی پیچھے ہو لی۔

باغ میں پہنچ کر منصور نے منی کو گود سے اتار دیا اور صفیہ کو نئے جمائے ہوئے پودے دکھانے لگا۔ گلاب کی سفید کلی کو تو دیکھ کر صفیہ بھی مارے خوشی کے کیاری کے نزدیک بیٹھ گئی اور اُسے انگلی سے چھونے لگی۔ منصور اُس کی یہ دلچسپی دیکھ کر وہیں کھڑا ہو گیا اور اُسے بتانے لگا: "اور ہمارے پنیریوں میں جو اتنے بڑے پھول آتے ہیں اس کی وجہ تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک ایک گملے میں الگ الگ ایک ایک پودا بویا گیا — آؤ پنیری دیکھو — ویسے یہ بات بھی ہے کہ اِدھر کے حصّے پر سورج کی روشنی زیادہ پڑتی ہے۔ اور یہ حصّہ اس آم کے درخت کی وجہ سے ہے . . ." پھر وہ پنیری کے گملوں کی طرف مڑا اور ایک زور کی چیخ ماری: "اوہ — ارے مار ڈالا — کم بخت" —

صفیہ گھبرا کے دوڑی۔ منی کے دونوں ہاتھوں میں پنیری کے چار پانچ اکھڑے ہوئے پودے، گردنیں لٹکائے ہوئے نظر آ رہے تھے، چاروں طرف زمین پر بھی پھولوں کی کچی ہوئی پنکھڑیاں بکھری پڑی تھیں — اور منی نہایت فاتحانہ انداز میں تنی ہوئی گملوں کے پاس کھڑی تھی۔

منصور نے لپک کر اس کے ہاتھ سے پودے چھین کر زمین پر پٹخ دیئے اور ایک زناٹے کا طمانچہ اس کے گالوں پر رسید کیا۔ چار انگلیوں کا لال نشان، گورے سفید گال پر بنتے ہی منی کیاری میں گر گئی۔

"ہاں ہاں مار ڈالو — چھوڑ کیوں دیا، چولہے بھاڑ میں جائیں تمہارے یہ پھول، تو کا گئے اس باغ کو — واہ — کیا تڑ سے دے مارا جیسے آپ ہی نے تو درد کھا کر پیدا کیا ہے —" غارت ہو جائے تمہاری باغبانی — بچی کا دم نکال دیا لے کے۔"

منی ابھی تک سانس روکے تھی۔

منصور غصے سے ابھی تک کانپ رہا تھا: "لے جاؤ اِس بلی کو یہاں سے، ورنہ پیچ جان نکال دوں گا کتنی محنت پر پانی پھیر دیا، چگل . . ."

"آہاہا — بڑے آئے جان نکالنے والے، کچھ عقل ماری گئی، بھلا وہ معصوم کیا جانے کہ یہ

اِن اجڑے پھولوں کو کُرکیا ہیں، کیا نہیں ہیں ــــ واہ رے واہ ــــ ہاتھ لگا کے دیکھو ذرا ــ اگر اِن گھاس پھوس کو جڑسے اکھاڑ کے پھینک دوں تبھی کہنا ــ ہاں نہیں تو۔ ۔ ۔ ۔"

صفیہ منّی کو گود میں اٹھائے بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی ــــ منی ماں کے کندھے پر سے بار بار سر اٹھا کر جھکی لیتی ہوئی، غصے میں بھرے ہوئے باپ کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی ہوئی چلی جارہی تھی۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ یہ معاملہ کیا ہے۔ ۔ ۔ ۔

سنیچر کے دن منصور ہمیشہ دفتر سے جلدی آجایا کرتا تھا۔ ذرا دیر گھر میں بیٹھتا اور پھر دونوں بچی کو لے کر باہر کو جانے کا پروگرام بناتے تھے۔ اُس دن چائے اکثر باہر ہی پی جاتی تھی۔

لیکن آج منصور گھر آیا، ہاسپٹل گیلری میں کھڑی کی، اندر جا کر کپڑے بھی بدل لئے نہا بھی لیا لیکن اُسے صفیہ نظر نہ آئی۔ حالانکہ سنیچر کے دن اُسے صفیہ تیار ملتی تھی۔ کھانے کی میز پر ناشتے کے برتن لگے تھے جس سے معلوم ہوتا تھا کہ صفیہ نے ناشتہ گھر میں ہی کرنے کا ارادہ کر رکھا تھا لیکن وہ ابھی کمرے سے برآمد نہیں ہوئی تھی، بچی بھی نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ صفیہ کے کمرے میں پہنچا تو اُسے کچھ بڑبڑانے کی آواز دروازے کے پاس ہی سے آنے لگی۔ جھانک کر دیکھا تو صفیہ پلنگ کے پاس لگی ہوئی کرسی پر بیٹھی تھی اُس کے گھٹنوں پر ایک رسالہ کھلا ہوا رکھا تھا اور وہ بڑی تیزی سے بنائی کی تیلیاں چلاتی ہوئی کہتی جارہی تھی "دو الٹے، دو سیدھے، اُدن آگے ــــ ہوں۔ پھر ــــ دو اکٹھے، ایک سیدھا، دو۔ ۔ ۔ ۔"

"اُفوہ" منصور کمرہ میں آگیا۔ "آج چائے وائے نہیں ہوگی، کہیں جایا نہیں جائے گا، یا بس یہ الٹے سیدھے ہوتے رہیں گے ــــ منّی کہاں ہے ؟"

"ارے تم آگئے" صفیہ نے رسالے پر سے نظر اٹھائے بغیر کہا۔

"جی نہیں ابھی کہاں آیا۔ ابھی تو دفتر ہی میں ہوں بھئی اس کو اٹھاؤ نہ۔ چار بجے کو آرہے ہیں" ــــ وہ پلنگ پر ایک طرف سوئی ہوئی منّی کے پاس بیٹھ گیا اور اس کی ہتھیلیوں پر اپنی اُنگلی رکھ کر دبانے لگا۔

"بھئی مت اس کو جگاؤ" صفیہ بےزاری سے بولی۔ "جمعہ کو یہ سویٹر پورا کر کے دینا ہے اور رفتار یہ ہے کہ چھ دن میں اَب جا کے یہ اتنا ہوا ہے۔ نمونہ ہی مسز سُوری نے ایسا اللہ کا سنوارا چُن کے دیا ہے۔ اور سنیچر کو منیا بازار ہے۔"

"تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ آج ہم لوگ کہیں نہیں جا سکتے۔"

"ہاں ___ بالکل یہی معنی ہوئے"۔ اور پھر وہ الٹا پیدا ھاگننے لگی۔

"تو چل کے چائے تو پیو ____ لو یہ اٹھ گئیں۔ ان کو بھی وہیں میز پر لے چلتے ہیں ___ ___ کیوں؟"

"افوہ آخر تم نے اسے اٹھا کر ہی دم لیا۔ اچھا لے چلو"

منصور نے بیٹی کو گود میں اٹھا لیا اور دونوں چائے کی میز پر جا بیٹھے، منّی کو منصور نے گود سے اُتارا تو وہ پہلے میز کے نیچے پہنچیں۔ ابا کے جوتے کا فیتہ پکڑ کر کھینچا ___ وہ کھل گیا۔ زور سے ہنسیں پھر نیچے ہی نیچے آگے جا کر ماں کی کرسی کا ہتھا پکڑا۔ صفیہ نے نمک پارے کا ایک ٹکڑا ان کے منھ میں دے دیا۔ کھاتی ہوئی لڑکھڑاتی ہوئی وہ اپنے کمرے کی طرف چل دیں۔ ماں باپ ناشتے میں مصروف ہو گئے۔

"تو پھر تم نہیں چل رہیں؟" منصور نے چائے ختم کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بھئی ___ میں تو بس اب نٹنگ شروع کرتی ہوں" صفیہ نے جواب دیا۔

"تو میں ذرا گنج تک ہو آؤں۔ میری چھڑی تو شاید تمھارے کمرے میں ہے"

"ہاں وہیں ہے۔ کیا پیدل جاؤ گے؟"

"ہاں ذرا اس وقت پیدل کا ہی موڈ ہے"

"اچھا تو آؤ لے لو چھڑی ___ اور دیکھو پانڈے جی اگر ملیں تو اُن سے کہنا کہ وہ بجلی کا مستری اب تک پنکھا نہیں دے گیا۔

جیسے ہی دونوں کمرے میں داخل ہوئے، صفیہ ایک دم چیخ پڑی جیسے اُسے بچھو نے یکایک ڈنک مار دیا ہو! سامنے منّی فرش پر گول گول چکر کاٹ رہی تھی ریل کا انجن بنی ہوئی، چھک چھک چھک چھک ___ اس کے ہاتھ میں گلابی اون تھا سلائیاں الگ پڑی تھیں، اور زمین پر پڑے ہوئے نامکمل سوئیٹر سے اُون کھنچتا چلا آرہا تھا۔ چاروں طرف اون کے گچھے ہو لچھے بڑھیا کے بال کی طرح، اکٹھے اکٹھے پڑے تھے اور تمام فرش پر گلابی اون کا کراس ورڈ معمّہ بنا ہوا تھا ___ صفیہ نے جھپٹ کر منّی کو ایک زور کا طمانچہ رسید کیا وہ دیوار پر گری، اُون ہاتھ سے چھوٹ گیا اور ایک زور کی چیخ سنائی دی۔ منصور نے لپک کر منی کو گود میں اٹھا لیا اور اُس کا سر سہلانے لگا۔ "افوہ ___ کتنی ظالم ہو تم، اتنی زور سے اس کو دھکا دیا، وہ تو کہو بچ گئی ورنہ سر پھٹ کے مر گئی ہوتی۔ جان نکل گئی ہوتی اس کی ..... واہ۔

ـــــ ابھی منگ ہے کہ بچی کی جان . . . ."

غصے کے مارے صفیہ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اور بے اختیار آنسو بہہ رہے تھے۔ "لے جاؤ اس کو یہاں سے ورنہ میں سچ مچ جان نکال دوں گی۔"

"اوہو ـــــ بڑی آئیں جان نکالنے والی ـــــ جیسے ڈولی میں بٹھا کے تو لائی تھیں ـــــ تم بیٹھ کے کرو اپنا الٹا سیدھا ـــــ چل منی۔ ہم تو اپنی منی بیٹی کو سائیکل کی ٹوکری میں بٹھا کے کنج لے جائیں گے۔ ان کی تو عقل ماری گئی ہے میری بیٹی میری دلاری . . ."

منصور نے منی کو کندھے سے لگا لیا اور کمرے سے باہر نکل آیا۔

منی باپ کے کندھے پر سے سر اٹھا کر ہچکیاں لیتی ہوئی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر غصے میں بھنائی ہوئی ماں کو دیکھتی جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے...

(بہ شکریہ آجکل دہلی)

جائزے

مرتبہ: جناب مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ۔ ناظم دینیات

تعلیماتِ اسلام ۔ جلد اوّل

صفحات ۲۰۰ سائز ۲۰×۳۰/۱۶

کتابت وطباعت اعلیٰ ۔ کاغذ سفید چکنا ۔ سرورق مضبوط سادہ مگر جاذبِ نظر ۔ قیمت دو روپے

ناشر: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی

اردو زبان میں اسلام اور تعلیماتِ اسلام پر بہت سی اچھی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور ان کا سلسلہ برصغیر میں برابر جاری ہے ۔ یہ کتابیں مفصل بھی ہیں اور مختصر بھی اور بعض اپنے مصنف کی وقتِ فکر اور حسن بیان کا دلآویز مرقع ہیں ۔ مگر ان کتابوں کو بہم پہنچانا اور ان سے استفادہ کرنا بڑی محنت اور فرصت چاہتا ہے ۔

عام شائقین کتب دینیہ کے لئے عموماً اور کالجوں کے اسلامیات کے طلبہ کے لئے خصوصاً بڑی ضرورت تھی کہ ایسا منتخب مجموعہ شائع ہو جس میں اس گلشن کی ڈالی ڈالی سے رنگارنگ پھول چن کر گلدستہ کی شکل میں پیش کر دیئے جائیں الحمد للہ کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے سربراہوں نے اس طرف توجہ فرمائی اور رفیق محترم مولانا عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی کی محنت اور کوشش سے اس کام کا آغاز ہو گیا ۔

تعلیمات اسلام (جلد اول) جو ضرورتِ مذہب ، حقیقتِ اسلام اور عقائدِ اسلام پر مشتمل ہے ، ہمارے پیش نظر ہے ۔ اس میں ہندوستان کے کئی بلند پایہ اصحابِ علم وقلم کے بہترین مضامین جمع کر دیئے ہیں ہیں ۔ مقالہ نگاروں میں مولانا شبلی نعمانی ، مولانا سید سلیمان ندوی ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ، پروفیسر عبدالباری ندوی ، ڈاکٹر ظفر الحسن ، مولانا محمد اسلم جیراجپوری اور خود فاضل مرتب شامل ہیں ۔ بعض بزرگوں کے کئی کئی مضامین ہیں ۔ اصحاب مقالات کی بلند پایہ شخصیتیں ، مقالات کی خوبی وبہتری کی ضمانت ہیں ۔ بعض دوسرے مشاہیر علم ودین ، مثلاً مولانا مناظر احسن گیلانی ، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی

مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا عبدالماجد دریابادی کے مضامین کا جو خلا اس حصّہ میں نظر آتا ہے انشاءاللہ اسے دوسرے حصّہ میں پُر کر دیا جائے گا۔

کتاب کے شروع میں شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب کا مختصراً مگر جامع پیش لفظ ہے۔

یہ مجموعہ ہر طرح اس قابل ہے کہ اُسے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے نصاب میں داخل کیا جائے۔ اس سے دو فائدے ہوں گے اوّل یہ کہ ہر دینی موضوع پر بہترین مضامین یکجا مل جائیں گے۔ دوئم یہ کہ مختلف لکھنے والوں کے اندازِ بیان کے نمونے بیک وقت نگاہوں کے سامنے آجائیں گے۔

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی۔

دلدل

مترجمہ بیگم رضیہ سجاد ظہیر صاحبہ
ناشر:۔ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ سائز
صفحات:۔ ۲۴۸ ۔ قیمت للعہ

انگریزی زبان کے مشہور صاحب قلم ڈاکٹر بھبھانی بھٹا چاریہ کے ناول HE WHO RIDES A TIGER کا اردو ترجمہ جس میں ۱۹۴۳ء میں بنگال کا قحط اور ان کی جملہ ہلاکت خیزیاں نہایت صداقت اور وضاحت کے ساتھ محفوظ کر دی گئی ہیں کسی واقعہ کو افسانہ، ناول یا داستان کے طور پر قلمبند کر دینا اپنی جگہ پر کوئی غیر معمولی اہمیت نہیں رکھتا۔ اسی بنگال کے قحط پر نہ جانے کیا کچھ اور کتنی مدت تک لکھا جاتا رہا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے کتنی چیزیں ایسی تھیں جو ہنگامی اور وہمانی تھیں اور اس سلسلے کے ضخیم ادبی ذخیرے میں سے کتنا حصّہ ایسا ہے جو آنے والی نسلوں کے لئے کسی تاثر یا عبرت کے لئے باقی رہ جائے گا؟

زیرِ نظر کتاب میں بالغ نظر مصنف نے نہ یہ کہ واقعات کی محض دل کش عکاسی کی ہے بلکہ جس طبقے کی حرص و ہوس کی بدولت یہ قحط واقع ہوا اور جو لوگ سب سے زیادہ ان آلام و مصائب کا شکار ہوئے ان دونوں حقیقتوں کو بھی پوری ادبی دیانت داری کے ساتھ سامنے لا کر رکھ دیا ہے۔ اور یہ کوشش اتنی معقول اور اس قدر متوازن ہے کہ اس کا اعتراف ہر پڑھنے والے کو بلا کسی حیل و حجت کے کرنا ہی پڑتا ہے۔

بظاہر اس کتاب میں بنگال کی ایک چھوٹی سی بستی جھیرتا کے ایک لہار کی، میدوں اور

ناامیدیوں کی داستان ہے۔ لیکن اسی ایک آئینے میں امیر اور غریب، گاؤں اور شہر، حاکم و محکوم، خود غرض اور مخلص، مذہب کے اجارہ دار اور سادہ و بے لوث مزدور اور کاشتکار۔ ان میں سے ہر ایک کی زندگی اور طریقۂ فکر کا صحیح صحیح نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

اس نوعیت کی کتاب اور وہ بھی ایک مستند اور متوازن ادیب کے قلم سے یقیناً اس قابل تھی کہ اس کو اردو میں منتقل کیا جائے۔ محترمہ بیگم رضیہ سجاد ظہیر نے اس کا ترجمہ کر کے اور مکتبہ جامعہ نے اس کو شائع کر کے بلاشبہ اردو داں طبقے پر ایک احسان کیا ہے۔ مترجمہ موصوفہ ہماری زبان کی ایک قابلِ قدر افسانہ نگار خاتون ہیں۔ وہ اپنی طرزِ نگارش اور زبان دانی کے معاملے میں ممتاز ہیں۔ اگر کوئی یہ امید کرے کہ جو برجستگی اور بے ساختگی ان کی اپنی کہانیوں میں ہم کو ملتی ہے وہی سب باتیں اس ترجمے میں ہوں گی تو یہ امید نامناسب ہے۔ دوسری زبان سے ترجمہ کرنے میں خاصی دقتیں پیش آتی ہیں، بڑی پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں اصل اور ترجمے کا فرق بہرحال باقی رہتا ہے۔ بایں ہمہ داستان کے تسلسل، واقعات کی ترجمانی یا مناظر کی عکاسی کے سلسلے میں ماحول، اسلوب اور الفاظ کی پابندیوں کے باوجود پڑھنے والے کو کوئی الجھن بے ربطی اور بے لطفی نہیں محسوس ہوتی ——— بحیثیت مجموعی یہی چیزیں کسی ترجمے کی کامیابی کی دلیل ہیں:

کتاب کی ظاہری صورت شکل مکتبہ جامعہ کے معیار کے مطابق ہے۔

رشید نعمانی

ادبی تجزیئے

قیمت:- ایک روپیہ آٹھ آنے

صفحات:- ۹۶ - $\frac{۲۰\times۳۰}{۱۶}$

یہ پروفیسر مشیر علی صدیقی کے مقالات اور تبصروں کا مجموعہ ہے جو سردار صاحب ماسٹر جگت سنگھ نگراں "رہنمائے تعلیم" دہلی سے مل سکتا ہے۔ کتابت طباعت کاغذ معمولی ہے۔ ضخامت ۹۶ صفحات ہے اور قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے ہے جو کسی قدر زیادہ ہے۔ اس ضخامت کے کتابچے کی قیمت ایک روپے سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے۔

مقالات میں "آل احمد سرور بحیثیت نقاد" خاص اہمیت رکھتا ہے جس میں مصنف نے سرور صاحب کی تنقید کا جائزہ لیا ہے۔ مصنف نے مقالے کو جا بجا سرور صاحب کے اقتباسات سے

سنوارا ہے جہاں ان اقتباسات نے مقالے میں تازگی اور دلکشی پیدا کردی ہے وہاں ان سے مصنف کے پیچھے ہوئے ذوقِ انتخاب اور خوش مذاقی کا بھی پتہ چلتا ہے۔

"سجاد ظہیر خطوط کے آئینہ میں" اور "اختر کے خطوط" مکتوب نگاری کے قابل قدر مطالعے ہیں "روشن صدیقی کی رومانی نظمیں" میں روشن کی شاعری کے ایک ایسے گوشے کو نمایاں کیا گیا ہے جو اس وقت تک قریب قریب نظروں سے اوجھل رہا ہے۔ روشن نے ایک قومی شاعر اور غزل گو کی حیثیت سے جو ناموری حاصل کی ہے اس سے ہمارے نقادوں کی نظر میں روشن کی رومانی نظموں کو نمایاں نہیں ہونے دیا۔ مبشر علی صاحب نے یہ مقالہ لکھ کر ایک کمی کو پورا کیا ہے۔

"ادبی تجزیئے" میں کتابت کی اغلاط جا بجا نظر آتی ہیں۔ علمی نوعیت کی کتابوں کے پروف پڑھنے میں زیادہ توجہ سے کام لینا چاہیئے۔ سر ورق پر لفظ "تجزیئے" کی املا غلط ہے۔ اندرونی ٹائٹل پر اسی لفظ کی املا صحیح ہے۔ صفحہ ۳۳ پر "براہِ مہربانی" کو "برائے مہربانی" لکھا ہے۔ صفحہ ۵۰ اور ۸۵ پر روشن کے دو مصرعے یوں لکھے ہیں۔

کبوتر ہاتھ میں تھے دو حسین و خوش پیکر

اسی طرح کرنے جیسے سانچے سے

ذرا سی احتیاط سے یہ دونوں مصرعے صحیح نقل کئے جا سکتے تھے۔

"جاں نثار اختر" کا نام صفحہ ۲۶ پر "جانثار اختر" لکھا ہے حالانکہ صفحہ ۳۹ اور بعض اور صفحات پر اسی لفظ کا ہجا صحیح ہے۔

آخر میں ایک تبصرے کا عنوان ہے "۱۹۵۶ء کے اردو رسالے" اور اس کے نیچے یہ عبارت درج ہے

"گذشتہ سال کے رسالوں میں یہاں صرف دو کا ذکر کیا جائے گا۔ ان میں ایک خاص نمبر ہے اور ایک عام نمبر۔ ان کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اردو رسائل کا کیا معیار رہے؟"

اور یہ دو رسالے ہیں "کردار" بھوپال اور "شاعر" بمبئی۔ ان دو رسائل سے یہ اندازہ کرلینا کہ ہندوستان میں اردو رسائل کا معیار کیا ہے اندازے کی بہت بڑی غلطی ہے۔ ہندوستان کے ادبی رسائل کی دنیا کوئی ٹھہرے ہوئے پانی کا تالاب نہیں ہے کہ اس میں سے ایک کٹوری پانی کا کیمیاوی تجزیہ کرنے سے سارے پانی کا خالص یا ناخالص ہونے کے متعلق فیصلہ دیا جا سکے۔ اردو کے

زباقی صفحہ ۵۴ پر

نئی مطبوعات

کچھ پرانے خطوط (خطوط) پنڈت جواہر لال نہرو قیمت ۸ روپے
مترجمہ مولانا عبدالمجید الحریری ایم اے مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

حدیثِ دل (غزلیں) غلام ربانی تاباں ۔ قیمت دو روپے ۔ ملنے کا پتہ " "

بہارِ طفلی (لڑکے اور لڑکیوں کے لئے نظمیں) تلوک چند محروم " تین روپے ۵۰ نئے پیسے " "

ایک کانٹا ایک پھول (ناول) عارف مارہروی دو روپے پچاس " " سلطانیہ بکڈپو دہلی

نغمے کی موت (") مضطر ہاشمی دو روپے ۷۵ " " " "

بے بس (") جگدیش بھارتی ۔ " تین روپے ۷۵ " " پنجابی پستک بھنڈار دہلی

اجلی پرچھائیاں (") اقبال متین " چار روپے ۵۰ " " مکتبہ صبا حیدر آباد

جلتے دل (") نریندر شرما " تین روپے ۷۵ " " پیراماؤنٹ پبلشنگ کوآپریٹیو سوسائٹی دہلی

خیمۂ گل (نظم) محمد علی تاج " ایک روپیہ ۵۰ " " مکتبہ افکار بھوپال

ویران ہے دل (ناول) قیسی رامپوری " چھ روپے مکتبہ فرینکلن لاہور

دگپال (") نسیم لدھیانوی " چار روپے ۵۰ " " پریم بکڈپو لدھیانہ

۱۸۵۷ء کے غدار شعرا (حالات) امداد صابری " دو روپے ۵۰ " " مکتبہ شاہراہ دہلی

مضامین پریم چند (مضامین) مرتبہ ڈاکٹر قمر رئیس " تین روپے یونیورسٹی پبلشرز علی گڑھ

سدھا (ناول) ہری گوپال شرما " تین روپے سول لائن بک شاپ لدھیانہ

محبت کا مطلب (افسانے) ظفر پیامی " تین روپے مکتبہ دوست دہلی

مکاتیب سرسید احمد خاں (مکاتیب) مرتبہ مشتاق حسین " چھ روپے ۵۰ " " فرینڈس بک ہاؤس علی گڑھ

اردو ادب آزادی کے بعد (تنقید) ڈاکٹر اعجاز حسین " پانچ روپے کارواں پبلشرز الہ آباد

حالی کی ایک جھلک (ڈراما) صالحہ عابد حسین " ایک روپیہ ۵۰ " " انجمن ترقی اردو علی گڑھ

حالی کا سیاسی شعور (ادب) جذبی " چار روپے ۵۰ " " " " " "

حسرتِ تعمیر (ناول) اختر اورینوی۔ قیمت چار روپے ۵۰ نئے پیسے ادارہ فروغ اردو لکھنؤ
انشائے بے خبر (خطوط) خواجہ غلام غوث بے خبر " ایک روپیہ ادبی دنیا، علی گڑھ ۶۲ء
سہیلی (ناول) انتصار حسین " چار روپے کتابی دنیا، لکھنؤ
علمائے ہند کا شاندار ماضی (تاریخ) مولانا محمد میاں " سات روپے ۵۰ " کتابستان، دہلی ۶۲ء
تلخیاں (پرچھائیاں اور نئی نظمیں) ساحر لدھیانوی۔ ملنے کا پتہ مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی

زیرِ طبع کتابیں

حرکتِ آفاق (فارسی شاعری) حبیب پالنپوری ۲/۵۰ کتب خانہ انجمن ترقی اردو دہلی
تنقیدی مقالات (تنقید) نصیر الدین ہاشمی ۳/- آزاد کتاب گھر
مکاتیبِ جگر (خطوط) مرتبہ تسکین ۵/- زیرِ اہتمام احمد سرفراز معرفت مکتبہ شاہراہ دہلی

ٹیلیفون کی کہانی (معلومات) مترجم مسیح الزماں ۲/- " انڈین اکیڈمی نئی دہلی
سائنس کی دنیا (" ") ایم۔ ایم بیگ ۳/- " " "

(بقیہ مضمون ص ۱۲)

زبان کی ریڈروں کے علاوہ مکتبے نے دوسرے مضامین پر بھی کتابیں تیار کرائی ہیں حساب اور جنرل سائنس کے دو سلسلے مرتب کرائے گئے ہیں یہ دونوں سلسلے مختلف ریاستوں میں منظور ہیں۔ مکتبہ کی خوش خطی کا سلسلہ تو تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ یہ خوش خطی حضرت علی محمد خاں مرحوم کی یادگار ہے۔ اس کے علاوہ فیاض حسین صاحب نسیم نے بھی خوش خطی کی کاپیاں تیار کی ہیں۔ یہ آج کل بمبئی میں رائج ہیں۔

۱۹۴۷ء کے بعد مکتبہ نے ہندی کی درسی کتابوں کی طرف توجہ کی ہے اور زبان کی ریڈرز کے دو سلسلے تیار کئے ہیں۔ ان میں سے ایک سلسلہ دہلی اور دوسرا آندھرا میں منظور ہے۔

عبداللطیف اعظمی

کوائفِ جامعہ

جامعہ کے چالیس سال

۲۹ر اکتوبر جامعہ کا یوم تاسیس ہے۔ اس دن جامعہ میں ایک عام جلسہ کیا جاتا ہے، جس میں جامعہ کے مختلف پہلوؤں پر مضامین پڑھے جاتے ہیں۔ آخر میں شیخ الجامعہ صاحب خطبہ پڑھتے ہیں جس میں جامعہ کے حالات پر تبصرہ اور سال بھر کے کاموں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ امسال جامعہ کی عمر کے چالیس سال پورے ہو گئے ہیں، اس لئے موصوف کے خطبے کا عنوان "جامعہ کے چالیس سال" تھا۔ اس خطبے کے چند اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

"میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ ہم سب نے جامعہ میں عمر کی کتنی مدت گذاری ہے اور اس مدت کے گذرنے سے ہم کو اور جامعہ کو کیا حاصل ہوا ہے، ہماری شخصیتوں میں کوئی خوبی پیدا ہوئی یا نہیں اور اگر ہوئی تو اس کی وجہ سے جامعہ کو کتنا استحکام نصیب ہوا ہے۔ دل میں جو سوال پیدا ہوتے ہیں ان کا جواب جذباتی طور پر اور شدت کے ساتھ دیا جا سکتا ہے یا ان سوالوں کو دل ہی دل میں اس طرح رکھا جا سکتا ہے کہ جواب ایک لطیف طریقے سے ہمارے عمل اور ہمارے حوصلوں میں ظاہر ہوتے رہیں، زندگی فرضی اور من ملنے مُسلوں کی بساط نہ بنے بلکہ نمو اور ترقی کی مثال ہو۔ میرا خیال ہے کہ ہم نے جامعہ کو فرضی مُسلوں کی بساط اور اپنے آپ کو شطرنج کے مہرے نہیں بنایا ہے، ہم پر جوش اور پستی، ترقی اور جمود، تندرستی اور بیماری کے دور گذرے ہیں، مگر ہم ایک جاندار ہستی کی طرح بڑھتے اور اپنے اندر پختگی پیدا کرتے رہے ہیں۔"

" جامعہ کے مسلمان بانیوں اور انھیں کی طرح مہاتما گاندھی کی نیت اور تمنا

تھی کہ جامعہ ایک اسلامی ادارہ ہو۔ مہاتما گاندھی کے نزدیک اس کا مطلب یہ تھا کہ جامعہ کی بدولت ہندوستان کو ایسے شہری نصیب ہوں، جنھوں نے اسلام کے اعلیٰ اخلاق کی فضا میں پرورش پائی ہو اور اس خوبصورت خیال کی تکمیل کے لئے وہ چاہتے تھے کہ جامعہ اپنے ہندو طالب علموں کی ذہنی پرورش کے لئے بلند معیار کی ہندو اخلاقیات کی تعلیم کا بھی انتظام کرے۔ مسلمانوں کی آرزو تھی کہ جامعہ دینی اور دنیاوی قدروں کی صحیح آمیزش ہو"۔

"جامعہ میں ہم نے دوسرے کے عقائد کی درستی پر اعتبار کیا، لیکن عمل کی درستی پر اصرار کیا۔ ہم نے اپنے آپ سے صبر کا مطالبہ کیا، جو سب سے سخت آزمائش ہے اور جامعہ کی عمر کے چالیس سال اس کے پورے چالیس نہیں تیس ۳۰ بتیس ۳۲ گواہ ضرور ہیں کہ ہم صبر کر سکتے ہیں۔ ہم نے اپنے آپ سے ایمان داری کا مطالبہ کیا، مگر یہ سوچ کر ہماری ایمان داری ایک سخی کی ایمان داری ہو گی کنجوس کی نہ ہو گی، ہم نے اپنے لئے محبت اور وفاداری کی شرط لگائی، مگر یہ بھی طے کر لیا کہ ہماری محبت اور وفاداری کی بنیاد مردانگی اور شرافت پر ہو گی، ہم علم اور ہمدردی سے احسان کرنے والے کا احسان مانیں گے، اپنے بس بھر مذہب کا حق ادا کریں گے، اپنے اور پرائے کا سوال اٹھا کر ایک پاک جذبے کو ناپاک نہ کریں گے۔ ہم نے طے کیا کہ ہمارے عقیدے اور عمل اور حوصلوں میں اسلام کا جو رنگ ہونا چاہیے وہ ہمارے اخلاق میں ہو گا، ہم ہندو اور مسلمان کے فرق کو نظر انداز کریں گے، خدا پر بھروسہ کریں گے کسی سیاسی جماعت پر نہ کریں گے، دوسروں کی ہائیں ہائیں سے نہ ڈریں گے، آزاد شخصیت کی دین داری اور مخلصانہ عمل کو رسم و رواج کی کال کوٹھری میں بند نہ کریں گے اسلام کے مقاصد ہم سے اور ہمارے حوصلوں سے کہیں بالاتر ہیں، ہم اپنی بے مائگی کو جو چاروں طرف نظر آ رہی ہے اپنا کل ورثہ اور سرمایہ اور دین و ایمان کا ماحصل نہ مانیں گے ہم نے سمجھا کہ اسلام کی ہر صحیح پیروی یہ ہو گی کہ اس شخص سے جو ہمیں تحفے کے طور پر چھری لا کر دے، شیخ فرید گنج شکر کی طرح کہیں کہ ہمیں کچھ دینا ہے تو سوئی دو، چھری نہ دو، اس لئے کہ ہمارا کام کاٹنا

نہیں ہے جوڑنا ہے، جدا کرنا نہیں ہے، ملانا ہے۔ ان تمام باتوں کا خلاصہ ہمارا یہ ارادہ تھا کہ ہم کو موقع بھی ملا تو شبنم کی وہ بوندیں بننا پسند کریں گے، جو پتی کی گود میں بیٹھ کر چمکتی ہے، ہم اس قطرے کی تقلید کریں گے، جو زمین کو سیراب کرنے کی خاطر اپنے آپ کو اس میں گم کر دیتا ہے۔"

افسوس کہ ان محدود صفحات میں زیادہ گنجائش نہیں، ورنہ اس خطبے کا ایک ایک لفظ ایسا ہے کہ یہاں نقل کیا جائے اور "کتاب نما" کے پڑھنے والے اس پر غور کریں۔

رسالہ جامعہ

رسالہ "جامعہ" کتاب نما کے ساتھ ہی ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس سے پہلے اعلان کیا گیا تھا کہ سہ ماہی ہوگا، مگر لوگوں کی خواہش اور اصرار پر اس کو ماہوار کر دیا گیا ہے۔

اس اشاعت میں ایک مضمون پروفیسر محمد مجیب صاحب کا ہے، جس کا عنوان ہے "ترجمان کا مقصد"۔ موصوف نے اس میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ قدروں کو کس طرح اور کہاں تک پیش کرنا چاہیے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ "ترجمانی کا منصب اس طرح ادا ہوتا ہے کہ انسان محسوس یا غیر محسوس طریقے پر کسی قدر کو اپنی شخصیت اور اپنے عمل میں نمایاں کرتا ہے اور یہ سوال پیدا کرتا ہے کہ اس خاص شکل میں یہ قدر قابل قبول ہے یا نہیں۔ ..... قدروں کا کوئی ترجمان حق کی طلب کو چند لوگوں اور چند دینی اور اخلاقی امور تک محدود سمجھ سکتا ہے اور اپنا منصب یہ سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ کتاب میں لکھا ہے وہ پڑھا دے اس کا مطلب سمجھا دے اور نتیجے کو نہ دیکھے کہ کیا ہوتا ہے، کوئی ترجمان یہ محسوس کر سکتا ہے کہ وہ خود قدروں کا خادم اور حامل ہے، یہ قدریں کسی خاص شکل کی پابند نہیں ہیں، ان کا اثر خاص لوگوں کی توفیق کا دست نگر نہیں ہے۔"

دوسرا مضمون ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا "عہد وسطیٰ کی مسلم تہذیب" پر ہے، جس میں موصوف نے دکھلایا ہے کہ ابتدا میں عہد وسطیٰ کے خاتمہ اور نشاۃ ثانیہ کے آغاز کو صرف یونانی تہذیب کے براہ راست اثرات کا نتیجہ سمجھا جاتا تھا لیکن بعد کی تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ یورپی ذہن کو عہد وسطیٰ کی تقلید پسندی اور تاریک خیالی سے نکال کر آزادیٔ خیال اور تحقیق و تجربہ کی راہ دکھانے میں اس زمانہ کی مسلم تہذیب کو بھی بہت کچھ دخل ہے۔ ایک ادبی اور تحقیقی مضمون ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی صاحب کا بقاء اللہ خاں بقاؔ پر ہے۔

رسالہ کی پالیسی اور مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس اشاعت کے شذرات میں اس بات کا اظہار کیا گیا ہے کہ "اس کی حیثیت علمی اور ادبی رہے گی لیکن مضامین کے انتخاب میں اس کا خیال رکھا جائے گا کہ وہ صرف مخصوص علمی دلچسپیاں رکھنے والوں کے لئے نہ ہوں بلکہ ایسے ہوں کہ جو زندگی کے اہم مسائل کی طرف توجہ دلائیں۔ رسالہ جامعہ کا کبھی یہ مقصد نہیں تھا کہ خاص عقائد کی تبلیغ کرے، اس نے ایسی جانبداری سے پرہیز کیا جس کی وجہ سے وہ کسی کے موافق یا مخالف قرار دیا جا سکے، اور ایسی جانبداری سے بھی کہ اس کے مضمون نگار کوئی ایسی رائے ظاہر نہ کر سکیں، جس سے اختلاف کرنے والے بہت ہوں۔ اس نئے دور میں ہمارا مسلک یہی رہے گا"۔

جشن چہل سالہ اور تعلیمی میلا

جشن چہل سالہ اور تعلیمی میلا ساتھ ساتھ شروع ہو رہے ہیں۔ ان کے پروگرام ۱۰ نومبر کی سہ پہر سے شروع ہوں گے اور ۱۵ نومبر کی رات میں ختم ہوں گے۔

اس جشن کی اہمیت صرف یہی نہیں ہے کہ صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو اور ملک کے دوسرے اکابر اس میں شرکت کر رہے ہیں۔ اہمیت اس کی بھی ہے خصوصاً اس لئے کہ صدر جمہوریہ اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی جامعہ پہلی مرتبہ آ رہے ہیں، مگر سب سے اہم بات یہ ہے کہ جامعہ اپنے چالیس سالہ کام اور آئندہ کے منصوبے کو قوم کے سامنے رکھے گی، کچھ خود کہے گی، کچھ دوسروں سے سنے گی۔ اگلا دور جامعہ کی زندگی کا بہت ہی اہم دور ہوگا۔

(بقیہ صفحہ ۵ کا) ادبی رسائل کی رفتار ایک بہتے دریا کی طرح ہے اور اس کا جائزہ دو ایک بوند پانی لے کر نہیں کیا جا سکتا۔ محض کردار بھوپال (؟) یا شاعر بمبئی کے مطالعے سے یہ ہرگز اندازہ نہیں ہو سکتا کہ نگار، اردو ادب، صبا، آج کل، پگڈنڈی، سوغات، نیا دور، مجلس، معارف، برہان، نوائے ادب، شاہراہ، تحریک، تعمیر، پاسبان، سہیل، شعلہ و شبنم، شاہکار، سب رس، سنگم اور دوسرے متعدد ادبی رسائل کا معیار یا مزاج کیا ہے۔

جگن ناتھ آزاد

ادبی خبریں ——— مرتبہ: ظلِ عباس عباسی

ان کالموں میں ادبی علمی ثقافتی اور سائنسی خبریں دی جاتی ہیں اور اس قسم کی تمام خبروں کو شکریہ کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ تمام ادب دوستوں سے تعاون کی استدعا ہے۔

بیوہ جگر مراد آبادی کے لئے وظیفہ لکھنؤ کی ایک اطلاع مظہر ہے کہ حضرت جگر مراد آبادی مرحوم کو حکومت یوپی کی طرف سے جو وظیفہ ملتا تھا وہ ان کی بیوہ کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں حکومت یوپی جلد ہی کوئی باضابطہ اعلان بھی کرنے والی ہے۔

جگر میموریل کمیٹی حضرت جگر مراد آبادی مرحوم کی یادگار قائم کرنے کے لئے ایک میموریل کمیٹی کی تجویز زیر غور ہے ہندوستان کے ممتاز مصنفوں شاعروں اور دیگر ممتاز حضرات کے تعاون سے جلد ہی ایک کمیٹی قائم ہو جائے گی جس کا صدر دفتر غالباً لکھنؤ میں ہوگا۔

جاپان میں قرآن پاک کی طباعت معلوم ہوا ہے کہ انڈونیشیا کی حکومت جاپان سے جنگی تاوان کے طور پر قرآن پاک کے دعربی رسم خط میں) پچاس لاکھ نسخے وصول کرے گی اور اس سلسلہ میں انڈونیشیا کے نمائندہ مذہبی امور نے جاپان کی ایک کمپنی سے معاہدہ بھی کر لیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ قرآن پاک جاپان میں طبع ہوگا۔

کتابوں کی طباعت میں کمی تازہ ترین اعداد و شمار سے پتہ چلتا ہے کہ ہندوستان میں گزشتہ سال ۹،۹۰۹ کتابیں طبع ہوئیں جب کہ ۱۹۵۶ء میں یہ تعداد .... ہ کے قریب تھی، اس کمی کی ایک بڑی وجہ کاغذ کی کمی بتائی جاتی ہے سب سے کم کتابیں فلسفہ اور سائنس کی ہیں ۶۶۶ کتابیں مختلف زبانوں سے ترجمہ ہیں۔

بچوں کے لئے انسائیکلوپیڈیا سوویٹ یونین کے بچوں کے لئے ایک انسائیکلوپیڈیا تیار کی جا رہی

ہے جس کے لئے ۶۴ پروفیسر ۱۳۹ ادیب اور صحافی کام کر رہے ہیں یہ انسائیکلوپیڈیا دس جلدوں میں ہوگی جس کی پانچ جلدیں شائع ہو چکی ہیں جن میں زمین، معدنی دولت، اجرام فلکی پودوں اور جانوروں سے متعلق معلومات درج ہیں۔

عربی اُردو ڈکشنری

عربی اردو ڈکشنری مرتبہ وحید الزماں صاحب کیرانوی اور بیان اللسان مرتبہ قاضی زین العابدین صاحب سجاد میرٹھی پچھلے دنوں شائع ہو گئی ہیں، یہ دونوں ڈکشنریاں مدارس عربی اور کالجوں کے طلبا کے لئے یکساں مفید ہیں۔

قاضی صاحب [illegible] کی دوسری تالیف قاموس القرآن بھی ہے جو بہت دنوں سے نایاب تھی جلد ہی شائع ہونے والی ہے۔

تیسرا پانچ سالہ پلان

تیسرے پانچ سالہ پلان کا خاکہ جو اصل میں انگریزی میں ہے کا اردو ترجمہ بھی حکومت ہند نے شائع کر دیا ہے اور جو ضخامت کے پیش نظر برائے نام قیمت ایک روپے میں پبلیکیشنز ڈویژن سے مل سکتا ہے، حکومت ہند کی اشاعت میں یہ سب سے ضخیم کتاب اردو کتاب ہے اور صرف اردو جاننے والوں کے لئے پلان سے واقف ہونے کا بہت ہی کم خرچ نسخہ ہے۔

ہندی انسائیکلوپیڈیا

ہندی انسائیکلوپیڈیا کی پہلی جلد جب شری پرشوتم داس ٹنڈن کو الہ آباد میں پیش کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آج میرا ایک خواب پورا ہو گیا۔ انسائیکلوپیڈیا کو ترتیب دینے والے ڈاکٹر دھیرندر ورما، ڈاکٹر گورکھ پرشاد اور ڈاکٹر بی۔ سی اپادھیائے ہیں اور تقریباً دو سو مصنفین نے اس میں حصہ لیا ہے۔

فرانسیسی شاعر کو نوبل پرائز مل گیا

فرانس کے ۷۳ سالہ شاعر سینٹ جان پرسے کو گذشتہ ۱۹۶۰ء کے ادب کا نوبل پرائز دے دیا گیا ہے۔ موصوف فرانس کی ڈپلومیٹک سروس میں بھی رہ چکے ہیں، ان کی نظموں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تخیل کی بلند پروازی کے ساتھ موجودہ دور کی ترجمانی بھی ہوتی ہے۔

نوبل پرائز ملنے کا مطلب ہے کہ موصوف کو ہندوستانی روپے کے حساب سے تقریباً ۲،۵۰،۴۰۰ روپے ملیں گے۔ ان کی کتاب "صبا" کا ترجمہ دنیا کی متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے، اور آپ ۱۹۰۹ء سے شعر کہہ رہے ہیں۔

پیرس میں ٹیگور کی سوسالہ جینتی پیرس میں اسی مہینہ کی ۱۷ تاریخ کو ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور کی سوسالہ جینتی منائی جائے گی اور ان کے مشہور ڈرامہ چترا کو فرانسیسی زبان میں اسٹیج کیا جائے گا۔

سرینگر میں اردو اخباروں کی نمائش گذشتہ مہینہ سرینگر (کشمیر) میں اردو اخباروں کی ایک نمائش ہوئی جس میں ہندوستان بھر کے تمام اردو اخبارات کے ساتھ اردو زبان کے ابتدائی اخبارات یا ان کی فوٹو اسٹیٹ کی نقلیں پیش کی گئی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ باوجود رکاوٹوں کے اردو آج بھی ہندوستان کی ایک زندہ زبان ہے۔

امن کا نوبل پرائز ملتوی امسال امن کا نوبل پرائز کسی شخص کو نہیں دیا جائے گا یہ فیصلہ اس لئے کرنا پڑا کہ کسی شخص کا کام بھی "امن" کے مقصد کو پورا کرنے کے نقطۂ نظر سے اس میعار اور درجہ کا نہ تھا کہ نوبل پرائز عطا کیا جاتا اس لئے مجبوراً اسے امسال ملتوی کر دیا گیا۔

محروم صاحب کے نئے مجموعے حضرت تلوک چند محروم کے دو مجموعے (۱) کاروان وطن (قومی اور سیاسی نظموں کا مجموعہ) (۲) بہارِ طفلی (بچوں اور لڑکیوں کے لئے نظمیں) چھپ گئے ہیں دو نئے مجموعے (۱) نیرنگ معانی (ادبی اور نیچرل موضوعات پر لکھی ہوئی نظموں کا مجموعہ) (۲) شعلۂ نور (غزلیات کا مجموعہ) بھی جلد منظرِ عام پر آجائیں گے اور مکتبہ جامعہ سے مل سکیں گے۔

شکنتلا کا اردو ترجمہ کالی داس کی شہرہ آفاق تصنیف "شکنتلا" کا اردو میں منظوم ترجمہ بڑی محنت و کاوش سے اردو کے مشہور شاعر ساغر نظامی صاحب نے کیا ہے جو $\frac{20 \times 26}{8}$ سائیز کے تقریباً چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ کتابت، طباعت اور تزئین کے سلسلہ میں ساغر صاحب کا ذوق ستھرا اور میعاری رہا ہے۔ امید ہے کہ یہ حسن ظاہری بھی ان کی نفاست طبع کا آئینہ دار ثابت ہوگا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اردو میں "شکنتلا" کے منظوم ترجمہ کی یہ پہلی کوشش ہے۔ اس سے پہلے ساغر صاحب انارکلی کے قصہ کا بھی منظوم ترجمہ کر چکے ہیں۔ (باقی صفحہ ۶۲ پر)

پاکستانی مطبوعات

(گذشتہ سے پیوستہ)

گاندھی	گوپال متل	۸/-	سوانح
کنوار دنیا	قیصر سلطانہ ذکی	۴/-	ناول
لالۂ طور	اختر شیرانی	۳/-	شاعری
لیگ آف نیشنز	ایم۔ ایچ۔ بھٹی	۲/-	تاریخ
مقام جمال الدین افغانی	نفیس اکیڈمی	۳/۴	سوانح
مقام اقبال	اشفاق حسین	۴/-	مذہبی
مطالب بانگ درا	غلام رسول مہر	۵/-	لغت
مجبور راہی	مرتضیٰ جاوید	۳/۸	ناول
میٹھے بول میں جادو ہے	ڈیل کارنیگی	۴/	تحقیقی
محاورات نسواں	وزیر بیگم	۱۲/-	فرہنگ
مجاز ایک آہنگ	صہبا لکھنوی	۱۰/-	شاعری
محو خواب	اظہار قدوسی	۱/۱۲	ناول
مکاتیب جیس	ربیعہ سلطانہ	۴/-	خطوط
متھرا کی داسی	آرزو چودھری	۲/۱۲	تاریخی
مصر میں انگریزی حکومت	نافلول پاشا	۱۲/-	سیاسی
مولانا	شوکت تھانوی	۲/۸	مزاحیہ ناول
معارف اقبال	عبدالرحمٰن طارق	۳/-	مذہبی
مسئلہ خلافت	ابوالکلام آزاد	۳/۸	مذہبی
مختصر تاریخ اسلام	غلام رسول مہر	۳/۸	تاریخی
معاشیات	محمد جمیل احمد	۵/-	تبصرہ

مجید لاہوری	شفیع عقیل	۴/۵۰	سوانح
مقامات	احسان دانش	۳/-	شاعری
مقالاتِ حالی اول	انجمن ترقی اردو	۴/۵۰	مضامین
مضامین محفوظ علی	انجمن ترقی اردو	۳/۵۰	مضامین
من لگن	قاضی محمود بحری	۳/۵۰	مثنوی
نثر ریاض	عقیل احمد جعفری	۲/۵۰	مضامین اور خطوط
زندگی کا راستہ	عبدالرشید	۶/-	
ماں	میکسم گورکی	۷/-	ناول
نشتر ادب	نشتر جالندھری	۲/۵۰	قواعد
ناگ رانی	سراج الدین احمد نظامی	۲/	ناول
مکاتیب اقبال	محمد نیاز الدین	۱/۲۵	مکاتیب
نئی دیوار چین	ابراہیم جلیس	۴/۵۰	تاریخ
نئے دھارے	عبدالقادر ایم اے	۱/۸۱	تنقیدی
نفسیاتی الجھنیں	عابدی جعفر	۵/۲۵	تحقیقی
ہمارا لینن	مائل ملیح آبادی	۵/-	انقلابی
ہوس	عزیز احمد	۲/۵۰	ناول
ہزاروں خواہشیں	عابدی جعفر	۴/۷۵	جماتی
ہاتھ کی بات	کمال احمد رضوی	۵/-	نجوم
ہلاک فریب	اثر لکھنوی		ڈرامہ
جیا جیا	مطلبی فرید آبادی	۲/۵۰	شاعری
ید بیضا	سید عابد علی عابد	۵/-	ڈرامے
اسلام کا نظریہ حیات	خلیفہ عبدالحکیم	۸/-	مذہبی
شرح رموز بیخودی	یوسف سلیم چشتی	۴/-	شرح
شرح ضرب کلیم	یوسف سلیم چشتی	۶/-	"
شرح جاوید نامہ	یوسف سلیم چشتی	۱۲/	"

شرح مثنوی پس چہ باید کرد	یوسف سلیم چشتی	٦/-	
شرح اسرار خودی	" " "	٦/	
شرح بالِ جبریل	" " "	٦/	
شرح ارمغانِ حجاز (اردو)	" " "	٣/	
" " " (فارسی)	" " "	٤/	
نشوراتِ اقبال	ریڈیو پاکستان	٢/-	تقریر
مکاتیبِ اقبال	محمد نیاز الدین احمد خاں	١/٢٥	مکاتیب
نفسیات وارداتِ روحانی	ولیم جیمز	٣/-	نفسیات
حیات محمد صلعم	محمد حسین ہیکل پاشا	٢٢/٥٠	سوانح
حکمت رومی	عبدالحکیم	٣/٥٠	
تشکیلِ انسانیت	عبدالمجید سالک	٥/-	نفسیات
نقد میر	سید عبداللہ	٦/٥٠	تنقید
تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ	سید نذیر نیازی	٨/-	خطبات
مسلم ثقافت اسلام میں	عبدالمجید سالک	١٢/-	
نظیر اکبر آبادی اور ان کا عہد شاعری	ابواللیث صدیقی	٥/-	ادب
داغ	تمکین کاظمی	٤/٥٠	تنقید
فلسفۂ جدید	سی۔ ای۔ ایم۔ جوڈ	٢/-	
ذکر اقبال	عبدالمجید سالک	٥/-	
افکار غزالی	محمد حنیف ندوی	٤/-	
دولتِ مغلیہ کی ہیئت مرکزی	عبدالغنی نیازی	١٢/-	
علامہ اقبال	غلام مصطفےٰ تبسم	١/٥٠	
تشبیہاتِ رومی	عبدالحکیم	٨/-	
اقبال اور تصوف	محمد فرمان ایم۔ اے	٢/٥٠	
مکتوبات سرسید	محمد اسماعیل پانی پتی	١٠/-	مکتوبات
[illegible]	[illegible]	٤/٥٠	

فلسفۂ اقبال	بشیر احمد ڈار	۶/-	
بہادر شاہ ظفر اور اُن کا عہد	رئیس احمد جعفری	۲۰/-	
مخزنِ حکمت (اوّل)	غلام جیلانی	۲۰/-	حکمت
" " (دوم)	" "	۱۶/-	"
جدید شعراء اردو	ع - وحید	۲۵/-	
خطوطِ غالب	غلام رسول مہر	۱۲/-	خطوط
اشاراتِ اقبال	عبدالرحمٰن طارق	۳/۵۰	
اقبال اور عشقِ رسولؐ	رئیس احمد جعفری	۶/۷۵	
اسرار و رموز	اقبال	۴/-	
مثنوی پس چہ باید کرد	اقبال	۲/۵۰	
محاورات و ضرب الامثال	فیروز	۲/۵۰	محاورات و ضرب الامثال
زبورِ عجم	اقبال	۴/۵۰	
بانگِ درا	اقبال	۵/-	شاعری
پیامِ مشرق	"	۴/۵۰	"
جاوید نامہ	"	۵/-	"
ضربِ کلیم	"	۳/-	"
بالِ جبریل	"	۴/-	"

[illegible]

وہی کج ادائیاں ہیں وہی تغافل [illegible]

ہے جن کے جلوے سے آنکھ روشن وہی تجلی نما رہے ہیں

وہی مستیاں ہی قدِ بالا وہی صورت وہی سراپا

لبوں کو جنبش نگہ کو لرزش کھڑے ہیں اور مسکرا رہے ہیں

وہی لطافت وہی نزاکت وہی تبسم وہی ترنم

نصیب جس کو بیان ہو وہ حسن جاناں دکھا رہے ہیں

[illegible]

Regd. No. **Nov. *1960*.**

KITAB NUMA

NEW DELHI.

ماہنامہ

کتاب نما

نئی دہلی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

نگراں		مدیر
غلام ربانی تاباں	ماہنامہ کتاب نما نئی دہلی	ریحان احمد عباسی
جلد ۱	دسمبر ۱۹۶۰ء	شمارہ ۶

اشاریہ

۱۰ رنومبر ۶۰ء کو پروگرام کے مطابق جامعہ کے جشن چہل سالہ کا افتتاح وزیر اعظم جواہر لال نہرو کے ہاتھوں ہونے کے بعد ۱۵ رنومبر ۶۰ء تک اس تقریب نے جامعہ نگر کی چھوٹی سی بستی کو چھوٹا موٹا شہر بنائے رکھا۔ مختلف النوع پروگراموں کی تفصیل تعارف جامعہ میں ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

۱۱ رنومبر کو مکتبہ جامعہ کے زیر اہتمام "فن اور فن کار" کے عنوان سے ایک دلچسپ سمپوزیم ہوا جس کی صدارت خواجہ غلام السیدین صاحب نے فرمائی۔ یہ تقریب بھی بہت کامیاب رہی۔ مزید تفصیل اگلے پرچے میں دی جاسکے گی۔

ہم اپنے قارئین کو عموماً اور ادیبوں اور ناشروں کو خصوصی طور پر اس مرتبہ شاہد علی خاں صاحب کے مضمون "چند تلخ حقیقتیں" کی طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ جعلی اشاعتِ کتب کے اس گھناونے کاروبار کو جو ہندوستان اور پاکستان میں بے دھڑک جاری ہے، روکنے کی ضرورت سے نہ کسی دیانت دار پبلشر کو انکار ہو سکتا ہے نہ ادیب کو اس لئے کہ یہ کاروبار دونوں کو مالی نقصان ہی نہیں پہنچا رہا ہے بلکہ تجارت جیسے شریف پیشے کو بھی بدنام کر رہا ہے۔ البتہ سوال یہ ہے کہ اسے روکا کیسے جائے۔

پاکستان میں رائٹرز گلڈ نے اس طرف توجہ کی ہے جس کا اثر اتنا تو ہوا کہ حکومت کی مشنری بھی حرکت میں آگئی اور معلوم ہوا ہے کہ لاہور میں پولیس نے ایک دکان پر چھاپہ مار کر ان ایسی کتابوں کی تمام کاپیاں ضبط کر لیں جن پر ہندوستان کے مشہور افسانہ نگار کرشن چندر کا نام بہ حیثیت مصنف کے درج تھا حب کہ انھوں نے ان میں سے کوئی ایک کتاب بھی نہیں لکھی تھی۔ آگے کیا ہوگا اور کس

تک وہاں کی حکومت ادیبوں اور مصنفوں کے حقوق کا تحفظ کر سکے گی، اس کا جواب مستقبل دیگا۔ لیکن پاکستان میں اس قسم کی بیداری پیدا ہو چکی ہے اور بہرحال اچھے نتائج کی توقع کی جانی چاہیئے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے، بدقسمتی سے یہاں کی حکومت کو مؤثر طریقہ پر متوجہ کرنے کے لئے ابھی تک کوئی مہم شروع ہی نہیں کی گئی ہے اور جہاں تک اردو کا تعلق ہے ہم کو خود ہی یہ کام کرنا ہے۔ جب تک ہم خود اس مرض کے ازالہ کے لئے کچھ نہ کریں گے ہمیں شبہہ ہے کہ ہماری حکومت از خود کوئی قدم اس سلسلہ میں اٹھا سکے گی۔

ہمیں بڑی خوشی ہوگی اگر انجمن ترقی اردو (ہند) اس معاملہ میں دلچسپی لے۔ اور ہم یقین دلاتے ہیں کہ اس معاملہ میں مکتبہ جامعہ ہر قسم کا تعاون پیش کرنے کو تیار ہے۔ یہ توقع بھی بےجا نہیں کہ معزز ناشرین اپنے پیشے اور وقار کی خاطر اس گندے کاروبار کو روکنے میں ہر ممکن مدد اور تعاون سے گریز نہ کریں گے۔ جہاں تک ادیبوں کا تعلق ہے ہم ان سے گذارش کرنا چاہیں گے کہ انھیں بھی جرأت کر کے ایسے نام نہاد ناشروں کے خلاف صف آرا ہونا چاہیئے جن کی وجہ سے ان کو مالی نقصان برداشت کرنا پڑتا ہے اور جو فرضی کتابیں چھاپ کر ان کی ساکھ اور وقار کو صدمہ پہنچا رہے ہیں۔

ان کے علاوہ جو طبقہ سب سے زیادہ اس کام میں ہاتھ بٹا سکتا ہے وہ ہے قارئین کا۔ اس سے ہماری گذارش ہے کہ وہ ایسی کتابیں نہ خریدنے کا عہد کرلے جو اس طرح ناجائز طریقے پر چھاپی گئی ہوں۔

کوائفِ جامعہ

عبداللطیف اعظمی

جشنِ چہل سالہ

۱۰؍ نومبر سے ۱۵؍ نومبر تک جامعہ کا جشنِ چہل سالہ اور تعلیمی میلا ساتھ ساتھ منایا گیا۔ ان چند دنوں میں یہاں جنگل میں منگل کی کیفیت تھی، ہر طرف چہل پہل تھی، ہنگامہ تھا، شور تھا، جوش و ولولہ تھا، غرض اس ویرانے میں بہار تھی، بہار ہی بہار اور ایسی بہار جو پورے شباب پر ہو!

اور میں نے جو نقشہ پیش کیا ہے، اس میں مبالغہ ذرا بھی نہیں ہے، مگر یہ کیفیت محض ظاہری نہ تھی یعنی محض ہنگامہ ہی ہنگامہ نہ تھا، تہ میں سنجیدگی بھی تھی، وقار بھی تھا۔ اس شور و شر میں بہت سے علمی اور سنجیدہ کام بھی ہوئے۔ اس وقت میں اسی کے بارے میں اختصار کے ساتھ کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

۱۰؍ نومبر کو سہ پہر میں افتتاحی جلسہ ہوا، ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو، مہمان خاص تھے اور وزیر تعلیم ڈاکٹر شریمالی صاحب صدر جلسہ۔ شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب صاحب نے جامعہ کے پچھلے کاموں کی مختصر رپورٹ پیش کی اور آئندہ کے عزائم اور منصوبوں کا سرسری خاکہ پیش کیا اور آخر میں پنڈت جی سے درخواست کی کہ وہ جشن کا افتتاح فرمائیں۔ پنڈت جی نے اپنی تقریر میں جامعہ کے کاموں کو سراہا اور اس کے کام کرنے والوں کو مفید مشورے دیئے اور حکومت ہند کی طرف سے ایک لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا۔ آخر میں امیر جامعہ جناب عبدالمجید خواجہ صاحب نے پنڈت جی، ڈاکٹر شریمالی اور تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ دوسرے دن صبح کو حیدرآباد کے پرنس مکرم جاہ بہادر نے جامعہ کے تعلیمی کاموں کی نمائش کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر شیخ الجامعہ صاحب نے جو خطبہ دیا، اس میں جامعہ کی خصوصیات اور اس کے طریق کار کو بڑی وضاحت سے پیش کیا۔ مکرم جاہ بہادر نے جامعہ کے کاموں کی تعریف کی اور بارہ ہزار کا گرانقدر عطیہ مرحمت فرمایا۔ امیر جامعہ نے شکریہ کے موقع پر جامعہ اور آصف جاہی خاندان کے گہرے تعلقات کی تاریخ اور اس کی تفصیلات بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی۔ جلسۂ خاص ۱۴؍ نومبر کو منعقد ہوا، اس کی صدارت وطن کے

صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے کی اور انھوں نے اپنی تقریر میں جامعہ کی خدمات کو تفصیل سے بیان کیا۔ اس موقع پر اس کا اعلان کیا گیا کہ دلی یونیورسٹی نے جامعہ کے ہائر سکنڈری کے سرٹیفکٹ اور سند معلمی (ڈپلوما اِن پوسٹ گریجویٹ ٹیچنگ) کو تسلیم کر لیا ہے، نیز ریاست کشمیر کے وزیر تعلیم جناب غلام محمد میر راجپوری نے ایک مختصر تقریر میں جامعہ کے تعلیمی خدمات کو سراہا اور حکومت کشمیر کی طرف سے بیس ہزار کے گرانقدر عطیہ کا اعلان کیا۔ اس کے بعد خازن جامعہ سید مجتبیٰ حسین زیدی صاحب نے مختلف عطیوں کا اعلان کیا۔ آخر میں جامعہ کے قدیم طالب علم، انجمن جامعہ کے رکن اور پارلیمنٹ کے ممبر جناب اکبر علی صاحب نے صدر جمہوریہ کے تشکریہ میں ایک شاندار اور ولولہ انگیز تقریر کی۔ موصوف نے خاص طور پر اس پر زور دیا کہ عنقریب جامعہ کی منظوری کا بل پارلیمنٹ میں پیش ہونے والا ہے۔ اب یہ راشٹرپتی اور ان کی حکومت کا کام ہے کہ وہ اس کو منظور کرے۔

اسی زمانے میں تین اہم سمپوزیم بھی ہوئے۔ ایک سمپوزیم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی صدارت میں دینی اور اخلاقی تعلیم پر تھا۔ اس میں خواجہ غلام السیدین صاحب، مولانا سعید احمد اکبرآبادی اور مولانا منظہر الدین صاحب ملگرامی کی تقریریں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ مولانا قاضی زین العابدین صاحب استاد جامعہ نے جامعہ کی دینی تعلیم کا ایک سرسری خاکہ پیش کیا اور ماسٹر عبد الغفار مدہولی صاحب اور سعید انصاری صاحب نے حسب ترتیب بتلایا کہ منصوبی طریق تعلیم اور تفویضی طریق تعلیم میں کیا دینی اور اخلاقی تعلیم کو کیا جگہ دی جا سکتی ہے اور اس سلسلہ میں جامعہ کے مختلف تجربے پیش کئے۔ دوسرا اہم سمپوزیم پروفیسر محمد مجیب صاحب کی صدارت میں ہوا، اس کا عنوان تھا۔ "تعلیم برائے قومی اور بین اقوامی مفاہمت"۔ اس جلسے کے خصوصی مہمان وزارت تعلیم کے سکریٹری پی، این، کرپال صاحب تھے اور تقریر کرنے والوں میں دلی پبلک اسکول کے پرنسپل کے، سی کھنا صاحب، میونسپل گرلز اسکول کی پرنسپل مسز کے بھاٹیا اور درگا دت صاحب قابل ذکر ہیں۔ تیسرا سمپوزیم ڈاکٹر عبد العلیم صاحب کی صدارت اور انجمن طلبائے قدیم کے اہتمام میں منعقد ہوا۔ اس کا عنوان تھا "آج کے ہندوستان میں جامعہ کا منصب"۔ اس موضوع پر جامعہ کے طلبائے قدیم نے مبسوط مقالے پڑھے اور سیر حاصل تقریریں کیں۔ آخر میں ایک "غیر جامعی" پروفیسر محمد مجیب صاحب نے تقریر کی اور اپنی ۴۲ سالہ زندگی کی روشنی میں، جو جامعہ کی خدمت میں بسر ہوئی جامعہ کے مقاصد اور منصب کی وضاحت کی۔ ڈاکٹر عبد العلیم نے اپنی صدارتی تقریر میں ہندوستان کے ان سماجی، تہذیبی اور تعلیمی مسائل کا

ذکر کیا، جن سے جامعہ کو اپنی تعلیمی زندگی میں واسطہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے اور اس کا بھی امکان ہو کہ ان کا جامعہ کے مقاصد سے تصادم ہو۔

"فن اور فنکار" کا جلسہ خواجہ غلام السیدین کی صدارت اور مکتبہ جامعہ کے اہتمام میں منعقد ہوا۔ اس کا آغاز پچھلے سال خواجہ احمد عباس اور عصمت چغتائی نے اپنے فن کے بارے میں تقریر کر کے کیا۔ امسال اس کی نوعیت سمپوزیم کی سی تھی۔ انتظام یہ کیا گیا کہ ایک ادیب پڑھنے والوں کی توقعات اور خواہشات کو پیش کرے، دوسرا ادیب فنکار کی حمایت اور ترجمانی میں تقریر کرے۔ صدر خواجہ غلام السیدین صاحب کی وضاحتی تقریر کے بعد ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے تقریروں کا آغاز کیا۔ موصوف نے اردو شاعری کے پڑھنے والوں کی ترجمانی کی اور بتلایا کہ وہ شاعروں سے کیا توقعات رکھتے ہیں اور ان کی کہاں تک توقعات پوری ہوتی ہیں اور کہاں تک ان کو مایوسی ہوتی ہے۔ حضرت فراق گورکھپوری نے شعراء کی نمائندگی کی اور حاضرین کو بتلایا کہ شعر کے محرکات کیا ہوتے ہیں اور ایک شاعر اپنی ذمہ داریاں کس طرح ادا کرتا ہے۔ اس کے بعد پروفیسر آل احمد سرور نے افسانہ پڑھنے والوں کی اور پروفیسر سید احتشام حسین نے افسانہ نگاروں کی حمایت میں تقریریں کیں۔ ناول پڑھنے والوں کی نمائندگی ڈاکٹر محی الدین زور کو کرنی تھی اور ناول نویسوں کی صالحہ عابد حسین صاحبہ کو۔ مگر زور صاحب کو کسی اور جلسے میں شرکت کرنی تھی۔ اس لئے وہ اپنی باری کے آنے سے پہلے ہی چلے گئے اور صالحہ عابد حسین صاحبہ نے میدان کو صاف دیکھ کر ایک دلچسپ مضمون پڑھ کر سنایا۔

جشن چہل سالہ کی قابل ذکر تقریروں میں ایک مشاعرہ بھی ہے۔ مشاعرہ کی ترتیب اس طرح قائم کی جاتی ہو کہ سب سے بڑا شاعر سب سے آخر میں پڑھتا ہو، اس لئے مشاعرہ کا ذکر بھی ہم نے اس مضمون کے آخر میں کیا ہے۔

مشاعرہ کم اور کیفیت دونوں لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ شعراء کی طویل فہرست میں سے حضرت فراق گورکھپوری، حضرت مکیش اکبرآبادی، پروفیسر آل احمد سرور، حضرت روش صدیقی، حضرت امن لکھنوی، حضرت ساغر نظامی، حضرت منور لکھنوی، حضرت بالمکند عرش ملسیانی، جگن ناتھ آزاد، معصوم رضا راہی۔ علامہ حیرت بدایونی، بسمل سعیدی ٹونکی۔ تلوک چند محروم، اور غلام ربانی تاباں صاحب قابل ذکر ہیں۔ میر مشاعرہ کے فرائض ایک غیر شاعر مگر مشہور ادیب ڈاکٹر عبدالعلیم صاحب نے انجام دیئے۔

پنڈت جواہر لال نہرو

کی

مشہور کتاب

A BUNCH OF OLD LETTERS

کا

اردو ترجمہ

کچھ پرانے خط

شائع ہوگیا

● — "کچھ پرانے خط" کا یہ پہلا حصہ جو ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۱۷ء سے ۱۹۳۲ء تک کے ۱۹۲ خطوط کا ایک بیش بہا مجموعہ ہے جو اس زمانہ کی صحیح اور سچی تاریخ کی بھی حیثیت رکھتا ہے۔

●● — ان میں زیادہ خطوط ایسے ہیں جو ملک و قوم کے سرکردہ لوگوں نے پنڈت جی کو لکھے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو پنڈت جی نے جواباً بھجوائے۔

●●● — جن سرکردہ لوگوں نے خطوط لکھے ان میں مندرجہ ذیل نام قابل ذکر ہیں۔ مہاتما گاندھی، پنڈت موتی لال نہرو، لالہ لاجپت رائے، مسز سروجنی نائیڈو۔ مولانا محمد علی، سبھاش چندر بوس۔ جے ایم سین گپتا۔ ڈاکٹر محمد اقبال، رابندر ناتھ ٹیگور۔ رفیع احمد قدوائی۔ بابو راجندر پرشاد۔ جے۔ بی۔ کرپلانی۔ محمد علی جناح۔ ولبھ بھائی پٹیل۔ ڈاکٹر انصاری۔ نریندر دیو۔ لارڈ لوتھین۔ رومان رولان وغیرہ۔

صفحات ۴۰۰ سائز ۲۲×۱۸/۸ ۔ بہترین کتابت و طباعت۔ عمدہ جلد۔ قیمت صرف آٹھ روپے

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

شاهد علی خاں

چند تلخ حقیقتیں

تقسیم سے قبل جتنے بھی پبلشرز ہندوستان میں تھے ان میں سے دس فی صدی اور تقسیم کے بعد جتنے بھی ادارے قائم ہوئے اُن میں نوّے فی صدی ایسے ہیں جن کی تجارت کی بنیاد جعلی کتابوں کی اشاعت پر ہے۔ تقسیم سے قبل ناشرین کا مصنفین کے ساتھ کیا برتاؤ تھا؟ یہاں اس ذکر کی قطعی ضرورت نہیں ہمیں تو یہ دیکھنا ہے کہ تقسیم کے بعد انھوں نے قانون کی آڑ لے کر جو غیر قانونی حرکتیں کی ہیں وہ کس حد تک قابلِ برداشت ہیں اور اگر ہم اس کے خلاف آواز اٹھائیں تو کیا ہمیں حکومت اور عوام کا تعاون حاصل ہوگا؟ یہ تو ہمیں یقین کر لینا چاہیئے کہ ہم انھیں اخلاقی طور پر اس "کارِ خیر" کے بند کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے۔ اس قسم کی کوششیں ایک بار نہیں کئی بار کی جا چکی ہیں لیکن اُن میں سخت ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا ہے۔ لالچ آدمی سے صرف اس کی انسانیت ہی نہیں اس کا اخلاق بھی چھین لیتا ہے اور اس کا ثبوت جعلی کتابیں شائع کرنے والے پبلشرز کئی بار دے چکے ہیں۔ آئیے ہم تھوڑی دیر کے لئے اس ذکر کو چھوڑ کر جعلی کتابوں کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ اس کی ابتدا کب اور کیوں ہوئی اور اس نے اس دوران میں کیسے کیسے رخ بدلے۔ یہ کوئی سنہ ۱۹۵۰ء کے لگ بھگ کی بات ہے۔ جب دلّی کے مذہبی کتابوں کے پبلشر کی ایک مذہبی کتاب پاکستان کے ایک "دلیر، مذہبی تبلیغ کے حامی اور قانون دان" پبلشر نے جعلی شائع کی "قانون داں" کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ اس زمانے میں ہندوستان میں پاکستانی کتابیں اور پاکستان میں ہندوستانی کتابیں جعلی چھاپنے کی قانونی طور پر ممانعت نہیں تھی اور آج بھی نہیں ہے اور یہ ناشر صاحب قانون کے اس نکتے سے واقف ہیں۔ دلی کے جس پبلشر کی کتاب جعلی چھاپی گئی تھی جب اسے اس بات کا علم ہوا تو اس کے غصہ کی انتہا نہ رہی۔ اس نے اپنے وکیل اور قانون داں حضرات سے مشورے کئے لیکن سب نے اس کو یہی جواب دیا کہ تم قانونی طور پر

اُس پبلشر کا کچھ نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ اس جواب سے اس کے انتقام کی آگ کم نہیں ہوئی بلکہ اور بھڑک گئی۔ جب اس کو قانون کا سہارا نہیں ملا تو اس نے بھی اُسی پاکستانی پبلشر کی ایک کتاب جعلی چھاپ کر چاروں طرف بہت کم داموں میں تقسیم کر دی اور یہ سمجھ لیا کہ ہم نے اُس پاکستانی پبلشر کو ایسا سبق دیا کہ وہ زندگی بھر نہیں بھولے گا لیکن یہ سبق نہیں ثابت ہوا یہ تو جعلی کتابیں شائع کرنے والوں کے لئے ایک قسم کی دعوت ہو گئی۔ اس پاکستانی پبلشر نے اس کے جواب میں ہندوستان کے دو تین پبلشرز پر ایک ساتھ ہاتھ صاف کیا۔ ان میں لکھنؤ کا ایک بڑا پبلشر بھی شامل تھا جب لکھنؤ والے پبلشر کو معلوم ہوا کہ اس کی جعلی کتابیں پاکستان میں چھاپی جا رہی ہیں تو اس نے بھی دھڑا دھڑ پاکستانی کتابیں پاکستان کے پتہ پر شائع کرنی شروع کر دیں اور یہ کام اس سنجیدگی اور سلیقہ سے کیا کہ اچھے اچھے بک سیلر بھی اُن کتابوں کو ایک مدت تک پاکستانی مطبوعات ہی تصور کرتے رہے۔

اب یہ آگ خوب بھڑک چکی تھی۔ دونوں طرف سے جعلی کتابیں شائع کرنے کا سلسلہ عام ہو چکا تھا۔ اُسی زمانے میں چند ہندوستانی و پاکستانی اخبارات و رسائل نے ان جعلی پبلشرز کے اس فعل کے خلاف آواز اٹھائی، مضامین لکھے۔ لیکن صرف خبریں شائع کرنے اور مضامین لکھنے سے کچھ نہیں ہوتا جب تک عملی طور پر کسی غلط کام کے خلاف سخت قدم نہ اٹھایا جائے جس زمانے میں اخبارات اس خبر کو اچھال رہے تھے اسی زمانے میں انھیں پبلشرز کی طرف سے نہ معلوم کس طرح چاروں طرف یہ پروپگنڈہ کیا گیا کہ یہ پبلشرز جعلی کتابیں اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ ان کتابوں کی کمیابی (اُس زمانے میں پاکستان سے کتابوں کی آمد و رفت پر پابندی لگا دی گئی تھی) کو دور کرنے اور عوام کی سہولت اور فائدہ کے خیال سے شائع کرتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اگر یہ بزرگ جعلی کتابیں شائع کرنا بند کر دیں تو ہندوستانی عوام پاکستان کی اچھی اچھی کتابوں کے مطالعہ سے محروم رہیں گے۔ جعلی کتابوں کے پبلشرز اپنے اس پروپگنڈے کی مدد سے عوام کے خیالات نہیں بدل سکے لیکن ان اخبارات و رسائل کی وہ آواز جو اس فعل کے خلاف اٹھائی گئی تھی وہ ضرور اس پروپگنڈے میں دب کر رہ گئی —— پھر کچھ عرصہ کے بعد تو یہ سلسلہ اتنے منظم طریقے سے چلایا گیا اور اب تک چلایا جا رہا ہے کہ پاکستان کی کوئی بھی ضخیم سے ضخیم کتاب پاکستان میں شائع ہونے کے بعد صرف ایک ہفتہ کے اندر اندر ہندوستان میں بھی شائع ہو جاتی ہے —— اس دوران میں اس سلسلے نے ایک رخ اور دکھایا۔

اور وہ یہ تھا کہ جعلی کتابیں شائع کرنے والے پبلشر جب آپس میں ایک دوسرے سے لڑائی کی ضرورت محسوس کرتے تو بجائے گالی گلوچ، مارپیٹ کے ایک دوسرے کی کتابیں شائع کرتے تھے۔ چور جب دس بیس دفعہ چوری کرے اور گرفتار نہ ہو تو اس میں زیادہ دلیری آجاتی ہے۔ یہی حال ان جعلی پبلشرز کا ہوا۔ چوری کرتے رہے اور پکڑے نہیں گئے پھر تو انھیں ڈاکو بننا ہی تھا۔ آپس کی لڑائی لڑتے لڑتے یہی ہتھیار ہر ایک پر آزمانا شروع کر دیا۔ جس پبلشر نے بھی انھیں اپنی کتاب ادھار نہیں دی یا ان کے خلاف ایک لفظ بھی منہ سے نکالا تو بس سمجھ لیجیے کہ اس کی کتاب جعلی چھپ گئی۔ اب اگر وہ اپنی کتابیں ردی کے بھاؤ فروخت کرنا نہیں چاہتا تو صلح کرلے۔ صلح کے شرائط اتنے عام ہو گئے تھے کہ غیر متعلق حضرات بھی واقف تھے یعنی جتنی کتابیں فروخت کر چکے ہیں وہ تو فروخت ہو ہی گئیں باقی کتابیں لاگت سے فی جلد ایک آنہ، دو آنے یا چار آنے زیادہ دے دی جاتی تھیں۔ اس قسم کی مصالحت کئی ذمہ دار اور بزدل ادارے کر چکے ہیں۔ ایسی کتابیں کسی دوسرے ادارے اور پریس لائن کے ساتھ شائع کی جاتی تھیں۔ ان کتابوں کا فرضی بل چھپوا کر محفوظ کر لیا جاتا تھا تاکہ وقت ضرورت پولیس یا عدالت کو دکھا سکیں کہ یہ کتاب ہم نے شائع نہیں کی بلکہ فلاں ادارے سے خریدی ہے۔ ان کو اس کا احساس اس وقت بھی نہیں تھا اور آج بھی نہیں ہے کہ جس پبلشر کی جائز کتاب وہ اس دلیری سے شائع کرتے ہیں اس بیچارے کے دل پر کیا گذرتی ہوگی ــــ

بات ابھی ختم نہیں ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے نئے پینترے بدلنے شروع کر دیئے۔ ایسی کتابیں بھی شائع کیں جس کا مصنف ہندوستان میں تھا لیکن اس کتاب کا پبلشر پاکستان میں۔ ایسی کتابیں بھی جعلی چھپیں جس کا مصنف بھی ہندوستان میں تھا اور پبلشر بھی۔ ایسی کتابیں تو ان بزرگوں کے ہاتھوں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوئیں جس کے مصنف بھی پاکستان میں ہوں اور پبلشر بھی۔ بس یہی سلسلہ اسی انداز سے پاکستان میں بھی چل رہا ہے۔ یہ جنگ بظاہر تو تاجروں کی جنگ تھی اور ہے لیکن اس سے نقصان ادیبوں کو بھی پہنچ رہا ہے لیکن جس طرح حکومت پردہ پوشی کر کے خود کو آدھا مجرم ثابت کر رہی ہے اسی طرح وہ ادیب اور شاعر بھی مجرم ہیں جو اپنی کتاب جعلی شائع کروانا تو پسند کرتے ہیں لیکن اس کے خلاف قدم نہیں اٹھاتے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے پاس روپے نہیں ہیں بلکہ بظاہر ان کے پاس وقت نہیں ہے۔ ان ادیبوں اور شاعروں کے اس فعل سے ان جعلی کتابوں کے پبلشرز کو اور شہ ملتی ہے اور وہ زیادہ دلیری سے

جعلی کتابیں شائع کرتے ہیں۔ یہ میں صرف ان ادیبوں اور شاعروں کے لئے عرض کر رہا ہوں جو خود بھی ہندوستان میں ہیں اور اُن کی کتاب کے پبلشر بھی۔

اب سنئے، ترقی کی راہیں محدود نہیں ہوتیں انسان جہاں تک چاہے آگے بڑھ سکتا ہے۔ ہمارے جعلی کتابوں کے پبلشر بھی نہایت مستقل مزاجی اور سنجیدگی سے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ ہندوستان میں ایک ایسی کتاب بھی شائع ہوئی جس کا مصنف اصل میں کوئی اور تھا لیکن وقت کا تقاضا یہ تھا کہ اس کتاب پر ایسے مصنف کا نام ڈال دیا جائے جس کی کتاب ہاتھوں ہاتھ نکلتی ہو۔ اور یہ حقیقت ہے کہ وہ کتاب اُس مصنف یا مصنفہ کے نام کی وجہ سے خوب فروخت ہوئی۔ عقل مندوں کو اشارہ کافی ہوتا ہے۔ دوسرے جعلی پبلشر بھلا کیوں خاموش بیٹھتے۔ انھوں نے باقاعدہ طور پر ایک ناول نگار سے صرف ان ادیبوں کے نام سے ناول لکھوانے شروع کئے جن کا ناول کی دنیا میں بڑا نام تھا۔ اس ناول نگار نے ایک نہایت ضخیم کتاب لکھی۔ وہ شائع ہوئی اور خوب فروخت ہوئی بلکہ اب بھی ہو رہی ہے۔ یہ خبر اُڑتے اُڑتے پاکستان پہنچی اور انھوں نے بھی اس کام میں اپنے ہندوستانی بھائیوں کا ساتھ دینا شروع کر دیا۔ اور ہندوستانی پبلشرز کی طرح بہت سے ادیبوں کو ایسی ایسی نئی نئی کتابوں کا مصنف بنا دیا جن کے نام تک وہ نہیں سوچ سکتے تھے۔ اس نوک جھونک میں جن ادیبوں اور شاعروں کو خاص طور پر نقصان پہنچا وہ یہ ہیں: رئیس احمد جعفری، رشید اختر ندوی، نسیم حجازی، قیسی رامپوری۔ اے آر خاتون، نادرہ خاتون، شوکت تھانوی، عذرا اجمال، ایم اسلم، ابراہیم جلیس، شفیق الرحمان، اشفاق احمد، اے حمید، خواجہ محمد شفیع، نسیم انہونوی، دیت بھارتی۔ اکرم الٰہ آبادی، عادل رشید، شکیل بدایونی، ساحر لدھیانوی، فیض احمد فیض، قتیل شفائی، علامہ اور حضرت جگر مرادآبادی اور اس ماہ میں آل احمد سرور کو بھی نقصان پہنچا۔ ان کی کتاب "تنقیدی اشارے" جعلی چھاپ دی گئی۔ ابھی تو یہ چند نام ہیں جن کی کتابیں جعلی چھپی ہیں اور اگر اس کی روک تھام نہیں کی گئی تو ہندوستان اور پاکستان میں اس سے بھی کم نام رہ جائیں گے جن کی کتابیں جعلی نہیں چھپی ہوں گی۔

اس کی روک تھام اب بھی کی جا سکتی ہے اگر دونوں حکومتیں اور بڑے بڑے ادارے اس کو ختم کرنے کا تہیہ کر لیں، یہ کام انجمن ترقی اردو کی معرفت زیادہ آسانی سے انجام پا سکتا ہے۔ تمام تجارتی ادارے انجمن سے تعاون کریں اور یہ طے کر لیں کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے وہ جعلی کتابیں ہرگز فروخت نہیں کریں گے بلکہ جعلی کتابوں کے پبلشرز اور ان سے تعاون کرنے والے

اداروں تک کا بائیکاٹ کردیں گے اور اپنے خریداروں کو بھی مجبور کریں گے کہ وہ صرف ایسی کتابیں خریدیں جو جائز طور پر شائع کی گئی ہوں جب عام بک سیلرز جعلی کتابوں کے پبلشرز سے تعاون نہیں کریں گے تو خود بخود کچھ عرصے کے بعد جعلی کتابیں چھپنا کم ہوجائیں گی اور اگر انجمن ترقی اردو نے حکومت کو جھنجھوڑ کر اس کے کانوں تک ہماری آواز پہنچا دی تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے یہ سلسلہ ختم ہوجائے گا۔

بقیہ ادبی خبریں ص ۳۲

کہانیوں کا مقابلہ

انجمن ترقی اردو لکھنؤ نے پچھلے ماہ ڈاکٹر شجاعت علی سندیلوی سرپرست، احمد ابراہیم علوی صدر اور محمد علی صدیقی نائب صدر کے متفقہ فیصلہ پر بچوں کے لئے لکھی گئی کہانیوں کے مقابلہ کا حسب ذیل اعلان کیا۔

اوصاف احمد صاحب کی کہانی "نیا گھر" پہلا انعام
نجم الحسن ہاشمی صاحب کی کہانی "نیکیاں" دوسرا انعام
چودھری سعید صاحب کی کہانی "بہادر لڑکا" تیسرا انعام

ان کے علاوہ تین حضرات کو خصوصی انعامات بھی دیئے گئے۔

سرتاج

بارہ مولا (کشمیر) سے بہت جلد ایک ماہنامہ "سرتاج" کا اجرا ہونے والا ہے۔ اس کے ایک پرچے کی قیمت ۲۰ نئے پیسے اور سالانہ چندہ دو روپے ۵۰ نئے پیسے ہوگا۔

اردو مجلس کا ادبی اجلاس

اردو مجلس کا ماہانہ ادبی اجلاس ۲۷ نومبر کو اردو محل میں اردو کے ممتاز مزاحیہ شاعر جناب مرزا شکور بیگ (ایم اے ایل ایل بی) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ محترمہ منیرہ کاؤس جی ایم اے نے اکبر الہ آبادی کی شخصیت اور کلام کے زیر عنوان اپنا مقالہ سنایا۔ محفل شعر و سخن میں قدیم و جدید مکتب خیال کے شعراء کرام نے کلام سنایا۔ آخر میں مرزا شکور بیگ نے سیر حاصل تقریر کی اور اکبر کے فن کو خراج عقیدت ادا کیا۔ اور جانکی پرشاد صدر اردو مجلس نے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور محمد منظور احمد معتمد اعزازی نے شکریہ ادا کیا۔

جذبی

غزل

چمن میں شورِ عنادل رہے رہے نہ رہے
مری نوا کے مقابل رہے رہے نہ رہے

فسردگی ہی جو ٹھہری ہے زیست کا حاصل
تو پھر یہ زیست کا حاصل رہے رہے نہ رہے

کسے خبر کہ یہ صحرائے آسمان و زمین
جنونِ شوق کے قابل رہے رہے نہ رہے

جمی ہوئی ہیں نگاہیں سوادِ منزل پر
نشانِ جادۂ منزل رہے رہے نہ رہے

یہ سوچتے تھے کہ طوفاں میں ڈالدی کشتی
کہ پھر اشارۂ ساحل رہے رہے نہ رہے

دہانِ زخم جو منھ پھیر لیں تو کیا معلوم
تبسمِ لبِ قاتل رہے رہے نہ رہے

ہمیں تو ناصحِ ناداں شرارِ زیست سے کام
تصادمِ نگہ و دل رہے رہے نہ رہے

(بشکریہ سوغات بنگلور)

عصمت چغتائی

تین اناڑی

(بچوں کے لئے عصمت چغتائی کے نئے ناول کا ایک باب جو مکتبہ جامعہ سے شائع ہوا۔)

ڈراما کمپنی کی دل شکن ناکامی کے بعد کئی دنوں تینوں بجھے بجھے سے رہے۔ فن بھیاّ اور کمی آپا کو اگر صوفی آلہ نہ ڈانٹیں تو وہ انھیں خودکشی کر لینے پر مجبور کر دیتے۔ چھٹیوں پر نہ جانے کس منحوس کی پرچھائیں پڑ گئی تھی کہ ہر اسکیم پٹ ہوئی جا رہی تھی۔ عجب مصیبت تھی۔ بیڈمنٹن کھیلو تو گیند سیدھی تاک کر پانی کے مٹکے میں یا بی اماں کے کتھے کی کلھیا میں گرتی۔ کرکٹ کھیلو تو بیٹ سیدھا کھڑکی یا دروازے کے شیشے پر جا بیٹھتا۔ آنکھ مچولی کھیلو تو چھپو کہاں۔ کمی آپا فوراً اپنے پلنگ کے نیچے سے مچھردانی کے بانس مار مار کر نکال دیں۔ بی اماں کے کمرے میں جاؤ تو انھیں فوراً ہول چڑھنے لگتا۔ مجیب بھائی کے کمرے میں جانا سراسر موت کو دعوت دینا ہے۔ فوراً پکڑ کر الجبرا اور جیومیٹری رٹانے لگیں گے۔ وسیم بھائی کے کمرے میں چھپو تو فوراً چلا چلا کر اعلان کر دیں گے۔

"بھئی ہمارے کمرے میں کوئی نہیں چھپا ہے۔ یہاں کوئی ڈھونڈنے نہ آئے۔" امیر خاں کے باورچی خانے میں پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ رہ گئی کلو بوا کی کوٹھری تو وہاں چھپنا بڑے دل گردے کا کام ہے۔ اوّل تو گندھک، گلقند اور مختلف مربّوں کا بھبکا ناک میں چڑھ کر چھکّے چھڑا دے گا دوسرے مچھروں کے قبیلے کے قبیلے حملہ کر کے چمڑی ادھیڑ دیں گے۔ میوہ رام کے کمرے میں جانا بھی دردِ سر مول لینا ہے۔ یہ بدمذاق شخص ہر وقت شریف آدمیوں کی میلی ناکوں پر نظر رکھتا ہے۔ ویسے بھی چاہے کتنی صاف ہو ناک، احتیاطاً ناک صفا کرنے کی رائے دے دے گا۔ کبھو کبھی کسی کی ما

اُجلی ہے کہ میلی آپ کو کیا تکلیف ہوتی ہے۔ کسی کی گردن پر میل کی پپڑیاں ہیں تو آپ کی بلا سے۔ لوگ کہتے ہیں میوہ رام بہت اچھا نوکر ہے۔ ہنہ نوکر! ان تینوں کی جان کو تو وہ دوزخ کے داروغہ کی طرح لگ چکا ہے۔ پیدا ہوتے ہی رعب جمانا شروع کر دیا اور برابر ہر وقت اینٹھتا رہتا ہے۔ ذرا ذرا سی بات پر نہایت غیر ملازمانہ حرکتیں، گستاخی سے سب کے سامنے ڈانٹنا اور موقع بے موقع چپتیا دینا۔ نہ جانے اماں نے اس ظالم کو اتنی چھوٹ کیوں دے رکھی ہے۔ آخر نوکر پر آقاؤں کا کچھ رعب تو ہونا چاہیے! یہ کیا کہ یہاں الٹی آقاؤں کی اس جلاد نوکر سے کنّی دبتی ہے۔ اور یہ حق تلفی صرف اس لئے ہوتی ہے کہ یہ تینوں مختار نہیں۔ جو لوگ پیسہ کماتے ہیں وہ خود مختار رہتے ہیں۔ وہ چاہے رات بھر فلاش کھیلیں، سکار کے پروگرام بنائیں۔ اونچے اونچے قہقہے لگائیں۔ میوہ رام دوڑ دوڑ کر جائے اور شربت سے اُن کی خاطر تواضع کرتے ہیں۔ اور یہاں جب تیسری سے چوتھی پلیٹ مانگو تو ٹکا سا جواب مل جاتا ہے۔ "بس بس کیا ہیضہ کرو گے کمبختوں"! دنیا جانتی ہے کہ ہیضے کے جراثیم آئس کریم میں نہیں بلکہ بھنڈی، لوکی اور ٹنڈوں میں ہوتے ہیں۔ مگر یہ منحوس ترکاریاں زبردستی لگائی جاتی ہیں کہ ان میں نہ جانے کون کون سے وٹامن ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان بیہودہ ترکاریوں کے بجائے ہر شریف وٹامن کو صرف ٹافیوں، گلاب جامنوں اور رس گلّوں میں ہی ہونا چاہیے۔

"اپنی روزی کسی طرح خود کمائی جائے۔" گلّو نے سنا تھا کہ خالہ اماں وسیم بھائی کو اس لئے کھرید تی رہتی ہیں کہ وہ اپنی روزی خود نہیں کماتے۔ جو کما کر لاتے ہیں اُن کے بڑے لاڈ کئے جاتے ہیں۔

"مگر کیسے ؟" بیلو سے کوئی دو تین۔ پانچ کیلو الے مگر ڈبیا ڈھونے کے کام سے اس کی جان نکلتی ہے۔ بھد پیلی ہے نا!

"جناب دولت کمانے کے لکھوکھا طریقے ہیں۔" گلّو نے پیارے ماموں کا جملہ دُھرایا۔

"اگر کہیں سے تھوڑا سا گڑ مل جائے تو۔"

"گڑ ؟" بیلو کی آنکھوں میں رونق آ گئی۔ دادی اماں کو گڑ سے اللہ واسطے کا بیر ہے۔

"بس زیادہ گڑ مت کھاؤ پیٹ خراب ہو جائے گا۔"

کھو کھلا پیٹ نہ ہو گیا روئی کا پھویا ہو گیا کہ پاؤ ڈیڑھ پاؤ گڑ سے بگڑ بیٹھے گا!

"گڑ چنے کی ٹافی بنائی جائے۔" گلّو نے تشریح کی۔

"ٹافی بنے گی تو چکھنا تو پڑے ہی گی۔" ٹیٹو نے تخیل میں ٹافی چکھ کر چٹخارہ لیا۔ "پھر ؟"

"پھر یہ کہ ٹافی کی چھوٹی چھوٹی پڑیاں باندھ کر بیچی جائیں۔ اس سے جو منافع ہو تو اور گڑ خریدا جائے اور ٹافی بنائی جائے۔" یہ ککّو پورا بنیا ہے۔ کسی دن ٹاٹا اور برلا کا دیوالہ نکال کر چھوڑے گا۔ کیا کیا تگڑمیں لڑاتا ہے۔

"پھر جناب ٹافی کی دکان کھولی جائے، ہیں نا" ٹیٹو چہکے۔

"جی ہاں، دکان سے کیا ہوگا پورا کارخانہ کھولا جائے۔ پھر سارے ہندوستان میں ٹافی بیچی جائے۔"

مگر سوال یہ تھا کہ گڑ کہاں سے ملے۔ بی اماں تالے میں رکھتی ہیں شکر اور گڑ۔

"بس ایک ترکیب کی جائے۔" ککّو عرف لال بجھکڑ بولے۔

"کیا؟"

"ہر گھر میں جا کر تھوڑا گڑ مانگا جائے۔"

"اماں یار جوتے کھلواؤ گے۔ ہماری تو اماں اتنا ماریں گی کہ کٹلٹس بنا دیں گی۔"

"جی ہاں کیوں ماریں گی۔ یوں تھوڑی مانگیں گے کہ کسی کو پتہ چلے۔ ٹیٹو جائیں بیگم اماں کے پاس اور کہیں کہ تھوڑا سا گڑ دے دیجئے بی اماں نے مانگا ہے۔ اور ببلو تم جاؤ بی اماں کے پاس کہ بیگم اماں نے گڑ مانگا ہے۔ اس طرح اماں اور آلہ سے دادی اماں اور خالہ اماں سے الگ الگ جا کر گڑ مانگا جائے۔"

"قیصر خالہ سے بھی؟" ٹیٹو نے آنکھیں چمکائیں۔

"ہاں اور افسر آپا اور زرینہ آپا سے بھی۔"

"زرینہ آپا بڑی کائیاں ہیں جاتے ہی کہیں گی۔ 'میرا اچھا بھیا پہلے میری چپلی میں کیل ٹھونک دے۔' پھر کہیں گی 'ذرا میری کتابوں پر کاغذ تو چڑھاؤ' جب جاؤ ہزاروں کام بتا دیتی ہیں۔ اور گڑ دینے کے نام پر بولیں گی۔ نہیں بھائی ہم گڑ کے پیپے میں ہاتھ نہیں ڈالیں گے ہمیں چپچپا لگتا ہے۔"

اتنی مخالفت کے باوجود اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ گڑ مانگا جائے۔ ببلو نے نہایت مسمسی سی صورت بنائی، چلے خالہ اماں کے پاس۔

"خالہ اماں بی اماں نے کہا ہے ذرا سا گڑ دے دیجئے۔ گڑ کے ٹکڑے پکیں گے۔"

"گڑ؟ . . . . اوئی کیسا گڑ" خالہ اماں چکرائیں۔

"جی گڑ؟... گڑ" بیلو اس سے زیادہ گڑ کی تشریح نہ کرسکے۔

"اے لڑکے دیوانہ ہوا ہے کچھ اور رما لگا ہوگا۔ پرسوں ہی تو میں نے سوا چار سیر گڑ اکبر سلطان کو بھجوایا ہے ختم بھی ہو گیا؟"

"جی بالکل ختم ہو گیا" بیلو بڑی بھولی آواز میں بولے۔

"اے بوا سکندر زمانی ذرا سا گڑ دے دو..." گڑ تو مل گیا مگر خالہ اماں نہایت جز بز ہو گئیں "اے سراج زمانی سنتی ہو" اکبر سلطان کے ہاں سوا چار سیر گڑ چٹکیوں میں اڑ گیا!"

"نوکروں نے چرایا ہوگا" سکندر زمانی بولیں۔

ادھر جب ٹیٹو بی اماں سے خالہ اماں کے لئے گڑ مانگنے گئے تو وہ از حد چراغ پا ہوئیں۔

"منی آپا بھی حد کرتی ہیں۔ سنا ہے مارہرے سے وسیم بیس سیر گڑ لائے ہیں۔ ایسا ہی تھا تو بانٹنے کاہے کو بیٹھ گئی تھیں۔ کلو بوا پھینک آؤ اللہ مارا گڑ ہمیں نہیں چاہیئے۔" بی اماں بگڑ گئیں۔

"بی اماں وہ کہتی ہیں ہمارے گڑ میں چوہیا نے بچے دیدیئے ہیں اس لئے تھوڑا سا گڑ دے دیجئے۔" ٹیٹو نے بات سنبھالی۔

"ہے ہے اللہ کی پھٹکار چوہیا نامراد کی صورت پہ۔ اے بی اختر سنتی ہو..... منی آپا کے گڑ میں چوہیا نے بچے دے دیئے ہیں۔ میرا سارا شروع کا گٹھنا کھا گئی حرامزادی۔"

"کون بی اماں؟" بی اختر ساڑھی پر ٹپی کا کام کرنے میں بالکل بے ہوش ہو جاتی ہیں۔

"اے وہی قطامہ چوہیا۔ میں کہتی ہوں یہ سکھٹی کا بچہ کس کرم کا ہے۔ ڈھائی سیر اناج کھانے کو چوکس، چوہیا مارتے دم نکلتا ہے۔ اے ہے یہ موئی کاٹی بلی کس مرض کی دوا ہے۔ کیا مجال جو ایک بھی چوہیا مار جائے۔"

"نہیں بی اماں ہماری مالو چوہے نہیں مارے گی۔ ہمیں گندے لگتے ہیں۔ کمبخت چوہے۔" کمی آپا بولیں۔

"ہاں ہاں تمہاری بلی تو نواب زادی ہے۔ چوہے نہیں مارے گی تخت پر بیٹھی گلاب کے پھول سونگھتی رہے گی۔ نفرت ہے مجھے مٹلو سے۔" بی اماں جل گئیں۔

اب ٹیٹو کھڑے کسمسا رہے ہیں۔ بات گڑ سے چوہوں پہ کودی اور چوہوں سے کمی آپا کی نخریلی بلی پر اور وہاں سے بی اماں کی پٹاری میں لڑھک گئی۔ کاش چوہیا کے بجائے کوئی اور

ہی بہانہ کیا ہوتا تو یہ ذرا سی بات تنگڑ نہ بن جاتی ۔

گڑ مانگنے کی اسکیم میں کچھ گڑبڑ ہوگئی ۔ بھولے سے گگو بھی دوبارہ بی اماں سے گڑ مانگنے آگئے۔ وہ پہلے ہی گڑ کے نام پر چڑھی بیٹھی تھیں ۔ اُسی وقت امیر خاں سے کہلے جا کر منی آپا کے ہاں پٹخ آؤ گڑ۔ ہمیں نہیں چاہیئے۔ منگائے جا رہی ہیں تو بھیجا کیوں تھا۔

آلہ سے جب گڑ مانگا تو وہ بھنا اٹھیں۔

"کہدو آپا سے خالہ اماں سے منگالیں۔ ہم نہیں دیتے"!

گڑ کی مہم کچھ زیادہ کامیاب نہیں رہی۔ کہیں سے تو اتنا مختصر گڑ ملا کہ دوسرے ٹھکانے پر پہنچتے پہنچتے مٹو میاں نے راستے ہی میں چکھ ڈالا۔ گو جن جن اڈوں پر پہنچے کسی نے گڑ کے معاملے میں جوش و خروش نہیں دکھایا۔ بہت ہی تھوڑا سا جمع ہو پایا۔ بیلو نے جس جیب میں گڑ رکھا اس میں اتفاق سے پہلے کباڑ خانہ موجود تھا۔ کچھ زنگھیائی ہوئی ٹیڑھی کیلیں۔ خالی کارتوس، مختلف رنگ اور وزن کے پتھر، چند کینچوئے اور نیم مُردہ مینڈک کے بچے جو انھوں نے مچھلی کے شکار کے خیال سے جمع کیئے تھے۔ کچھ خوش رنگ پر۔ یہ سب چیزیں گڑ کے شیرے میں لتھڑ کر اتنی بھیانک ہوگئی تھیں کہ گڑ کی ٹافی کے خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

خیر جتنا بھی گڑ جمع ہوگیا غنیمت سمجھا گیا۔ اب یہ فکر ہوئی کہ امیر خاں باورچی خانہ چھوڑ کر ذرا کلو بوا سے باتیں مٹھارنے جائیں تو کچھ ٹافی وغیرہ پکائی جائے۔ چنانچہ جونہی امیر خاں ہانڈی اُتار کر ذرا کلو بوا سے اُن کے چوتھے شوہر کی شراب پی کر ٹھکائی کرنے کی عادتِ بد پر تبصرہ کرنے پہنچے تینوں نے باورچی خانے پر حملہ بول دیا۔ نہ جانے بہت سی پتیلیوں میں کیا کچھ کھدبدا رہا تھا یونہی تجربے کے طور پر دو چار ہانڈیاں چکھ ڈالیں۔ ایک اندھیری سی گہری پتیلی میں نہ جانے کیا اُبل رہا تھا۔ بیلو صاحب کی عینک تو بی اماں کی پٹاری میں ٹانگیں اونچی کیئے لیٹی تھی۔ ٹھیک سے سوجھا بھی نہیں۔ جونہی ایک چمچہ بھر کر سڑپّا مارا اکھانستے اوکتے نالی کی طرف دوڑے۔ تحقیق کے بعد معلوم ہوا اس ناہنجار پتیلی میں میلی صافیاں اور جھاڑن اُبلے جا رہے تھے جیر کلی کر کے ذرا سی گڑ کی ڈلی تالو میں چپکائی تب کہیں جا کر جھاڑنوں کا ذائقہ حلق سے نیچے کھسکا۔

کوئی ٹھیک پتیلی تو نہ تھی۔ اس لئے ایک بڑے سے پتیلے میں ہی پکانے کا ارادہ کیا۔ پیندے میں ذرا سا گڑ پڑتے ہی کھدبد کرنے لگا۔ ادھر تینوں چنے چھیلنے اور ایک دوسرے کو چنے پھانکنے سے روکنے میں ایسے غرق ہوئے کہ بی اماں کی ناک میں جب گڑ کے جلنے کی بو پہنچی تو

انھوں نے ہانک لگائی ۔

"اے ہے امیرا کے بچے! یہ بورچی خانے میں کیا تیرا کلیجا جل رہا ہے اور تو بیٹھا کلو بوا سے چرپچلے بگھار رہا ہے"

ٹانی سازوں کے آئے حواس گم ہوگئے۔ بیٹو نے گرم تپیلا چھوا اور بلبلا کر بھاگے۔ گگو ہڑبڑا کر اپنے کرتے کے دامن سے تپیلا پکڑ کر جو اٹھانے جھکے تو جیب میں بھری ہوئی سیپیاں، گھونگے، پنچ کش، ربڑ، پنسل، اٹیچی کی کنجی وغیرہ وغیرہ گڑ میں گر گئیں۔

بڑی مشکل سے امیر خاں نے آکر تپیلا اتارا، زمین پر رکھتے ہی جلا ہوا گڑ مع کباڑ کے پیندے میں سیمنٹ کی طرح جم گیا۔ گڑ کے جلنے سے پرانے تپیلے کا پیندا کچھ ایسا ناکارہ ہوگیا کہ اس پر قلعی نہیں ٹکتی اور جب بی اماں نانا ابا کے فاتحے کا پلاؤ بگھارنے بیٹھتی ہیں ٹانی سازوں کی نئے سرے سے آفت آجاتی ہے۔

تینوں کی گڑ ملنگنے کی اسکیم بھی پوشیدہ نہ رہ سکی اور ہفتوں کورٹ مارشل ہوتا رہا۔ بے چارے خاموش سر جھکا کر ملامتیں سنتے ہیں۔ اور غم کھا کر رہ جاتے ہیں۔ اگر کہیں ٹانی کی اسکیم خاطر خواہ بیٹھ جاتی گڑ کافی ملتا، تپیلا اتنا بڑا نہ ہوتا تو مزا آجاتا۔ منافع در منافع ہوتا۔ بینک بیلنس بڑھتا اور آج یوں جھڑکیاں سننے کے بجائے ایک نہایت شان دار بنگلے میں تینوں ٹھاٹ سے رہتے پھر اماں یوں جھانسے کیوں جھیلتیں نہ آلہ سود در سود کے سوال رٹاتیں نہ مجیب بھائی مولیاں بواتے اور نہ میوہ رام ہر وقت جیبوں کی تلاشی لینے کی ہمت کرتے۔ اُف کتنے عیش ہوتے۔

بکھرے موتی

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصوّرِ جاناں کئے ہوئے

(غالبؔ)

تصوّر میں بھی ان کے کچھ عجب عالم نکلتا ہے
اسی پہ تو مری حیرانیوں کا دم نکلتا ہے

(حسرتؔ)

ہائے یہ حسنِ تصوّر کا فریبِ رنگ و بو
میں یہ سمجھا جیسے وہ جانِ بہار آ ہی گیا

(جگرؔ)

کرتا ہے تصوّر ترا اس رنگ سے باتیں
سُن لے کوئی اک حرف تو افسانہ بنا دے

(حفیظؔ جالندھری)

کس سے باتیں ہو رہی ہیں جوش میں
اے تصوّر! کون ہے آغوش میں

(اکبرؔ حیدری)

یہ عنایت ہے کشش کی، یہ تصوّر کا کرم
ہم کسی سے نہ جُدا ہیں، نہ کوئی ہم سے دور

(زیدی بلگرامی)

مبارک ہیں اس دل کی ویرانیاں
جو تیرے تصوّر سے آباد ہے

(علی اختر اخترؔ)

ساتویں درجے سے نویں درجے تک کے طالب علموں کے لئے

انگریزی کی کتابیں

امریکہ کی چھپی ہوئی یہ خوبصورت رنگین کتابیں بہت خوبیوں کی حامل ہیں۔ ان کتابوں میں بہترین کاغذ استعمال ہوا ہے۔ چھپائی نہایت عمدہ ہے اور پھر خوبصورت صاف ستھری رنگین تصویریں بھی ہیں۔ بچے انھیں دلچسپی سے پڑھیں گے اور ان کو پڑھ کر نہ صرف لطف اندوز ہوں گے بلکہ نئے نئے الفاظ آسانی سے سیکھ جائیں گے اور اس طرح انگریزی کتابوں کو پڑھنے کا شوق اور ہمت بڑھے گی

FIFTY WINTERS AGO	1-50
ANIMALS WORK TOO	1-50
THE ANIMAL'S PRADE	1-50
IN GAME PINKY	1-50
PUEBLO INDIAN STORIES	1-50
ON A TUG BOAT	1-50
SPLASH	2-50

نئی مطبوعات

واردات نیا اڈیشن (افسانے) منشی پریم چند قیمت دو روپئے پچاس نئے پیسے
ناشر مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی

پنجاب میں اردو (ادب) محمود شیرانی قیمت پانچ روپئے ناشر مکتبہ کلیاں، لکھنؤ
معشوقۂ ہند (ناول) صادق سردھنوی " " " " " "
کالج گرل (") ملک زادہ منظور احمد " چار " " " "
رہنمائے شاعری (ادب) مولانا افقر موہانی " ۵۰ نئے پیسے " " "
مراۃ الغیب (نظم) امیر مینائی " چار " ۵۰ " " " "
باقیات غالب وجاہت علی سندیلوی " دو " ۵۰ " " " "
سنہرے بالوں والے بچوں کا دیس (بچوں کے لئے) صالحہ عابد حسین " ایک " ۴۰ " اردو گھر، علی گڑھ
انسانی معاشرہ (نفسیات) محمد عبدالرحمٰن مہاجر " " ۲۵ " آزاد پبلشنگ ہاؤس، دہلی
رباعیات و قطعات شمس شمس الدین علی شمس " " ۲۵ " حمیدیہ پریس، حیدرآباد
داغِ تمنا (ناول) عادل رشید " تین " ۵۰ " چاپا بکڈپو، دہلی
گردِ کارواں (") کنہیا لال کپور " تین " انڈین اکیڈمی، نئی دہلی
ارمغان حرم (نعت منقبت) " پانچ " مرکز ادب، لکھنؤ
افکار سہیل (مضامین) مرتبہ شوکت سلطان، علی احمد عباسی قیمت چار روپئے
ناشر شبلی نیشنل کالج، اعظم گڑھ

بزم خیال (غزلیات) سیدہ فرحت قیمت ایک روپیہ ناشر اردو گھر علی گڑھ
ہم نفسانِ رفتہ (مضامین) رشید احمد صدیقی " تین " " دارالمصنفین، اعظم گڑھ
عکسی دو متن چراغ (ترجمہ قرآن پاک) مولانا فتح محمد خان جالندھری " پانچ " ۵۰ نئے پیسے " نازپبلشنگ ہاؤس، دہلی
رنگ محل (ناول) حمیدہ سلطان " چھ " " شاخ انجمن ترقی اردو "

پاکٹ بکس ایک روپیہ فی جلد

شاہنامۂ اسلام چار جلدوں میں — حفیظ جالندھری
ضرب کلیم — علامہ اقبال
رباعیات عمر خیام دوم — پروفیسر واقف مراد آبادی
انتخاب نظیر — نظیر اکبر آبادی
کلام فانی — فانی بدایونی
تعلیمات رسول — رضی بدایونی
بہشتی زیور اول تا سوم — مولانا اشرف علی تھانوی

ایک شمع ہزار پروانے — مہندر ناتھ
ٹھنڈا گوشت — سعادت حسن منٹو
لیڈیائی دھماکے — اکرم الہ آبادی
جب پتھر روتے ہیں — ٹھاکر پونچھی
ہوائی قلعے — کرشن چندر
مسافر — کرشن گوپال عابد
آپا — زلیخا حسین

ناگن زلفیں — سعید امرت

زیر طبع کتابیں

سراج الدولہ (ڈرامہ) مصنف سچین سین گپتا مترجم اشفاق حسین — مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، نئی دہلی
خرگوش کا سپنا (بچوں کا ناول) " کرشن چندر " "
روح اقبال (نیا اڈیشن بعد اضافہ) ڈاکٹر یوسف حسین " "
شیر شاہ سوری (ناول) صادق سردھنوی قیمت چار روپے — مکتبہ کلیاں، لکھنؤ
طوطی نامہ ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی " " "
آدم خور مظہر الحق علوی قیمت چھ روپے " " "
ایمرسن (منظوم تراجم) " دو " ۵۰ نئے پیسے — انڈین اکیڈمی، نئی دہلی
آئزن ہاور (سوانح حیات) صفحات ۱۱۲ " ایک " — حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی
جارج واشنگٹن (" ") " ۱۶۰ " " " " " "
جوزف پولٹزر (" ") " ۲۰۸ " " " " " "
البرٹ آئن شائن (" ") " ۱۱۲ " " " " " "
امریکی صدارت جدید اڈیشن (تاریخ) " ۱۹۲ " ایک " ۵۰ نئے پیسے " " "

ناشرین کرام اپنے اشاعتی منصوبوں سے آگاہی دیتے ہوئے اپنے مقصد کی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔
اس طرح کی معلومات شائع کرنے کا کوئی معاوضہ نہیں لیا جاتا۔ (ادارہ)

جائزے

دہلی :- از جناب ڈاکٹر مجاہد حسین زیدی ۔ استاد تاریخ، جامعہ کالج

سائز :- $\frac{20 \times 30}{16}$
صفحات :- ۸۶
قیمت :- عہ/ ۵۰ نئے پیسے

لکھائی چھپائی اچھی کاغذ سفید چکنا ٹائٹل خوبصورت دو رنگا۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ۔ جامعہ نگر نئی دہلی

دہلی ہندوستان کا دل ہے۔ ہندوستان کی راج دھانی ہے۔ اب سے نہیں سینکڑوں برس سے۔ ہندو راجاؤں اور بیسیوں مسلمان بادشاہوں نے یہاں بیٹھ کر سارے ملک پر حکومت کی ہے۔ ان بادشاہوں نے اپنے اپنے حوصلے اور ہمت کے مطابق اسے گل و گلزار بنانے کی کوشش کی ہے بہتوں نے نئی بستیاں بسائی ہیں بڑے بڑے شہر آباد کئے ہیں بڑے بڑے مستحکم قلعے شاندار محل بنوائے ہیں۔ مگر یہ سرزمین نئی نئی ابھرتی ہوئی قوتوں باہر سے آنے والے فاتحوں کی تاخت و تاراج کی آماجگاہ بھی رہی ہے۔ اس لئے یہ شہر بن بن کے بگڑے ہیں اور بگڑ بگڑ کے بنے ہیں۔ ان میں سے بہت سے شہروں کا حال بس تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے یا کچھ کھنڈرات اور بوسیدہ عمارتیں اُن کی نشاندھی کرتی ہیں۔ یہ کھنڈر منتشر اوراق کی طرح دہلی کی سرزمین پر بکھرے پڑے ہیں۔ تاہم ان میں سے کچھ پرانے آثار اب بھی باقی ہیں مغل عہد کی عمارتیں خصوصاً اب بھی اچھی حالت میں ہیں۔

لکھنے والوں نے ان قدیم آثار کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مستند سرسید مرحوم کی آثار الصنادید ہے۔ جو اب نایاب ہے۔ لیکن یہ کتابیں بڑوں کے لئے ہیں۔ زیرِ نظر کتاب (دہلی) ڈاکٹر مجاہد حسین صاحب زیدی نے بچوں کے لئے لکھی ہے۔ بچوں کی زبان میں لکھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب تاریخ کے استاد ہیں۔ اس لئے لکھتے وقت مستند تاریخوں کو سامنے رکھا ہے۔

کتاب کے شروع میں دہلی کا نقشہ ہے۔ جہاں جہاں دہلی کے آٹھ شہر آباد ہوئے ہیں

اس نقشے میں ان کی نشان دہی کی گئی ہے۔ نقشے کے دائیں طرف ۲۵ پرانی اور نئی عمارتوں کے نام گنائے گئے ہیں۔ پھر اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔ اس میں کل دس باب ہیں پہلے باب میں پس منظر کے طور پر دہلی کے حکمرانوں کا مختصر سا حال ہے۔ دوسرے باب میں دہلی کے آٹھ شہروں کی مجمل سی تاریخ ہے۔ باقی آٹھ ابواب میں ان آٹھوں شہروں کا۔ ان کی قابل ذکر عمارتوں کا نسبتہً مفصل ذکر ہے۔ آخر میں ایک ضمیمہ ہے جس میں دہلی کے تمام حکمرانوں کی پوری فہرست ہے۔ سب سے آخر میں مسجد قوت اسلام (مہرولی) اور اس کے آس پاس کے قدیم آثار کا ایک نقشہ ہے۔

مجاہد صاحب نے شروع سے آخر تک انداز بیان ایسا دلچسپ رکھا ہے کہ بالکل کہانی کا سا مزہ آتا ہے۔ کتاب شروع کرنے کے بعد ناممکن ہے کہ ختم کئے بغیر آپ اُسے ہاتھ سے رکھ دیں خاص بات یہ ہے کہ کتاب کے مطالعہ کے بعد دہلی کا سارا نقشہ آنکھوں تلے پھر جاتا ہے اور ان آثار کو دیکھنے کی گہری خواہش پیدا ہوتی ہے۔ ان کے دلوں میں بھی جو ان آثار کو بار بار دیکھ چکے ہیں۔ اور یہ ہمارے خیال میں کتاب کی ایک بڑی کامیابی ہے مکتبہ شکریئے کا مستحق ہے کہ اُس نے ایسی اچھی کتاب بچوں کے لئے شائع کی۔ کتاب میں جا بجا تصویریں بھی ہیں ان سے کتاب کی افادیت اور اُس کا حُسن اور بڑھ گیا ہے۔

حسین حسان ندوی۔ جامعی

★

طلوع و غروب اور اسلام

مصنف: لطفی رضوانی

ناشر: فردوس ادب ۴۹ انڈریا اسٹریٹ بمبئی ۸

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی۔

صفحات: ۹۲ سائز: ۲۲ × ۱۸ / ۸

قیمت: ایک روپیہ ۵۰ نئے پیسے

آفتاب کے طلوع و غروب کے اوقات سے واقفیت کی خواہش عام ہے لیکن نمازیوں کو اس کی بہت ضرورت ہوتی ہے کہ صبح صادق، طلوع آفتاب، نصف النہار، غروب آفتاب، غروب شفق کا صحیح وقت معلوم ہو اس غرض سے مختلف قسم کے نقشے مختلف مقامات سے شائع ہوئے ہیں اس سلسلہ میں مولانا سید علی زینبی مرحوم سابق نائب مہتمم "دار العلوم" ندوۃ العلماء لکھنؤ کی جنتری بہت مشہور ہے۔ دہلی کی جامع مسجد اور مسجد فتح پوری سے بھی انگریزی مہینوں کے حساب سے

نقشہ اوقات شائع ہوئے ہیں۔ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے سابق استاذ دینیات مولانا عبدالواسع مرحوم نے ایک بڑی ضخیم کتاب لکھی تھی۔ مسلم یونیورسٹی کے سابق ناظم دینیات مولانا ابوبکر صاحب مرحوم کی بھی اِس بارہ میں مفصل تصنیف ہے ان کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ ساری دنیا کے اوقات بتائے گئے ہیں ساتھ ہی فنی طور پر اصول سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ لیکن اب یہ کتابیں نایاب ہیں اور ان عالمانہ نکتہ سنجیوں کے قدرداں بھی کمیاب ہیں۔ لطفی صاحب نے مختصر طور پر ضروری باتیں سمجھائی ہیں اور آخر میں انگریزی مہینوں کے حساب سے مستقل جنتری لگا دی ہے ضمناً نمازوں میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز اور رویتِ ہلال میں حسابی اصول کو رائج کرنے کی ضرورت پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

اس کتاب میں اوقات بمبئی کے درج کئے گئے ہیں بہتر ہوتا کہ اس کے ساتھ ایک نقشہ ایسا بھی لگا دیتے جس میں ہندوستان کے دوسرے شہروں کا بمبئی کے نقشہ سے فرق ظاہر کر دیتے تاکہ ان کی جنتری سارے ملک میں استعمال کی جا سکتی۔ اسی طرح نصف النہار، ظہر، عصر اور عشا کے اوقات کا بھی جنتری میں ذکر ہو جاتا تو نمازیوں کی ضرورت پوری ہو جاتی۔ امید ہے کہ آئندہ اشاعت میں اس کوتاہی کی تلافی کر دی جائے گی۔

عبدالسلام قدوائی

★

انتخاب فتنہ

مولف: ناوم سیتاپوری
صفحات: ۲۵۶ - سائز: $\frac{20 \times 30}{16}$
قیمت: تین روپے پچاس نئے پیسے
ناشر: نسیم بک ڈپو لکھنؤ

خمریاتی شاعری نے ریاض خیرآبادی کو وہ شہرت بخشی کہ ان کے نثری کارنامے "غرق مئے ناب" ہوکر رہ گئے۔ ستم یہ ہے کہ باذوق اصحاب میں بھی زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی ملتی ہے کہ اگر انھیں ریاض کا اچھے سے اچھا شعر سنایا جائے تو انھیں یہ یقین کرنے میں تکلف ہوتا ہے کہ ریاض ایسا شعر بھی کہہ سکتے تھے:

جب حالت یہ ہو تو کسے یقین آئے گا کہ حضرت ریاض خیرآبادی ایک اچھے صحافی، مترجم اور نثر نگار بھی تھے۔ اردو ادب کی یہ بدقسمتی بھی ہے کہ تنقید نگار حضرات نے ریاض کے شعری

سرمائے کو تو کھنگالا اور طرح طرح کے موتیوں سے دامن ادب کو بھر دیا مگر ان کے نثری شہ پاروں سے ادبی دنیا کو روشناس نہ کرایا۔ ایک مدت کے بعد ان کے مشہور و معروف مزاحیہ اخبار "فتنہ" کا انتخاب جناب ناؔدم سیتاپوری نے پیش کر کے نہ صرف یہ کہ ریاضؔ کے ادبی اور صحافی کارناموں کو صحیح طریقہ پر داد پیش کی ہے بلکہ اردو ادب پر بھی احسان کیا ہے۔ اس کے لئے جناب ناؔدم ہماری مبارکباد کے مستحق ہیں۔

"فتنہ" جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے' ایک چھوٹا سا مزاحیہ ہفت روزہ اخبار تھا جسے ریاضؔ نے ۱۸۸۲ء میں گورکھپور سے نکالا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لکھنؤ میں منشی سجاؔد حسین کے "اودھ پنچ" کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کے باوجود "فتنہ" کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ بقول ریاضؔ "اس کے نام کی وہ خداداد شہرت ہوئی کہ قیامت کو بھی نصیب نہیں۔۔۔ منی آرڈر، پوسٹل نوٹ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے مطبع میں گویا ہن برسنے لگا۔ جب فتنہ شائع ہوا تو اور بھی قیامت برپا ہوئی۔" اس قول کی تصدیق ان بیشتر شہ پاروں سے ہوتی ہے جو ناؔدم صاحب نے بڑی عرق ریزی کے بعد انتخاب میں شامل کئے ہیں۔ ان مختلف النوع خبروں سے ایک طرف تو ریاضؔ کے روزِ قلم، ان کی بذلہ سنجی، اُن کی طنز نگاری اور ان کے صحافتی کردار پر روشنی پڑتی ہے اور دوسری جانب اس عہد کے سماجی، سیاسی، علمی اور ادبی حالات بھی سامنے آجاتے ہیں جن پر لائق مؤلف نے اپنے ۴۵ صفحے کے مقدمہ میں تفصیلی تبصرہ کیا ہے' اور جن کا جاننا آج بھی ضروری ہے اس لئے کہ ادب کی تاریخ کی یہ بھی ایک اہم کڑی ہے۔

کتاب میں حضرت ریاضؔ خیرآبادی کی ایک ایسی پرانی تصویر بھی شامل ہے جو ریاضؔ کے اس مقطع کی تفسیر کہی جا سکتی ہے ؎

دنیا کی پڑ رہی ہیں نگاہیں ریاضؔ پر
کس نوک کا جوان ہے' کس آن بان کا

کتابت، طباعت اور کاغذ نسیم بکڈپو کی روایات کے مطابق ہیں۔ کاش جناب ناؔدم کی محنت کی مناسب داد انھیں اس طرح دی جاتی کہ "انتخاب فتنہ" کو صورتاً بھی جاذب نظر بنایا گیا ہوتا۔ گرد پوش ضرور اچھا ہے۔

ولیؔ شاہجہاں پوری

حدیثِ دل

از: غلام ربانی تاباںؔ
پبلشر: اردو رائیٹرز کواپریٹیو سوسائیٹی دلی
قیمت: دو روپیہ
ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ لمیٹیڈ۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

حدیثِ دل غلام ربانی تاباںؔ کی غزلوں کا مجموعہ ہے۔ اس سے قبل ان کی نظموں کا مجموعہ "ساز لرزاں" کے نام سے شائع ہو چکا ہے اور اردو ادب کے ناقدین اور قارئین دونوں ہی سے دادِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ ان کی غزلوں کا مجموعہ پہلی بار شائع ہوا ہے۔

تاباںؔ کی ایک غزل کا شعر ہے

دل نہ ہو خون تو اے اہلِ ہنر عرضِ ہنر
بے محل بادہ فروشی کے سوا کچھ بھی نہیں

تاباںؔ نے اپنے خونِ دل ہی سے اپنی شاعری کے چمن کی آبیاری کی ہے۔ بظاہر غزل کی صنف اردو شاعری میں نسبتاً آسان معلوم ہوتی ہے اور ہر نومشق شاعر غزل ہی سے اپنی شاعری کی ابتدا کرتا ہے لیکن کسی تجربے، مشاہدے یا حقیقت کے ادراک کو تیسم کی شکل دے کر چند الفاظ میں بیان کر دینا شاید سب سے مشکل کام ہوتا ہے اور یہیں اچھے برے غزل گو کا فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ حدیثِ دل پر نظر ڈالی جائے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ تاباںؔ اچھے غزل گو شاعر ہیں۔

تاباںؔ کی غزلوں میں حسن و عشق کی واردات کا بیان بھی ہے اور معاشرے کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ بھی، مناظر کی حسین عکاسی بھی ہے اور تلخ حقائق پر طنز بھی، آپ بیتی بھی ہے اور جگ بیتی بھی، لیکن آدابِ غزل کا دامن ہاتھ سے کہیں نہیں چھوٹتا۔ ان کے لہجے میں بڑی متانت، سنجیدگی اور اعتدال پسندی ہے۔ وہ سیاسی موضوعات پر غزل کے دروازے بند نہیں کرتے بلکہ باشعور شاعر کی حیثیت سے سیاسی حالات پر تبصرہ کرنا ضروری سمجھتے ہیں لیکن انھیں ہمیشہ اس بات کا احساس رہتا ہے کہ سیاسی مضمون نہیں غزل لکھ رہے ہیں اور اس لئے غزل کے تمام مطالبات کو پورا کرتے ہیں۔

مثال کے لئے میں چند ایسے اشعار پیش کر رہا ہوں جنھیں میرے خیال میں تاباںؔ نے ملک کے حالات سے متاثر ہو کر کہا ہے۔

یہ سوچتا ہوں کہ دستورِ آشیاں بندی
پیامِ مرگ نہ بن جائے بال و پر کے لئے

اے اہلِ چمن ہوگا چمن دید کے قابل
جب جوشِ نمو بڑھ کے گل و لالہ بنے گا

منصوبۂ بہارِ چمن ہو کے رہ گیا
سو بار ذکر سرو و سمن ہو کے رہ گیا
اک بات تھی نمودِ سحر سُن کے رہ گئے
اک ذکر تھا فروغِ وطن ہو کے رہ گیا

اُداس اُداس ہے محفل تہی ہیں پیمانے
شراب کم ہے عزیزو کہ تشنگی کم ہے

نہ موجِ رنگ، نہ موجِ صبا، نہ موجِ شرر
بہار کہیے کہ آشوبِ رنگ و بو کہیے۔

ان تمام اشعار میں ایک جذبۂ ناآسودگی ہے جو غصّہ اور جھنجھلاہٹ کے بجائے درد اور کرب کی شکل اختیار کر گیا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ تاباں یہ شعر سنا نہیں رہے بلکہ خود زیرِ لب گنگنا رہے ہیں۔ یہی زیرِ لب گنگنانا ان کی غزل کی شاید ایک خصوصیت ہے۔

جب وہ محبوب سے مخاطب ہوتے ہیں یا اس کا ذکر کرتے ہیں تب بھی لہجے کی کیفیت اور انداز کا بانکپن وہی رہتا ہے۔

تجھے خبر بھی نہیں ہے کہ دل کی دھڑکن نے
کہاں کہاں تری آوازِ پا کا ساتھ دیا

تباہیوں کا تو دل کو گلہ نہیں لیکن
کسی غریب کا یہ آخری سہارا تھا

یوں تو ہمیں تھی ہمرہیِ خضر بھی نصیب — دل نے کہا کہ لطفِ سفر ہے تمہارے ساتھ

لیکن تاباں کا عشق صرف محرومیوں اور مایوسیوں ہی سے عبارت نہیں ہے۔ ان کے اشعار میں محبوب کے حسن کا پرتو بھی ہے اور وصل یار کا نشاط بھی۔ ؏

فروغِ جلوۂ ساقی فروغِ جام کے ساتھ
چراغ جلتے ہیں کس حسنِ اہتمام کے ساتھ
مہِ تمام کی باتیں مہِ تمام کے ساتھ
وہ رات ہو گئی منسوب ان کے نام کے ساتھ

فروغِ بادہ نے رنگِ حیا کا ساتھ دیا
غرض اسی بتِ کافر ادا کا ساتھ دیا

جینا بھی عبادت اُسے پینا بھی عبادت
حاصل ہو جسے چشمِ سیہ مست کی تائید

میرا خیال ہے کہ تاباں کی وہ غزلیں زیادہ کامیاب اور پر اثر ہیں جو کسی ایک موڈ میں لکھی گئی ہیں۔ ایک داخلی تسلسل انھیں غزل مسلسل کی سی شکل دیدیتا ہے۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہو کہ تاباں کی شاعری کی ابتدا نظم گوئی سے ہوئی اور نظم گوئی کی تربیت ہی نے غیر شعوری طور پر یہ شکل اختیار کر لی ہے۔

تاباں زبان کا بڑا خیال رکھتے ہیں اور فخر سے کہتے ہیں کہ ؏

غالب و میر کی ورثے میں زباں پائی ہے

الفاظ کے انتخاب میں وہ سہل انگاری سے کام نہیں لیتے۔ لیکن غالباً یہی بات انھیں کبھی کبھی مشکل پسندی کی طرف بھی لے جاتی ہے۔

پبلشر مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کتابت طباعت اور گرد پوش میں بہت ستھرے مذاق کا ثبوت دیا ہے اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ مجموعہ اغلاط سے پاک ہے۔ حدیثِ دل اردو غزل میں اچھا اور خوشگوار اضافہ ہے۔

سید محمد مہدی

✶

ماہنامہ "بزمِ ہند" آسنسول

مدیر: بلیغ آسنسولی
سالانہ چندہ: چھ روپے
ایک پرچہ کی قیمت: پچاس نئے پیسے

مغربی بنگال میں آسنسول جیسی خشک زمین پر ادبی جریدہ کی تخم ریزی ایک ایسا جرأت مندانہ اقدام ہے جس کے لئے جناب بلیغ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اس وقت رسالہ کا دوسرا شمارہ پیش نظر ہے جو اکتوبر اور نومبر کا مشترکہ پرچہ ہے۔ صوری اعتبار سے بزمِ ہند کا شمار ملک کے اچھے رسالوں میں کیا جاسکتا ہے۔ کتابت اور طباعت کے لحاظ سے اپنے بہت سے معاصرین میں ممتاز ہے اور معنوی بیاں بھی لائق مدیر کی ادبی صلاحیتوں اور صحافی تجربے کی عکاس ہیں۔ پرچے کی ترتیب اچھی ہے۔ نظم اور نثر دونوں اصناف میں توازن ہے۔ اور ہمیں یقین رکھنا چاہیئے کہ یہ لگن اور دُھن اگر قائم رہی تو بہت جلد رسالہ اپنے لئے اچھی جگہ بنالے گا۔

یہ دیکھ کر کہ لکھنے والوں کو معاوضہ بھی دیا جاتا ہے کہنا پڑتا ہے کہ اس کا ادبی معیار اور بلند ہوسکتا ہے۔ کتابت کی غلطیاں بعض جگہ بہت کھٹکتی ہیں۔ اس کی طرف توجہ ضروری ہے۔ مثلاً صفحہ ۱۲ پر نعیم حیدر سلیم نگری کے قطعہ کے آخری مصرعے میں تیرا کی کی جگہ تیری بہت فاش غلطی ہے۔ اسے کتابت کی غلطی کہا جاسکتا ہے لیکن اسی صفحہ پر ساحر تبیاوی کے پہلے شعر میں "چھین لیا" غلط ہے، روح مونث ہے اس کے لئے "چھین لی" ہونا چاہیئے تھا لیکن اس تبدیلی سے مصرعہ بحر سے خارج ہوجاتا ہے تیسرے مصرعے میں "تو" اور "ہر" کے درمیان "ہے" ضروری ہے۔

ولی شاہجہاں پوری

رسالہ "جامعہ" - دوسرا شمارہ بھی شائع ہوگیا

اس میں پروفیسر محمد مجیب صاحب کا خطبہ، جو جشن چہل سالہ کے موقع پر دیا گیا تھا ملاحظہ فرمائیے
اس کے علاوہ ترکی کی اٹھارہویں انیسویں صدی کی نظریاتی کشمکش، سرسید کے ایک غیر مطبوعہ خط
اخبار اور انیس پر مضامین، روش صدیقی کی ایک نظم اور حالات حاضرہ پر تبصرہ شامل
ہے۔ سالانہ چندہ چھ روپے۔ فی پرچہ آٹھ آنے

پتہ:- رسالہ جامعہ - جامعہ نگر - نئی دہلی

ادبی خبریں

مرتبہ: ظل عباس عباسی

ان کالموں میں ادبی، علمی، ثقافتی اور سائنسی خبریں دی جاتی ہیں اور اس قسم کی تمام خبروں کو تشکریہ کے ساتھ قبول کیا جاتا ہے۔ تمام ادب دوستوں سے تعاون کی استدعا ہے۔

آزاد بھون کا افتتاح

۱۱ر نومبر ۱۹۶۰ء کو نئی دہلی میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ۷۲ویں یوم پیدائش کے موقع پر "آزاد بھون" کی خاص عمارت کی افتتاحی تقریب ہوئی۔ صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اس کا افتتاح کیا۔ آزاد بھون میں ہندوستانی کونسل برائے ثقافتی تعلقات کا صدر دفتر رہے گا۔ اس کے علاوہ نمائش کی دو گیلریاں، ایک شاندار لائبریری "دارالمطالعہ" بیرونی مہمانوں ریسرچ، سمپوزیم اور سیمینار کے لئے بھی کمرے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔

ٹیگور کی صد سالہ سالگرہ

ٹیگور کی پیدائش کو ۱۹۶۱ء میں سو سال پورے ہو رہے ہیں اس موقع پر ایک شاندار جشن منانے کا منصوبہ ہے جسے اس وقت آخری شکل دی جا رہی ہے۔ ۷ر مئی کو "ٹیگور بھون" کا افتتاح ہوگا جس پر چالیس لاکھ روپیہ خرچ ہوا ہے۔ برلا مندر کے پیچھے برج پر ایک کھلا تھیٹر بنے گا جس میں گیارہ سو آدمی بیٹھ سکیں گے۔ اس موقع پر ایک ادبی کانفرنس بھی ہوگی جس میں بہت سے ممتاز غیر ملکی مصنفین بھی شرکت کریں گے۔

بچوں کے لئے لائبریری

راجدھانی میں بچوں کی ایک تنظیم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ نئی دہلی میں بچوں کی ایک لائبریری اور مرکزِ اطلاعات قائم کیا جائے۔ بچوں کی ایک بین الاقوامی تنظیم کی طرف سے ۵ ہزار کتابوں کا عطیہ دینے کی پیش کش بھی مل چکی ہے اور ایک طالب علم کی لائبریرین کی حیثیت سے تربیت دینے کا بھی وعدہ کیا گیا ہے۔ لائبریری کے ساتھ تفریحی سرگرمیوں، بچوں کے لئے فلم اور ٹیلی ویژن سیٹ کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔

علی گڈھ میں آزاد لائبریری

علی گڈھ یونیورسٹی میں جو نئی لائبریری بلڈنگ بنی ہے اس کا افتتاح ۲ر دسمبر ۱۹۶۰ء کو وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو کے ہاتھوں ہوگا۔ اس لائبریری کا نام مولانا آزاد لائبریری ہوگا اور اسی روز ٹیکا رام گرلز کالج میں کملا نہرو ہوسٹل کا افتتاح بھی ہوگا۔

سردار پٹیل کی سوانح عمری

سردار پٹیل کی سوانح عمری کا کام آج کل کانگریس کے سابق صدر شری یو۔ این ڈھیبر انجام دے رہے ہیں انھوں نے اس سلسلہ میں تمام ضروری کاغذات مکمل کر لئے ہیں اور ان کی یہ کتاب آیندہ سال چھپ کر منظرِ عام پر آجائے گی۔

پاکستان کو تعلیمی امداد

فورڈ فاؤنڈیشن کی طرف سے پاکستان کو ۰۰۰،۰۰۰،۱۳ ڈالر کی امداد دی گئی ہے تاکہ وہ اس رقم کو اپنے یہاں کی تعلیمی ترقی میں صرف کر سکے۔ پاکستان کے علاوہ برما اور لبنان کو بھی امداد دینے کا وعدہ کیا گیا ہے۔

ریڈیو مشاعرہ

آل انڈیا ریڈیو دہلی سے ۲ر نومبر کو ایک طرحی مشاعرہ نشر ہوا ہندوستان کے بعض ممتاز اردو شعراء نے بھی اس میں شرکت کی۔ روش صدیقی، وامق جونپوری، نشور واحدی، غلام ربانی تاباں، خلیل الرحمٰن اعظمی، معین احسن جذبی، اعجاز صدیقی، کنول پرشاد کنول، انور صابری، جگن ناتھ آزاد اور ساغر نظامی وغیرہ نے مشاعرہ میں شرکت کی۔

ٹالسٹائی کی کتابوں کی نمائش

نئی دہلی آئی، اے، این، ایس کی بلڈنگ میں ٹالسٹائی کی کتابوں کی نمائش ہوئی جس کا افتتاح مرہٹی کی مصنفہ ماما واریر کرنے کیا اس نمائش میں ٹالسٹائی کی تمام کتابیں اور دنیا کی مختلف زبانوں میں ان کے جو ترجمے ہوئے ہیں وہ اور ان کی پینٹنگس وغیرہ کو پیش کیا گیا ہے۔ وزیر اعظم نہرو نے ٹالسٹائی کی پچاسویں برسی پر ان کے ادبی کارناموں کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں اور مہاتما گاندھی میں ایک قسم کا رشتہ اور ربط تھا جس کی ہندوستان میں بہت قدر کی جاتی ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر ملاحظہ فرمائیے۔)

سالانہ چندہ ایک روپیہ	مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی	فی پرچہ دس نئے پیسے

[illegible] نے جامعہ نگر۔ نئی دہلی سے شائع کیا۔

کشمیر پر حملہ

رپورتاژ

کرشنا مہتا

"کشمیر پر حملہ" مصنفہ کا اپنا ہی المیہ نہیں ایک قوم کا ایک تہذیب اور تمدن کا المیہ ہے۔ ایک بربریت کی داستان ہے جو نیرو سے لے کر چنگیز و ہلاکو تک کی یاد دلاتی ہے۔ ایک ناٹک ہے جو کشمیر کی وادی میں اپنے تمام تر گھناؤنے پن کے ساتھ کھیلا گیا۔